

گلشنِ ہند

مشہور شعراءِ اردو کا ایک تذکرہ

جس کو
میرزا علی متخلص لطیف

نے لکھا۔ یارِ کون آؤں ڈیرنی گور زخزل بند اُردو کے مشہور سرسیت مسطرحان گلگڑٹ کی فرائض سے
علی براہیم خاں کے فارسی تذکرہ گلزارِ ابراہیم سے متبع اصنافوں کے اردو زبان میں
جو آج سے ایک سو پانچ برس پیشتر کی سا اُردو تذکرہ کا ایک عمدہ نمونہ ہے

۱۸۰۱ء
میں تصنیف کیا اور

۱۹۰۶ء
میں

شمس العلماء مولوی شبلی کی تصحیح و تفسیر اور مولوی عبدالحق قنجاوی
کے ایک اُلمائے مقدمہ کے ساتھ، اردو زبان کی خدمت سے لئے
عبد اللہ خاں نے حیدر آباد دکن سے شائع کیا

دارالاشاعت پنجاب کے

رفاعہ عالم پریس لاہور میں چھپا
(جملہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں)

۱۳۲۰ء ہجری کے موسمِ برسات میں پائے تختِ حیدر آباد کی مشہور ندی میں جو حصار سر
نیچے بہتی چلی گئی ہے۔ ایک عظیم الشان سیلاب آیا۔ اس سیلاب سے لاکھوں روپے کا نقصان ہوا
اور کچھ لوگوں کو بمصادق ”چوں خراب شود خانہ خدا اگر دو“ فائدہ بھی پہنچا لیکن اس طوفان
کی سب سے بڑی اور مفید یادگار یہ تذکرہ ہے جو پبلک میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر سیلاب نہ آتا تو
اس نغمہ زمین سے اس علمی چشمے کا بہنا ممکن نہ تھا۔ یہ سیلاب جہاں اور ہزاروں چیزوں کو اپنے
ساتھ لایا، وہاں کسی آفت زدہ کا ایک کتب خانہ بھی بہا لایا، اور اس میں یہ تذکرہ بھی تھا پبلک
میں یہ آب آور دکن آپس کو طریوں کے داموں کہیں اور یہ تذکرہ ہمارے کرم فرما مولوی غلام محمد
صاحب مددگار کینیٹ کو نسلِ دولتِ آصفیہ کے ہاتھ لگا۔ انھوں نے علامہ شبلی کو دکھایا۔ علامہ
موصوف نے اس کو مدبرہ غایت پسند کیا اور انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کرنے کا
قصہ کیا، لیکن انجمن اپنی پیچ در پیچ طرزِ عمل کی وجہ سے اس کو نہ چھاپ سکی اور علامہ موصوف نے
ہم کو اس کے شائع کرنے کی رائے دی، اور خود اس کے ارڈر کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ
علامہ موصوف نے اس کی تصحیح بھی کی اور اس پر کچھ نوٹ بھی لگائے، جو مجھے چھاپ دیئے
گئے ہیں۔

اس تذکرے کی معنوی خوبیاں اور تاریخی حیثیت سے اس کی اہمیت اس مقدمے سے
ظاہر ہوگی جو ہمارے کرم فرما مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے، پرنسپل مدرسہ آصفیہ حیدر آباد نے
ہماری فرمائش سے اس تذکرے پر لکھا ہے جس میں انھوں نے اردو زبان کے نشوونما کی تاریخ
اور اس کی قدیم تصانیف کا بیان اور تذکرہ بڑا کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے مولوی عبدالحق

صاحب کو پر پیس لکھنے میں جو خاص ملکہ ہے۔ اُس کو تمام حدود و اُسک بک جانتی ہے کہ وہ کس طرح ہے
 اس اہم کام کو انجام دیتے ہیں اس لئے ہم بجز شکر سے اور زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے
 ہیں مولوی غلام محمد صاحب کا بھی شکر یہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اپنی علمی فیاضی سے یہ
 کتاب ہم کو بچانے کے لئے دی اور کئی سال تک ہمارے پاس رہی۔ علامہ شبلی بھی خاص
 شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی غایت سے اُس کی تصحیح اور محشی میں اپنا وقت صرف کیا۔
 اس کتاب کے چھپوانے میں خاص اہتمام کیا گیا ہے اور حتی الامکان اس بات کی کوشش
 کی گئی ہے کہ اس کا ایک حرف بھی چھوٹنے نہ پائے؛ البتہ صرف اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ میرا سوا
 درو اور مصنف کا نمونہ کلام جو اس تذکرے میں نہایت کثرت کے ساتھ درج تھا اُس میں سے
 صرف عمدہ نمونہ چن لیا گیا ہے اور اس خدمت کو بھی مولوی عبدالحق صاحب کے ذوقِ سلیم نے
 انجام دیا ہے۔ اس کے سوا اس میں اور کوئی تصرف نہیں کیا گیا بلکہ مقدمے اور نوٹوں سے
 اس کو اور زیادہ مخزنِ معلومات بنایا گیا ہے جس کی قدر دانی کی سبک سے اُمید کی جاتی ہے اگر
 سبک نے اس کی قدر دانی کی تو ہم بہت جلد اور مفید علمی کتابوں کے شائع کرنے کے قابل
 ہونیس گے جو انگریزی اور عربی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔

کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن { عبد اللہ خاں
 ۱۶ نومبر ۱۹۱۷ء

فہرست تذکرہ گلزار ابراہیم

مقدمہ - - - - - الف

ویسچہ - - - - - ا

نمبر صفحہ	روایف الف	پیچہ
۳	شاہ عالم بادشاہ - آفتاب	۱
۹	نواب آصف الدولہ - آصف	۲
۱۳	عمدۃ الملک امیر خاں - انجام	۳
۱۵	تزیل باش خاں - امید	۴
۲۰	سراج الدین علی خاں - آرزو	۵
۲۳	ولی اللہ سرہندی - اشتیاق	۶
۲۵	شاہ نجم الدین - آبرو	۷
۲۸	محمد فضل - افضل	۸
۳۰	گجراتی - احمد	۹
۳۹	۔ - امجد	۱۰
۳۰	۔ - انصاف	۱۱
۳۰	۔ - اشرف	۱۲
۳۰	محمد اشرف - اشرف	۱۳
۳۰	خواجہ زین العابدین - آزاد	۱۴
۳۰	میر مظفر علی دہلوی - آزاد	۱۵

صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	تفصیل
۱۴	۱۴	افصح - شاہ فصیح
۱۵	۱۵	آئمی - خواجہ بہمان الدین دہلوی
۱۸	۱۸	انسان - اسد یار خاں دہلوی
۱۹	۱۹	احسن - احسن اللہ
۲۰	۲۰	احسن - مرزا احسن علی
۲۱	۲۱	آشنا - میرزین العابدین
۲۲	۲۲	آشنا -
۲۳	۲۳	الہام - فضائل بیگ
۲۴	۲۴	المام - شیخ شرف الدین
۲۵	۲۵	آگاہ - محمد صلاح دہلوی
۲۶	۲۶	آگاہ - نور حسن
۲۷	۲۷	افغان - الف خاں
۲۸	۲۸	افکار - میر جیون
۲۹	۲۹	امیر - محمد یار خاں
۳۰	۳۰	اکرم - خواجہ محمد اکرم دہلوی
۳۱	۳۱	اسد - میرامانی دہلوی
۳۲	۳۲	اولاد - میراولاد علی
۳۳	۳۳	اثر - محمد میسر دہلوی
۳۴	۳۴	الم - صاحب میر دہلوی
۳۵	۳۵	الغیر - غلام علی
۳۶	۳۶	اجل - شاہ محمد اجل آبادی

۳۷	انشار -	میرزا شاد الله خاں	۴۱
۳۸	اعظم -	محمد اعظم کنوی	۴۲
۳۹	اعلیٰ علی -	میرزا علی دہلوی	۴۳
۴۰	امانی	میرزا مانی دہلوی	۴۴
۴۱	انصر	میرزا غلام علی دہلوی	۴۵
۴۲	امامی	خواجہ امام بخش غلام آبادی	۴۶
۴۳	ادلیا	میرزا ادلیا مہانی	۴۷
۴۴	احمدی	شیخ احمد وارث	۴۸
۴۵	انتظار	علی نقی خاں دہلوی	۴۹
۴۶	امین	خواجہ امین الدین غلام آبادی	۵۰
۴۷	افسوس	میرزا شیر علی	۵۱
۴۸	آشفہ	میرزا رضا قلی	۵۲
۴۹	آہ	میرزا محمدی دہلوی	۵۳
۵۰	احسان	میرزا شمس الدین	۵۴

حرف (ب)

۵۱	بیدل	مرزا عبدالقادر	۵۱
۵۲	بہار	ٹیک چند دہلوی	۵۲
۵۳	مینزا	۵۳
۵۴	بیچھا	شاہ بیچھا دہلوی	۵۴
۵۵	بے قید	سید فضل علی خاں دہلوی	۵۵

۵۶	بیان	حسن الله	۶۵
۵۷	پیام	شرف الدین علی خاں دہلوی	۶۸
۵۸	کبکبازی	کبکبازی معل دہلوی	۶۹
۵۹	بیرنگ	دلادور خاں	۷۰
۶۰	بیکل	سید عبدالوہاب دولت آبادی	۷۱
۶۱	بیتاب	محمد اسماعیل دہلوی	۷۲
۶۲	بیتاب	سنتو کھڑے	۷۳
۶۳	بیتاب	محمد علیم الہ آبادی	۷۴
۶۴	پاکباز	میر صلاح الدین	۷۵
۶۵	بقا	بقاء الله	۷۶
۶۶	بیدار	میر محمدی	۷۷
۶۷	پروانہ	سید پروان علی مراد آبادی	۷۸
۶۸	پروانہ	راجہ حبوت سنگھ	۶۹
۶۹	بسمل		۷۰
۷۰	بسمل	گدا علی بیگ	۷۱
۷۱	بسمل	سید جبار علی	

حرف رت

۷۲	سماشاہ	ابوالحسن	۸۱
۷۳	تاباں	میر عبدالحی	۸۲
۷۴	تھکین	میر صلاح الدین دہلوی	۸۶

۸۶	سید محمد تقی دہلوی	تقی -	۶۵
۸۷		تصور	۶۶
۸۸	شاہ جواد علی مرشد آبادی	تصویر	۶۷
۸۹	خواجہ محمد علی عظیم آبادی	تمت	۶۸

حرف (ث)

۸۹	- - -	شہاب الدین دہلوی	ثاقب -	۶۹
۹۰	- - -	شجاعت اللہ خاں	ثابت -	۷۰
۹۱	- - -	اصالت خاں	ثابت -	۷۱

حرف (ج)

۸۸	مرزا جوان بخت	جہاندار -	۸۲
۹۰	یحییٰ امان قلندر بخش	جرات	۸۳
۹۳	کاظم علی دہلوی	جوان	۸۴
۹۴	شیخ محمد روشن	جوشش	۸۵
۹۹	مرزا احمد علی دہلوی	جوہر	۸۶
۱۰۰	ہر دیام مرشد آبادی	جودت	۸۷
۱۰۱	میر شیر علی	جرات	۸۸
۱۰۲	میر رمضان علی	جولان	۸۹
۱۰۳	میاں جگنو	جگنو	۹۰
۱۰۴		جان عام	۹۱

ردیف	نام	لقب	تخلص	شعر
۹۲	جنون	دلجوی	-	-
۹۳	جنون	شیخ غلام مرتضیٰ آبادی	-	-
حرف (ح)				
۹۴	حاتم -	شیخ غلام الدین دهلوی	-	-
۹۵	حشت	میر مختار علی خاں	-	-
۹۶	حشت	محمد علی	-	-
۹۷	خری	میر محمد باقر دهلوی	-	-
۹۸	حیدر	غلام حیدر	-	-
۹۹	حیدر	میر حیدر علی شاه دکنی	-	-
۱۰۰	حبیب الله	.	-	-
۱۰۱	حیرت	مراد علی مراد آبادی	-	-
۱۰۲	حسرت	مرزا جعفر علی دهلوی	-	-
۱۰۳	حیران	میر حیدر علی دهلوی	-	-
۱۰۴	حیدری	غلام علی دهلوی	-	-
۱۰۵	میر حامد	.	-	-
۱۰۶	حضور -	دهلوی	-	-
۱۰۷	حسرت	بهیت قلی خاں غلام آبادی	-	-
۱۰۸	حضور	شیخ غلام یحییٰ	-	-
۱۰۹	حسن	میر محمد حسن دهلوی	-	-
۱۱۰	حسن	میر محمد حسن	-	-

۱۱۵	-	-	خواجہ حسن دہلوی	حسن	۱۱۱
۱۱۸	-	-	غلام حسن دہلوی	حسن	۱۱۲
۱۲۳	-	-	موتی لعل	حیف	۱۱۳

حرف (خ)

۱۲۲	-	-	محمد یار خاں دہلوی	خاکار	۱۱۴
۱۲۵	-	-	مرزا ظہور علی دہلوی	خلیق	۱۱۵
۱۲۶	-	-	خادم حسین خاں غظیم آبادی	خادم	۱۱۶

حرف (د)

۱۲۷	-	-	خواجہ میر درد دہلوی	درد	۱۱۷
۱۲۹	-	-	شیخ فضل علی شاہ دانا دہلوی	دانا	۱۱۸
۱۳۰	-	-	میر کرم اللہ خاں	درد	۱۱۹
۱۳۱	-	-	فقیر صاحب	دردمند	۱۲۰
۱۳۲	-	-	غلام محمد باری	دوست	۱۲۱
۱۳۳	-	-	شیخ محمد عبد غظیم آبادی	دل	۱۲۲
۱۳۴	-	-	راے سرب سنگھ	دیوانہ	۱۲۳
۱۳۵	-	-	داؤد بیگ	داؤد	۱۲۴
۱۳۶	-	-	شاہ فتح محمد	دل	۱۲۵
۱۳۷	-	-	سنگو بیگ	درخشاں	۱۲۶

حرف (ذ)

۱۳۴	"	"	"	میرستعد	ذہین	۱۲۷
/"	"	"	"	حسین دوست مراد آبادی	ذاکر	۱۲۸

حرف (ر)

۱۳۵	"	"	"	شاہ حمزہ علی دہلوی	رند	۱۲۹
/"	"	"	"	محمد جعفر خاں دہلوی	راغب	۱۳۰
۱۳۶	"	"	"	شیخ محمد رفیع	رفت	۱۳۱
/"	"	"	"	مفتاب رائے	رسوا	۱۳۲
/"	"	"	"	"	رساے	۱۳۳
۱۳۷	"	"	"	محمد جان	رخشاں	۱۳۴
/"	"	"	"	میر محمد رضا عظیم آبادی	رضا	۱۳۵
/"	"	"	"	مرزا علی رضا	رضا	۱۳۶
/"	"	"	"	"	رضا	۱۳۷
/"	"	"	"	بندربان	راقم	۱۳۸
۱۳۸	"	"	"	"	رنگین	۱۳۹
/"	"	"	"	مرزا امان بیگ	رنگین	۱۴۰
/"	"	"	"	"	ریشید	۱۴۱
/"	"	"	"	سید رضی خاں	رضی	۱۴۲
/"	"	"	"	رستم علی خاں ہتھام الدولہ دہلوی	رستم	۱۴۳

نمبر	۱۴۴	رخصت	میر قدرت اللہ خاں دہلوی	۱۳۹	نمبر
نمبر	۱۴۵	رند	تہربان خاں	۱۴۰	نمبر
حرف (ز)					
نمبر	۱۴۶	زکی	جعفر علی خاں دہلوی	۱۴۰	نمبر
نمبر	۱۴۷	زار	مغل بیگ	۱۴۱	نمبر
نمبر	۱۴۸	زار	میر مظہر علی دہلوی	۱۴۱	نمبر
حرف (س)					
نمبر	۱۴۹	سودا	مرزا محمد رفیع	۱۴۱	نمبر
نمبر	۱۵۰	سوز	سید محمد دہلوی	۱۵۱	نمبر
نمبر	۱۵۱	سوزاں	احمد علی خاں شوکت جنگ	۱۵۸	نمبر
نمبر	۱۵۲	تجاد	میر تجا داد کبیر آبادی	۱۵۹	نمبر
نمبر	۱۵۳	سراج	میر سراج الدین اورنگ آبادی	۱۶۰	نمبر
نمبر	۱۵۴	سیلمان		۱۶۱	نمبر
نمبر	۱۵۵	سامان	میر ناصر جون پوری	۱۶۱	نمبر
نمبر	۱۵۶	سعادت	میر سعادت علی خاں امر دہلوی	۱۶۱	نمبر
نمبر	۱۵۷	سید	میر امام الدین دہلوی	۱۶۱	نمبر
نمبر	۱۵۸	سید	میر یار گلار علی	۱۶۱	نمبر
نمبر	۱۵۹	ساتی	میر حسین علی	۱۶۲	نمبر
نمبر	۱۶۰	سکندر	خلیفہ سکندر	۱۶۲	نمبر

۱۹۲	میر محمد سلیم غلیم آبادی	سلیم	۱۹۱
حرف (ش)					
۱۹۳	شاہ قلی خاں دکنی	شاہی	۱۹۲
۱۹۳	محمد شاکر	شاکر	۱۹۳
۱۹۴	علی خاں دہلوی	میر شاہ علی خاں دہلوی	۱۹۴
۱۹۴	میر غلام حسین غلیم آبادی	شورش	۱۹۵
۱۹۵	حکیم پار علی	شفا	۱۹۶
۱۹۶	میر گلجو	شاعر	۱۹۷
۱۹۶	میر فتح علی	شیدا	۱۹۸
۱۹۶	حسین حسن علی	شوق	۱۹۹
۱۹۷	لالہ خوشوقت رائے	شاداب	۲۰۰
۱۹۷	میرزا محمد علی دہلوی	شہرت	۲۰۱
۱۹۷	امین الدین خاں جہان آبادی	شانی	۲۰۲
۱۹۷	غلام حسین غازی پوری	شہید	۲۰۳
۱۹۷	میر محمدی	شرف	۲۰۴
۱۹۷	میر محمد شیخ	شیخ	۲۰۵
حرف (ص)					
۱۹۷	خاندوران خواجہ محمد عالم	صمصام الدولہ	۲۰۶
۱۹۷	مغل خاں	صنعت	۲۰۷

۱۶۸	حیدر آبادی	صفدری	۱۶۸
//	میر جعفر خاں دہلوی	صادق	۱۶۹
//	میر محمد علی فیض آبادی	صبر	۱۸۰
//	نظام الدین احمد بگرامی	صانع	۱۸۱

حرف (ض)

۱۶۰	..	-	سید ہدایت علی خاں دہلوی	ضمیر	۱۸۲
۱۶۱	..	-	میر ضیا برالدین دہلوی	ضیاء	۱۸۳
۱۶۲	میر غلام حسین دہلوی	ضاحک	۱۸۴

حرف (ط)

۱۶۲	دہلوی	طیش	۱۸۵
//	شمس الدین	طالع	۱۸۶
//	گردہاری صل	طرز	۱۸۷

حرف (ظ)

۱۶۳	..	-	خواجہ محمد خاں	ظاہر	۱۸۸
//	لالہ شیونگہ دہلوی	ظہور	۱۸۹

حرف (ع)

۱۶۳	سید عبدالولی سورتی	عزت	۱۹۰
-----	----	----	--------------------	-----	-----

۱۶۶	محمد عارف اکبر آبادی	عارف	۱۹۱
"	"	"	شاہ رکن الدین دہلوی	عشق	۱۹۲
۱۶۸	"	"	سیتا رام کشمیری	عمدہ	۱۹۳
۱۶۹	"	"	نور محمد برہان پوری	عاصی	۱۹۴
"	"	"	عارف علی خاں اکبر آبادی	عاجز	۱۹۵
"	"	"	معتبر خاں دکنی	عمر	۱۹۶
"	"	"	مرزا محمد عسکری	عیش	۱۹۷
۱۸۰	"	"	بھکاری داس	غزیر	۱۹۸
"	"	"	محمد عظیم	عظیم	۱۹۹
۱۸۱	"	"	میر محمد حسینی	عاشق	۲۰۰
"	"	"	علی اعظم خاں	عاشق	۲۰۱
"	"	"	میر برہان الدین	عاشق	۲۰۲
"	"	"	نشی عجائب راس	عاشق	۲۰۳

حرف (غ)

۱۸۱	سلطان اللہ خاں دہلوی	غالب	۲۰۴
۱۸۲	"	"	میر تقی دہلوی	غریب	۲۰۵

حرف (ف)

۱۸۲	"	"	میر شمس الدین دہلوی	فقیر	۲۰۶
۱۸۴	"	"	اشرف علی خاں دہلوی	فخاں	۲۰۷

نمبر صفحہ	نمبر	موضوع	نمبر
۱۸۵	۲۰۸	فایز دہلوی	۲۰۸
۱۸۶	۲۰۹	شاہ فضل علی دکنی	۲۰۹
۱۸۷	۲۱۰	افضل الدین صاحب دکنی	۲۱۰
۱۸۸	۲۱۱	شیخ فرحت اللہ	۲۱۱
۱۸۹	۲۱۲	میر فتح دہلوی	۲۱۲
۱۹۰	۲۱۳	میر مرتضیٰ علی خاں دکنی	۲۱۳
۱۹۱	۲۱۴	میاں ثناء اللہ خاں دکنی	۲۱۴
۱۹۲	۲۱۵	سید امام الدین دہلوی	۲۱۵
۱۹۳	۲۱۶	مرزا الف بیگ الہ آبادی	۲۱۶
۱۹۴	۲۱۷	مرزا محمد علی دہلوی	۲۱۷
۱۹۵	۲۱۸	لامہوری	۲۱۸
۱۹۶	۲۱۹	میر فتح الدین	۲۱۹
۱۹۷	۲۲۰	میر علی اکبر	۲۲۰
۱۹۸	۲۲۱	میر فیض علی دہلوی	۲۲۱
۱۹۹	۲۲۲	لالہ صاحب رائے	۲۲۲

حرف (ق)

۱۹۱	۲۲۳	شیخ محمد قائم	۲۲۳
۱۹۲	۲۲۴	عبد الغنی بیگ	۲۲۴
۱۹۳	۲۲۵	محمد قادر دہلوی	۲۲۵
۱۹۴	۲۲۶	قیمت	۲۲۶

۱۹۶	لالہ بدہ سنگہ	۲۲۷	قلندہ
۱۹۷	میر جیون	۲۲۸	قربان
۱۹۸	مرزا محمد بیگ لاہوری	۲۲۹	قناعت
۱۹۸	شاہ قدرت اللہ دہلوی	۲۳۰	قدرت

حرف (ک)

۲۰۵	شیخ محمد حسین دہلوی	۲۳۱	✓ کلیم
۲۰۶	دہلوی	۲۳۲	کترین
۲۰۷	دہلوی	۲۳۳	شاہ کامل -
۲۰۸	میر علی نقی دہلوی	۲۳۴	کافر -
۲۰۹	میر علی امجد دہلوی	۲۳۵	گرایاں
۲۱۰	نذر علی خاں دہلوی	۲۳۶	گمان

حرف (ل)

۲۰۸	۲۳۷	لطیفی - دکنی
۲۰۹	میر کلیم اللہ	۲۳۸	سان

حرف (م)

۲۰۸	میر محمد تقی	۲۳۹	✓ میر
۲۱۰	جان جاناں	۲۴۰	منظر
۲۱۸	دکنی	۲۴۱	محقق

۲۱۸	محمد قزلباش	قزلباش	۲۲۲
۲۱۹	راے اندرام	مخلص	۲۲۳
۲۱۹	راجہ رام نراین عظیم آبادی	موزوں	۲۲۴
۲۱۹	..	منعم	۲۲۵
۲۱۹	..	میسرہ دوا اللہ	۲۲۶
۲۱۹	شیخ شرف الدین	مضمون -	۲۲۷
۲۲۱	سید محمد حسین	عزوں	۲۲۸
۲۲۱	محمد محسن اکبر آبادی	محسن	۲۲۹
۲۲۲	دہلوی	مستند -	۲۵۰
۲۲۲	مخلص علی خاں مرشد آبادی	مخلص	۲۵۱
۲۲۵	محمدی، دہلوی	مائل	۲۵۲
۲۲۵	میر ہدایت علی عظیم آبادی	مائل	۲۵۳
۲۲۵	لالہ بخت مل عظیم آبادی	مکین	۲۵۴
۲۲۵	خواجہ بخش اللہ آبادی	منتظر	۲۵۵
۲۲۶	محمد علی خاں	مرزائی	۲۵۶
۲۲۶	برج الزماں خاں	مخلص	۲۵۷
۲۲۶	کشمیری	محبشہ	۲۵۸
۲۲۶	کاکم علی آبادی	منقون	۲۵۹
۲۲۶	مرزا غلام حیدر دہلوی	مجزوب	۲۶۰
۲۲۷	خواجہ محمد محترم دہلوی	مختصم	۲۶۱
۲۲۷	سید امام الدین خاں	مضمون	۲۶۲

نمبر صفحه			نمبر شمار	مصنفی
۲۲۷	۲۶۳	شیخ غلام بهرانی
۲۲۸	۲۶۴	شیخ ولی الله دهلوی
۲۲۹	۲۶۵	غلام امجد
۲۳۰	۲۶۶	نشی لکشن چند
۲۳۱	۲۶۷	مرزا حسین علی بیگ دهلوی
۲۳۲	۲۶۸	سببلی
۲۳۳	۲۶۹	نواب محبت خاں
۲۳۴	۲۷۰	نواب مرزا دهلوی
۲۳۵	۲۷۱	مرزا علی رضا دهلوی
۲۳۶	۲۷۲	شاه محبوب
۲۳۷	۲۷۳	حمایت علی
۲۳۸	۲۷۴	شیخ معین الدین بدایونی
۲۳۹	۲۷۵	میر عوض علی دهلوی
۲۴۰	۲۷۶	میر بنی خان
۲۴۱	۲۷۷	شاه غلام قطب الدین الہ آبادی
۲۴۲	۲۷۸	حافظ فضل علی دهلوی
۲۴۳	۲۷۹	میر حسن دهلوی
۲۴۴	۲۸۰	محمد قلی خاں عظیم آبادی
۲۴۵	۲۸۱	میر قمر الدین دهلوی
۲۴۶	۲۸۲	رام جس
۲۴۷	۲۸۳	حرف (ن)
۲۴۸	۲۸۴	محمد شاہ کر

۲۸۴	نواب عماد الملک غازی الدین خاں	نظام	۲۸۴
۲۸۳	نعیم اللہ دہلوی	نعیم	۲۸۵
۲۸۲	میر غلام نبی گبرامی	میر غلام نبی گبرامی	۲۸۶
۲۸۱	میر عبدالرسول اکبر آبادی	نشار	۲۸۷
۲۸۰	سدا سکھ دہلوی	نشار	۲۸۸
۲۷۹	شیخ علی قلی دہلوی	نعیم	۲۸۹
۲۷۸	دہلوی	نادر	۲۹۰
۲۷۷	میر احمد علی دہلوی	نالاں	۲۹۱
۲۷۶	میر وارث علی عظیم آبادی	نالاں	۲۹۲
۲۷۵	شیخ حسن رضا دہلوی	نجات	۲۹۳
۲۷۴	خواجہ محمد اکرم	نزار	۲۹۴
۲۷۳	محمد مسکری علی خاں دہلوی	نالاں	۲۹۵
حرف (و)					
۲۹۶	شاہ ولی اللہ دکنی	ولی	۲۹۶
۲۹۵	میر ولایت اللہ خاں دہلوی	ولایت	۲۹۷
۲۹۴	محمد وارث الہ آبادی	وارث	۲۹۸
۲۹۳	مرزا محمد ولی دہلوی	ولی	۲۹۹
۲۹۲	لالہ نول رائے	وفا	۳۰۰
۲۹۱	میر ابو الحسن دہلوی	وحشت	۳۰۱
۲۹۰	میر بہادر علی	وحشت	۳۰۲

۲۵۲	شاه واقف دہلوی	واقف	۳۰۳
۲۵۳	مرزا اسحاق	وصل	۳۰۴
..	میر محمد علی	دہم	۳۰۵
..	میر مبارک علی دہلوی	والہ	۳۰۶

حرف (۵)

۲۵۴	شیخ ہدایت اللہ دہلوی	ہدایت	۳۰۷
۲۵۸	دہلوی	بادی	۳۰۸
..	میر محمد اعظم	ہویدا	۳۰۹
۲۵۹	ہدایت علی	ہدایت	۳۱۰
..	غظیم آبادی	ہمد	۳۱۱
..	دہلوی	میر ہنگا	۳۱۲
..	مرزا محمد	ہاتف	۳۱۳

حرف (ی)

۲۵۹	انعام اللہ خاں دہلوی	یقین	۳۱۴
۲۶۱	مصطفیٰ قلی خاں دہلوی	یک رنگ	۳۱۵
۲۶۲	حکیم یونس	یونس	۳۱۶
..	عبدالوہاب	یکرو	۳۱۷
۲۶۳	میر احمد دہلوی	یار	۳۱۸
..	حسن علی خاں	یاس	۳۱۹
..	خسرو دہلوی	ابو الحسن	۳۲۰

مقدمہ

بر تذکرہ گلشن ہند

(از مولوی عبدالحق صاحب بی اے پرنسپل مدرسہ اصفیہ حیدرآباد دکن)

یہ کتاب شعرے اردو کا قابل قدر و نایاب تذکرہ و اتفاق زمانہ سے ایک ایسے نیک دل اور باہمت شخص کے ہاتھ لگ گیا جس نے باوجود بے بضاعتی کے چھپوانے کا تہیہ کیا اور مجھ سے کتاب پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی۔ میں خود بے بضاعت، تاہم اس فرمائش کو جو انھوں نے ولی شوق سے کی تھی ناں نہ سکا، اور بسر و چشم قبول کیا۔

حقیقت اس کتاب کی یہ ہر کہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ آصف جاو کے عہد اور

امیر الممالک لارڈ وارن ہسٹنگز، گورنر جنرل کے زمانے میں، علی ابراہیم خاں نے ایک تذکرہ شعرائے ہند کا فارسی میں لکھا، اور اس کا نام گلزار ابراہیم رکھا تھا۔ کوئی بارہ برس کی محنت میں ۱۱۹۵ھ ہجری مطابق ۱۷۸۱ء عیسوی میں جا کر ختم ہوا۔ اتفاق سے یہ تذکرہ اردو کے بڑے قدردان اور محسن، مسٹر گلارٹ کی نظر سے گزرا۔ انہوں نے مولف تذکرہ ہذا سے فوائسٹ کی کہ اگر اس کا ترجمہ سلیس اردو میں ہو جائے تو بہت خوب ہو۔ ان کا منشا اس سے یہ تھا کہ انگریز بھی اسے پڑھ سکیں اور ان میں اردو زبان اور شاعری کا ذوق پیدا ہو جائے۔ اس طرح یہ کتاب اردو میں لکھی گئی۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ تراجم ہے، بلکہ مترجم نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے، حالات میں بھی اور کام میں بھی جس سے بالکل نئی صورت پیدا ہو گئی ہے اور ایک تالیف کی حیثیت ہو گئی ہے۔

یہ تالیف اُس زمانے میں ہوئی جب کہ دلی میں شاہ عالم بادشاہ اور لکھنؤ میں نواب سعادت علی خاں رونق بخش مسند حکومت تھے۔ بادشاہ تو ایک بے بسی اور بے کسی کی حالت میں تھے اور زمام کے

۱۔ علی ابراہیم خاں متخلص بعلی، مشہور ادیب اور مورخ ہیں۔ پٹنہ کے رہنے والے تھے، اور بعد گورنر جنرل لارڈ کارنوالس بنارس میں چیف مجسٹریٹ اور بعد ازاں گورنر رہے، اور مسئلہ ہجری میں دیں انتقال کیا ان کی مشہور تصانیف میں (۱) گلزار ابراہیم، تذکرہ شعرائے ہند جو شاہ عالم کی بادشاہت آصف الدولہ کی وزارت اور فاران ہسٹنگز کی گورنری میں ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ء) میں لکھا ہوا اور جس پر میرزا علی لطیف نے اپنے اس تذکرہ گلشن ہند کی بنیاد رکھی۔

(۲) خلاصۃ الکلام اور صحف ابراہیم۔ یہ دونوں فارسی شعرا کے تذکرے ہیں۔

(۳) وقایع جنگ مرہٹہ۔ یہ کتاب بعد لارڈ کارنوالس مسئلہ ہجری میں لکھی گئی۔ اس میں ۱۱۹۵ھ تک کے حالات درج ہیں مینجھنے انگریزوں میں اس کتاب کا ترجمہ کیا ہوا۔ اس میں بڑی خوبی سے مرہٹوں کے حالات لکھے گئے ہیں اور بانی جنگ کا حال ایک ایسے شخص سے لے کر لکھا گیا ہے جس نے اپنی آنکھوں سے یہ جنگ دیکھی تھی۔

(۴) ایک کتابیں راجپوت شاہ دلی بنارس کے بغاوت کے حالات لکھے ہیں۔ یہ واقعہ خد صنف کے زمانے کا ہے، مگر جس کے اس کتاب کے شروع ہی میں یہ فقو لکھا ہے کہ من کو علی ابراہیم خاں کے اخیر خواہان کہنی، مگر زیام ۱۱۹۵ھ تک گزرا۔

(۵) خطوط، جو برٹش میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہیں اور جس سے اس زمانے کے بعض حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

بادشاہ رہ گئے تھے، البتہ پورب کی طرف سے ایک جھلکی دکھائی دی۔ دلی کے اہل کمال اپنے وطن سے منہ موڑنا اسی طرف ہوئے۔ یہ قدر دان کے بھوکے تھے، قدر ہوتے جو دیکھی تو وہیں کے ہو رہے۔ سب سے زیادہ شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔ تچہ تچہ شاعری کا دم بھرتا تھا۔ ادھر کے اساتذہ جو پہنچے تو انہوں نے وہ رنگ بجایا کہ سب رنگ پھیکے پڑ گئے۔ یہاں تک کہ نواب سعادت علی خاں جیسا مالی دماغ، متین ہنستیم اور کام کرنے والا شخص بھی اس کے اثر سے نہ بچا۔ باوجود اس کے انشا رائے خاں نے جو ہزار پھلکے دلوں کا ایک پھلکڑ تھا، آخر انہیں اپنی گون نہ دیکھ کر کہہ ہی دیا ہے ”میں ہوں منسوڑا اور تو ہر قطع میرا ترسیل نہیں“

کہتے ہیں کہ یہ اردو شاعری کے عروج کا زمانہ تھا۔ بے شک، لیکن یہ ایک ایسا عروج تھا جس کے ایک رخ پر عروج اور دوسرے رخ پر زوال کی تصویر نظر آتی تھی۔ عروج تو اس لئے کہ زبان روز بروز منجھتی جاتی تھی اور صاف اور شستہ ہوتی جاتی تھی اور زوال اس لئے کہ فن شاعری میں صرف فارسی والوں کی تقلید کی جاتی تھی اور تقلید بھی ناقص۔ اس کے بعد اور لوگ جو پیدا ہوئے وہ بھی اسی ڈگر پر ہوئے۔ شاعری بس اسی کا نام رہ گیا تھا کہ بندش چیت ہے، قافے کو اچھی طرح بنا دیا، ایک آدھ محاورہ آگیا، کسی نئی یا سنگلاخ زمین میں غزل کہہ دی، کبھی کبھار ڈرتے ڈرتے سال دو سال میں کسی نئی تشبیہ یا استعارے کا استعمال ہو گیا۔ رہا مضمون، سو خدا کے فضل سے اس میں برکت ہی برکت تھی، اور اب بھی وہی حال ہے۔ مضمون تو مضمون تشبیہات تک مقررہ ہیں اور اب تک وہی استعمال ہوتی چلی آتی ہیں کسی نئی تشبیہ کا لکھنا بڑی بہادری اور جرأت کا کام ہی، کیوں کہ ہمارے نکتہ سنج شاعر اس کے لئے سزا طلب کرتے ہیں۔ جیسے کوئی قانون داں کسی فوجداری جرم میں تعزیرات ہند کی دفعہ تلاش کرتا ہو اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ان شعرا کی محنت سے زبان صاف ہو گئی، لیکن اپنی شاعری کی طرح

ٹھٹھر کے رہ گئی اور جو حصار کہ ہمارے نوز گوشترا نے اس کے گرد باندھ دیا تھا اس سے آگے قدم نہ رکھ سکی۔ اس سے بڑھ کر محمد و دھونے کی اور کیا دیں ہو سکتی ہے کہ شاعری کا دعویٰ ہمارے اردو استاد ہیں۔ مگر خط و کتابت فارسی میں کرتے ہیں، دیوان اردو ہے، مگر مقدمہ فارسی میں لکھا ہے۔ کوئی معاملہ اُڑا اٹھا مطلب فارسی میں ہوتا ہے اردو میں نہیں، کسی طبیب کے پاس جائے نسخہ فارسی میں ہے (اور یہ اب تک رائج ہے) سرکاری دفاتر میں فارسی رائج ہے، یہاں تک کہ خط کی مشق کے لئے بھی شعر لکھے جاتے ہیں تو فارسی، اب اردو کو وسعت ہو تو کیوں کر۔

لیکن ایک قوم جو سات سمندر پار سے آئی تھی اور جس کا تسلط اس وقت ہندوستان پر اس طرح بڑھتا چلا جاتا تھا، جیسے ساون بھادوں کی گٹھا آسمان پر چھا جاتی ہے، اس نے اردو کی دستگیری کی اور وہ اس لئے کہ ہندوستان سے واقف ہونے اور یہاں کی مہذب سوسائٹی میں ملنے جلنے کے لئے اس کا جانا ضروری تھا۔ دوسرے یہ زبان ریاست کی گود میں پٹی تھی جہاں جہاں اُس وقت بھی مغلیہ حکومت کے آثار تھے، اسی کا دور دورہ تھا۔ علاوہ اس کے ہندوستان کی جدید زبانوں میں سب سے زیادہ ہونا نظر آئی۔ اس لئے انھوں نے اس کی سرپرستی کی بڑا احسان ڈاکٹر جان گلکریسٹ کا ہے جس نے انیسویں صدی کے شروع میں، بمقام فورٹ ولیم کالج اس کا ایک محکمہ قائم کیا، جس کا ابتدائی اور اصلی مقصد یہ تھا کہ جو انگریز یہاں ملازمت اختیار کرتے ہیں ان کی تعلیم کے لئے اردو کی مناسب اور مفید کتابیں تالیف کرائی جائیں اور غالباً اسی شخص کا احسان ہے کہ بجائے فارسی کے اردو زبان دفتر کی زبان قرار پائی۔ یہ عجیب واقعہ ہے اور یاد رکھنے کی بات ہے کہ فارسی جو مسلمان فاضلوں کی ہمتی زبان تھی، ایک ہندو راجہ ٹوڈرمل کی کوشش سے دفاتر میں داخل ہوئی، اور دوسرے دور میں اردو نے ایک انگریز کی وساطت سے دربار سرکار میں رسانی پائی۔ اس شخص نے اس وقت کے قابل قابل لوگ ہم پہچانے اور مختلف کتابیں لکھوانا شروع کیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو نثر کا لکھنا اسی وقت سے شروع ہوا، اور بلا مبالغہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو احسان قرنی نے اردو نظم پر کیا تھا، اس سے زیادہ نہیں تو اسی قدر احسان جان گلگرسٹ نے اردو نثر پر کیا ہے۔

چوں کہ یہ تذکرہ بھی اسی نامور اور قابل شخص کی تحریک سے لکھا گیا تھا، لہذا اس مقام پر مختصراً یہ بیان کرنا کہ اس کی نگارنی میں یا اور انگریزوں کی سسی سے کیا کیا کام ہوا، اور اردو زبان کس قدر اضافہ ہوا، نامناسب نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں سب سے اول سید محمد حیدر بخش حیدری قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے ۱۸۰۱ء میں توہ کا کہانی لکھی، جو اصل میں انھوں نے طوطی نامہ کو اپنی زبان میں لکھا ہے۔ طوطی نامہ ابنِ شامی نے عبد اللہ قطب علی شاہ کے زمانے میں، دکنی زبان میں لکھا تھا، مگر ماخذ اس کا ایک سنسکرت کتاب ہے۔ آرائیں محفل یعنی مشہور قصہ حاتم بھی جواب تک عوام میں دل چسپی سے پڑھا جاتا ہے، انھیں کا لکھا ہوا ہے۔ ایک کتاب گل مغفرت یا دہ مجلس مسلمانوں کے اولیاء اللہ کے حالات میں بھی لکھی ہے۔ فارسی کی مشہور کتاب بہار دانش کا بھی اردو ترجمہ کیا ہے جس کا نام گلزار دانش ہے۔ ایک اور کتاب تاریخ نادری اردو میں لکھی، یہ کسی فارسی تاریخ کا ترجمہ ہے۔

دوسرے صاحب میر بہادر علی حسینی ہیں انھوں نے میر حسن دہلوی کی مشہور و معروف منوی سحر البیان (قصہ بد مذہبوں بے نظیر) کو اردو نثر میں کیا ہے اور اس کا نام نثر بے نظیر لکھا، اور ایک کتاب اخلاق ہندی کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب کا ماخذ فارسی کتاب مفح اقلوب ہے جو اصل میں سنسکرت سے لی گئی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ۱۸۰۲ء میں لکھی گئی تھیں۔

میراتن دہلوی سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ احمد شاہ درانی کے زمانے میں جو دلی پرافت تویہ وطن کو چھوڑ کر مٹنہ میں رہے، یہاں سے ۱۸۰۲ء میں کلکتہ پہنچے۔ باغ و بہار کی وجہ سے

ان کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔ یہ کتاب سترہ سو اسی لکھی گئی ہو اور اسی سو صدی کے آغاز میں دلی کی جو زبان تھی اس کا اعلیٰ نمونہ ہو۔ اس کتاب کا ماخذ امیر خسرو کی چار درویش ہو۔ میرامن نے امیر خسرو کی تصنیف سے ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اس سے پیشتر ایک صاحب تحسین نامی ساکن ٹاؤن نے اسے امیر خسرو کی کتاب سے ترجمہ کیا تھا اور اس کا نام نو طرز مرصع رکھا تھا؛ میرامن نے اخلاق محسنی کے تتبع میں ایک کتاب گنج خوبی بھی اسی زمانے میں لکھی۔ حفیظ الدین احمد نوٹ ویم کالج میں پروفیسر تھے۔ سترہ سو اسی لکھی انھوں نے علامی ابو الفضل کی کتاب عیار دانش کا ترجمہ اردو میں کیا اور خروافرو زاس کا نام رکھا۔ اصل کتاب سنسکرت میں ہو اور عربی میں لکھیا دمنہ نام سے مشہور ہو۔

میر شیر علی افسوس بھی اسی سلسلے میں ممتاز شخص ہیں۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ گیارہ برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے بہت سے انقلابات کے بعد نواب سالار جنگ اور پھر ان کے بیٹے نوازش علی خاں کے ہاں ملازم رہے اور جب یہ شیرازہ بکھر گیا تو صاحب عالم عالمیاں مرزا جو ان نجات جہاں دار شاہ کے متوسل ہو گئے۔ مگر جب شہزادہ عالم کا کوئی شاہ جہاں آباد کی طرف ہوا تو یہ ساتھ نہ جاسکے اور نواب سرفراز الدولہ بہادر کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرنے لگے۔ تلخ آن کو میر حیدر علی حیراں سے ہو اور بعض کا قول ہو کہ میر درد اور میر سوز کے شاگرد ہیں۔ اتنے میں صاحب عالی شان بارہ صاحب نے مسٹر گلکرسٹ کے مشورے سے، زبانِ انانِ رنجیتہ کو لکھنؤ سے طلب فرمایا، چنانچہ لکھنؤ کے ریڈیٹ مسٹر اسکاٹ نے میر شیر علی افسوس کو انتخاب کیا اور دو سو روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کر کے پانسو روپے خرچ راہ دیا اور کلکتہ روانہ کیا۔ سترہ سو اسی میں کلکتہ پہنچے اور نو برس بعد انتقال کر گئے۔ یہاں انھوں نے ایک قابل قدر کتاب آرائش محفل لکھی، جس میں ہندوستان کے مختلف حالات درج ہیں۔ اس کتاب کا ماخذ

بحانِ رائے کی کتاب خلاصۃ التواریخ ہے اور مرنے سے سال بھر پہلے یعنی ۱۸۸۰ء میں سعدی کی گلستاں کا ترجمہ باغِ اردو کے نام سے اردو میں کیا۔

نمالِ چند نے ۱۸۸۰ء میں مثنوی گلِ بکاولی کو اردو نشر میں لکھا اور نام اس کا غزبِ عشق رکھا۔ کاظم علی جوان بھی دہلی کے تھے، بعد ازاں لکھنؤ میں آئے، اور وہاں سے ۱۸۸۰ء میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں آئے۔ انھوں نے ۱۸۸۰ء میں شکنتلا کا قصہ اردو میں لکھا۔ نوار کبیر نے جو بیچ بھاکا میں (۱۸۸۰ء) شکنتلا کی کہانی لکھی تھی، اس کا یہ ترجمہ ہے۔ انھوں نے ایک بارہ ما بھی لکھا ہے اور اس میں ہندو مسلمانوں کے تیوہاروں کا ذکر ہے، جس کا نام دستور ہند ہے اور جو ۱۸۸۰ء میں چھپا۔

اکرام علی نے ۱۸۸۰ء میں رسائلِ اخوانِ اصفاء میں سے ایک رسالے کا ترجمہ عربی سے اردو میں کیا، جس میں شاہِ اجنبہ کے سامنے انسان و حیوان کا جھگڑا پیش ہے کہ ہم دونوں میں کون افضل ہے۔ یہ من جملہ اُن رسائل کے ہے جو بغداد کی مشہور رسوائی اخوانِ اصفاء کے اہتمام سے لکھے گئے تھے۔

سری لالو گجرات کا برہمن تھا جو شمالی ہند میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس نے فورٹ ولیم کالج کی نگرانی میں ہندی کی بعض کتابیں مثلاً پریم ساگر، راجِ منتی و لطائفِ ہندی ترجمہ یا تالیف کیں۔ سنگھاسن سبھی، سری لالو اور جوان نے مل کر ۱۸۸۰ء میں لکھی جو آدمی اردو آدمی ہندی ہے۔

منظر علی ولانے بتیاں کچھ سی لکھی، جو مضمون اور مذاہن کے لحاظ سے سنگھاسن سبھی کے مثل ہے۔ اور نیز ولا کی مدد سے قصہ باد و حوٹل کو بیچ بھاکا سے اردو میں ترجمہ کیا۔

ملاوہ اس کے خود گلرست نے ۱۸۸۰ء میں اردو کی ایک نعت لکھی۔ زبان کے بعض

قواعد لکھے اور مختلف طرح سے اردو زبان کی خدمت کی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر گلکرسٹ سے
 اول بھی ایک شخص فرگسن نامی نے اردو کی ایک لغت لکھی تھی جو لندن میں ۱۸۳۷ء میں طبع ہوئی
 مگر چھپ کر وہ بالکل ناکافی تھی، جنرل ولیم کرک پیٹرک نے ایک ڈکشنری لکھنے کا ارادہ کیا،
 جس کے انھوں نے تین حصے کئے، مگر اس کا ایک ہی حصہ طبع ہونے پایا۔ اس حصے میں انھوں نے
 وہ الفاظ لائے ہیں جو عربی فارسی سے ہندی میں آگئے ہیں۔ باقی دو حصوں کے طبع کرنے کے لئے
 انھیں ناگری ٹائپ کا انتہا تھا وہ جلد تیار نہ ہو سکا اور کتاب ناقص رہ گئی۔ یہ ایک حصہ لندن
 میں ۱۸۴۷ء میں طبع ہوا۔ لندن سے جب یہ واپس آئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر گلکرسٹ بھی اسی کلمہ میں
 لگے ہوئے ہیں، تو چاہا کہ دونوں مل کر اسے انجام دیں، مگر چونکہ ان کو اور بہت سے کام
 کرنے تھے، اس لئے تموڑے دنوں کے بعد وہ الگ ہو گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ تنہا یہ کام کرتے رہے۔
 ڈاکٹر صاحب نے ایک حصہ انگریزی ہندوستانی لغت کا تیار کر کے ۱۸۹۵ء میں چھاپ دیا۔
 مگر دوسری جلد ہندوستانی انگریزی لغت ختم نہ کر سکے علاوہ ان تمام دفتروں کے جن سے وہ
 گھبرا گئے تھے، ایک وقت یہ بھی تھی کہ فریدارہم نہ پہنچے۔ صرف شتر صاحبوں نے خریداری منظور کی۔
 حالاں کہ خرچ کا اندازہ کم سے کم چالیس ہزار روپیہ کا کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو
 نہایت حسرت کے ساتھ خیر باد کہا اس کے بعد مجرڈیو ڈیوڈ ٹامسن رچرڈسن پرنٹرز و کمپنیز
 ملٹری ایکاڈمی نے اردو لغت لکھنی شروع کی، مگر افسوس کہ اس کا بھی وہی حشر ہوا اور طبع
 ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کے بعد ۱۸۹۷ء میں ڈاکٹر ٹیلر نے ایک ہندوستانی انگریزی لغت
 طبع کرائی۔ اسی کتاب کو پھر ڈاکٹر ولیم ہٹرنے فورٹ ولیم کالج کے ایسی ادیبوں کی امداد سے
 نظر ثانی کر کے چھپوایا۔

گیلڈن نے ایک لغت فارسی اور ہندوستانی زبان کی دو جلدوں میں لکھی، جو کلکتہ

میں ۱۸۵۸ء میں چھپی بستر جان ٹیکسپیئر نے ایک اردو لغت ۱۸۱۷ء میں طبع کرائی، یہ کتاب زیادہ تر ٹیکر کی لغت سے ماخوذ ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اسی کتاب کو دوسرے قاصد میں پڑ گیا گیا ہے۔ فویرس کی لغت ۱۸۴۲ء میں لندن میں چھپی ایک فرانسیسی برٹرنیٹ نے بھی ایک لغت لکھی جو پیرس میں ۱۸۵۸ء میں طبع ہوئی۔ برائس کی لغت ۱۸۶۲ء میں لندن میں چھپی پلیٹ نے بھی ایک لغت لکھی ہے جس کے طبع ہونے کا سن مجھے معلوم نہیں ہوا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر فیلن نے اردو کی کئی لغات لکھیں، ان کی ہندوستانی انگریزی لغت و حقیقت سب سے بہتر ہے، یہاں تک کہ اہل زبان نے بھی جو دو ایک لغت لکھے ہیں، ان میں بھی زیادہ تر فیلن کا متبع کیا گیا ہے، بلکہ اسی سے ماخوذ ہیں۔

اس مقدمے میں جو انگریزوں کے احسان کا ذکر کیا گیا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس تذکرے سے بھی بعض باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کو اس زبان سے خاص دل چسپی تھی اور اس کی ترقی دینے میں انھوں نے حتی الامکان کوشش کی۔ میر شیر علی افسوس کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے، اور وہ ہم نے اسی تذکرے سے لیا ہے۔ میر کے حال میں لکھا ہے :-

”جن ایام میں کہ درخواست صاحبان عالی شان کی زباں دانان ریختہ کے مقدمہ میں
کلمتہ لکھنو گئی تو پہلے کرنل اسکاٹ صاحب کے سامنے تقریب میر کی ہوئی لیکن ملت پیری
سے یہ بیچارے جموں کے معمول ہوئے، اور جہانان نوشن مہر کی گری سے قوت برنی کے
مقبول ہوئے۔ زمانہ خوش طبعوں سے کبھی نہیں خالی ہے اکثر اہل لکھنو پچارتے تھے کہ کلمتہ
میں شاعری کی جادخواست جمالی ہے“

غالباً اس جگہ کے لئے میر شیر علی افسوس کا انتخاب ہوا، کاش میر صاحب کا انتخاب ہوتا!

چوں کہ ان کی نظم میں اتنا درجے کی فصاحت و شیرینی اور سلاست اور گھلاوٹ موجود ہے، اس لئے ممکن تھا کہ وہ فورٹ ولیم کالج میں جا کر نثر میں کوئی ایسی یادگار چھوڑ جاتے کہ اہل زبان ان کی نظم کی طرح اسے سراور آنکھوں پر رکھتے، اور اردو زبان میں ایک عجیب اور قابل قدر اضافہ ہوتا۔

نواب محبت خاں محبت، خلف ارشد نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے ذکر میں لکھا ہے کہ :-

” انھوں نے نواب ممتاز الدولہ مسٹر جانسین کی فرائض سے قصہ سسی پنوں کا اردو

میں نظم کیا اور نام اس کا اسرارِ محبت رکھا،“

میر تقی الدین کے حال میں درج ہے کہ :-

” انھوں نے میر تقی حسین، فرنگی لقب کے توسل سے ممتاز الدولہ مسٹر جانسین کی سربکار

میں توسل حاصل کیا، اور ان کی رفاقت میں کلکتہ آکر عماد الدولہ گورنر مسٹر ہشٹن (ہشٹنگن) کی

جلالت جنگ بہادر کی امانت سے پیشگاہ نظامت صوبہ بنگ سے ملک الشعراء کا خطاب لیا۔“

اس زمانے میں علاوہ ڈاکٹر فیلن کے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، کرنل ہال رائڈر سابق

ڈاکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے بھی اردو زبان کی ترقی میں بیش بہا مدد دی، سلسلہ تعلیم

کے لئے عمدہ عمدہ کتابیں لکھوائیں، انگریزی سے بھی بعض چیزیں ترجمہ کرائیں اور اس میں

مفید اور نیک مشورہ دیا۔ کتابت اور چھاپائی میں بھی خاص اہتمام کیا، اور اس میں کارآمد اصلاحیں

کیں، اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ لاہور میں ایک انجمن قائم کی جس میں تحسین مضامین پر عمدہ

عمدہ نظمیں لکھوائیں، شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی، اہد شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد

کی بعض نظمیں انھیں کی تحریک سے لکھی گئیں اور وہیں پڑھی گئیں۔ کرنل ہال رائڈر کا یہ کام بہت

قابلِ قدر اور قابلِ تعریف ہو، اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ”اردو نثر کی طرح اردو نثر شاعری کی بنا بھی ایک حد تک انگریزوں ہی کے ہاتھوں لکھی گئی۔ آج کل مسٹر بل ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن پنجاب نے جو انجمن ترقی اردو کی صدارت قبول فرما کر اردو کی سرپرستی فرمائی ہے وہ بھی کچھ کم قابلِ شکریہ نہیں۔ اسی سلسلے میں جو ایک اور قابلِ قدر کام انگریزوں کے ہاتھوں ہوا ہے اور جس کا ذکر میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ سب سے اول اردو کتابیں بھی انھوں ہی نے چھپوائیں، اول اول فورٹ ولیم کالج ہی کے پریس میں اردو کتابیں ٹائپ میں طبع ہوئیں اور جتنی کتابیں کہ ڈاکٹر گلکرسٹ اور اس کے جانشینوں کی نگرانی اور مشورے سے تیار ہوتی تھیں وہیں چھپتی تھیں اس کے بعد تھوگراف پریس سب سے پہلے دہلی میں ۱۸۳۷ء میں استعمال ہوا، اور اس کے بعد سے روز بروز کتابوں کے چھپنے میں ترقی ہوتی رہی۔

وہ انگریز حاکم جس نے اس ملک میں بیٹھ کر جو اردو کا جنم مجوم اور وطن مالوفہ ہوا اسے دفاتر سے نکال کر ذیل کرنا چاہتا تھا، وہ سخت غلطی پر تھا۔ اگر وہ اس زبان کی تاریخ سے واقف ہوتا اور یہ جانتا کہ اس کے واجب التحقیم بزرگوں نے اس کے حاصل کرنے اور اسے وسعت دینے میں کیسی کیسی مشقتیں جھیلی ہیں اور اس عجیبے غریب سلطنت کی بنیاد کے ساتھ ہی اس عجیبے زبان کی بنیاد بھی مستحکم کی ہے، تو ضرور اپنی حرکت پر تادم ہوتا۔ یہ زبان کسی خاص فرقے یا کسی خاص ملت کی نہیں ہے۔ اس پر دنیا کی تین بڑی قوموں نے عرق ریزی کی ہے، ہندو اس کی ماں ہیں، مسلمان اس کے باپ ہیں اور انگریز اس کے گاڈ فادر ہیں جو لوگ اس کے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں وہ گویا اس نشانی کو مٹانا چاہتے ہیں، جو تینوں کے اتحاد کی یادگار ہے۔ وہ غلطی پر ہیں، جب تک ہندو اور مسلمان اور انگریز دنیا میں قائم ہیں، کم از کم اس وقت تک یہ زبان ضرور قائم رہے گی۔

افسوس ہے کہ صاحب تذکرہ نے اپنے حالات کچھ نہیں لکھے؛ دیباچے میں تو ذکر ہی نہیں، شعرا کے سلسلے میں جہاں اپنا حال لکھا ہے وہ بھی برائے نام ہے؛ بلکہ دوسرے شعرا کے مقابلے میں بالکل کم اور ناگفتنی ہے، البتہ اپنا کلام بڑے شوق سے نقل کیا ہے اور شاید اس موقع کو قیمت سمجھ کر سب کا سب درج ذکر کر دیا ہے۔ لہذا ہم نے کچھ ان کے کلام سے اور کچھ دوسرے تھوڑا بہت حال ہم پہنچایا ہے۔

نام میرزا علی تخلص لطف تھا، ان کے والد کاظم بیگ خاں اسطر آباد کے رہنے والے تھے، ۱۱۵۲ھ ہجری میں نادر شاہ کے ساتھ شاہ جہان آباد تشریف لائے اور ابو المنصور خاں صفدر جنگ کی وساطت سے دربار شاہی میں رسوخ پایا، فارسی کے شاعر تھے اور ہجری تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں میرزا علی لطف باپ ہی کے شاگرد تھے۔ میرزا لطف دیباچے میں لکھتے ہیں:-

”میرا ارادہ سیر حیدر آباد کا تھا گر چوں کہ مٹر گلگرسٹ نے بڑے اخلاق اور تپاک کے ساتھ مجھ سے اس تذکرے کے لکھنے کی خواہش کی لہذا میں نے اسے بسر و چشم قبول کیا۔“

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:-

”آج کے دن تک کہ ۱۲۱۵ھ ہجری اور ۱۸۰۱ء کے ہیں، عہد سلطنت قائم ہے، اسی

بادشاہ روشن دل خدا پرست سے ...“

پھر اس کے بعد نواب سعادت علی خاں بہادر کا ذکر کیا ہے اور بعد ازاں مارکوہ لیں فی ملوہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:-

”موافق حکم اس صاحب الامتاق کے کہ نام نامی اسد ہم گرامی آس کا اور پرنذر۔“

بہا ہے اس عجمی جان نے یہ تذکرہ لکھا۔“

اس سے صاف ظاہر ہو کہ یہ تذکرہ مؤلف نے سنہ ۱۸۰۷ء میں ترتیب دیا، اس کے مادہ تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب سنہ ۱۲۱۵ھ ہجری میں لکھی گئی۔

”جیراں پھریں ہیں بے سرو پا بہمن اور دے

تاریخ اس کی جب سے کہ رشکِ نشت ہے

اور غالباً یہی سال اختتامِ تذکرہ کا بھی ہے۔
۱۲۲۰ھ - ۱۲۲۶ھ - سنہ ۱۲۱۵ھ ہجری

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس فرمائش کے بعد نہیں، تو اول ضرور حیدر آباد میں تشریف رکھتے تھے، کیوں کہ ان کے کلام میں وہ قصائد درج ہیں جو انھوں نے اعظم الامرا ارسطو جاہ اور میر عالم کی مح میں لکھے تھے۔ اعظم الامرا مرہٹوں کی قید سے نجات پانے کے بعد دوبارہ سنہ ۱۷۹۶ء میں وزیر مقرر ہوئے اور مئی سنہ ۱۸۰۷ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے بعد اسی سال میر عالم وزیر ہوئے، اور سنہ ۱۸۰۷ء میں وفات پائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف اس زمانے میں حیدر آباد چلے گئے تھے۔ چوں کہ ان کو زیادہ تر یا تو انگریزوں سے سابقہ رہا، یا اہل حیدر آباد سے، اس لئے انھوں نے ایک شعریں اس قطع کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے کہتے ہیں :-

”ہوا آوارہ ہندستان سے لطف آگے خدا جانے

دکن کے سانولوں نے مارا یا انگن کے گوروں نے“

جو قصیدہ انھوں نے اعظم الامرا ارسطو جاہ کی مح میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی وہ فرنگی بال اور خوشن حال تھے اور دکن میں جا کر ارسطو جاہ کے ہاں ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ کے ملازم ہو گئے تھے، مگر اس تنخواہ سے خوش نہیں تھے، اضافے کی درخواست کرتے ہیں اور بڑے زور سے کرتے ہیں :-

معصی کی بات ہو، یہ سافروطن میں تھا
 شکر خدا کہ آج جب تک یہی دودھ گوش
 ہر چند ہی تھری ہی غایت سے یہ سکوں
 اس سامعہ خدائی سے مجھ کو جو ہر غرض
 سرکار سے تری جو زرا و تفضلات
 ہر چند جئے شکر ہے پر عرض کیا کروں
 بے گفتگو چاہیں تو ان ڈیڑھ سو میں سے
 خلقِ خدا کا بلا اٹھاتی ہے پانکی
 باقی جو تنوار ہے کئی دن میں نہاں یہ پھر
 تجھ سے ہو قدر دان نکات اور یکہ تیغ
 بفضل و ہنر جو مجھ میں ہے وہ سب بہ کلف
 ہے ہمت بلند کا تیسری جو اقتضا
 انہیں کہ کم دماغ ہوں ضیقِ معاش سے
 لیکن نہ وہ اضافہ جو ہوے برائے کام
 تنصیف اصل چاہتا ہے تجھ سے یہ ضیغ
 غالب ہے تجھ پر شاق نہ ہوں میرے تین
 جو شکایت شاعر نے اخیر شعریں کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں قدیم سے چلی آرہی ہے اور
 اب تک باقی ہے۔

اس قصیدے میں شاعر نے تعلی کی ہے اور تا مصرعی کا ذکر کیا ہے کہ ذوالفقار خاں کی

مح میں اس نے قصیدہ کہا اور صرف اس کے اس مطلع پر :
 ”اے شانِ حیدری ز جبینِ تو آشکار
 نام تو در بسد کند کارِ نفعار“

امیرا لاد نے زرو سیم نثار کیا۔ پھر اس مطلع کو پڑھ کر کہتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے :-
 جز لفظ ذوالفقار نہیں اس میں کئی بات
 آئینِ قدر دانی میں لیکن برے نام
 ایسی کہ ڈال دیوں سپر جس کے آگے یا
 لازم نہیں ہے کہ گیا جھ خانِ بادقار“
 اور پھر خود اس مطلع کا جواب لکھتا ہے :

”کہتی ہے فارسی میں مجھے طبعِ مطعے
 ہاں در جوابِ مطلعِ ناصر علی بیار
 اے ذر بل ز نام تو خورشید اعتبار
 تاثیر اسمِ اعظم از ہم تو آشکار
 کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس میں بھی سوائے لفظِ اعظم کے اور کیا رکھا ہے۔ مگر انوس ہے کہ
 باوجود اس کے یہ مطلع ناصر علی کے مطلع کو نہیں پہنچتا۔

میر عالم بہادر کی مح میں جو قصیدہ لکھا ہو اس میں بھی یہی ردنا رویا ہے :
 پراتنی عرض اے حاجت روائے خلقِ ہر تجھ سے
 کہ میں خواہاں نہیں کچھ ملک کو س و طیل و شکر کا
 توجہ اتنی فرما تو کہ مایحتاج کی رود سے
 نہ ہوں محتاج عندا وقت سیم و زرو گوہر کا“
 نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اپنے مذکورہ شعرا گلشنِ بیجار میں لکھتے ہیں کہ :-
 ”میرزا لطف کچھ دنوں نواحِ عظیم آباد میں بھی رہے ہیں اور نسبت شاگردی
 میر تقی سے رکھتے ہیں“

لیکن خود میرزا لطف اپنے حال میں یہ لکھتے ہیں :

”اود مشورہ ریختہ کا فقط اپنی ہی طبعِ ناصواب سے ہے“

اور اسی کو صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اس میں کچھ تنگ نہیں کہ وہ میر تقی کے بہت بڑے تراح اور ماننے والے ہیں اور غالباً اسی وجہ سے وہ ان کی شاکردی سے منسوب کر دیئے گئے ہیں۔
 لطف ایک معمولی شاعر ہیں، غزل و قصیدہ و مثنوی سب کچھ لکھا ہے، مگر کلام میں لطف نہیں۔ البتہ یہ تذکرہ ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے، جو اردو زبان میں قابل یادگار ہے۔ چون کہ ایک انگریز یا اقتدار کی فرمائش سے لکھا ہے، زبان صاف اور معادہ ہے، تاہم قافیے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ تذکرے اگرچہ ادبی لکھے گئے ہیں مگر اس میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں کہ جس سے یہ حقیقت قابل قدر ہے۔

۱۔ اول تو سوہب س پہلے کی زبان ہے، جس سے زبان کے متعلق بہت کچھ بتا لگ سکتا ہے اور محقق علم لسان کو اور نیز ان لوگوں کو جنہیں زبان کا چسکا ہے بہت کچھ نئی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک ظاہر بات جو ہمیں عام طور پر اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوئی، وہ یہ ہے کہ دکن کی زبان میں بعض الفاظ جو روزمرہ بول چال میں آتے ہیں اور ہندوستانیوں کو اجنبی معلوم ہوتے ہیں، وہ حقیقت پرانی زبان کی یادگار ہیں۔ مثلاً: ”کر کے“ کا خاص استعمال جو ہم یہاں ہر روز سنتے ہیں، اس تذکرے میں بھی جا بجا پایا جاتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:-
 ”شورش تخلص، متوطن عظیم آباد کے، مشہور میر پنا ’کر کے‘ تھے۔“
 اسی طرح میر تقی الدین منت کے حال میں لکھا ہے:-

”چنانچہ شکرستان کر کے، ایک نسخہ اس شیریں مقال کا بطور نگشتاں کے مشہور ہے۔“
 دکن میں بعض لوگ ”بعد میں“ کی جگہ ”بعد از“ بولتے ہیں، سوز نے ایک شعر میں یہی لفظ لکھا ہے:-

ہے جیتے جی تو مجھے کوئے یار میں رونا رہے گامرگ کے بعد از، فزار میں رونا

فصل کے بعض استعمال بھی بعض اوقات بالکل ایسے ہیں جو ہم جدید آبا میں اکثر سنتے ہیں۔ مثلاً:۔ فعل متعدی میں فعل بہ لحاظ مفعول کے آتا ہے، مگر اس کتاب میں بعض جگہ فاعل کے لحاظ سے آیا ہے۔ دکن میں عموماً اسی طرح بولتے ہیں۔ ضیاء کے حال میں لکھا ہے:۔
 ”دلی سے جب کہ لکھنؤ میں آئے تو طور سکونت کا دیں ٹھہرائے“
 فقیر کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

”بیشتر دکن بطور سیاحت کے دیکھے اور اکثر مقاموں میں سیر کی وضع پر پھرے“
 دکن میں عام طور پر یہ کہا ”بولتے ہیں“ قائم کہتے ہیں:۔
 ”میں کہا، حد کیا کیا تھا رات،
 ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں“

۲۔ دوسرے علاوہ اس کے کہ مؤلف ایسے زمانے میں تھا جب کہ اردو زبان عروج پر تھی اور بڑے بڑے اساتذہ زندہ تھے، مؤلف ان کا ہم عصر تھا اور ان میں سے اکثر سے ان کی مشناسائی اور دوستی تھی اور اس لئے جس وثوق اور صحت کے ساتھ ان کے حالات یہ لکھ سکتا ہے دوسرا نہیں لکھ سکتا۔ اور بعض حالات تو ایسے لکھے ہیں جو کہیں دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آئے۔ مثلاً:۔ رزیڈنٹ لکھنؤ کا میر تقی کو فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زبان رنجیت میں تالیف تصنیف کے لئے طلب کرنا اور بوجہ پیرائہ سالانہ ان کا منتخب نہ ہونا۔ یا میر صاحب ہی کے حال میں ایک ایسا فقرہ لکھا ہے جس کا دل پر بہت اثر ہوتا ہے، اور جو صرف اس تذکرے کا مؤلف ہی لکھ سکتا تھا، کیوں کہ وہ ان کا دیکھنے والا تھا اور خاص ارادت رکھتا تھا۔ علاوہ اس کے اس سے میر صاحب کی اس خاص وضع اور طبیعت کا اندازہ بھی ہوتا ہے، جو انہوں نے عمر بھر بنایا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

” ناقدِ روانی سے اغیبا کی اور نا سمجھی سے اہل دنیا کی، اب بازارِ سخن سازی اس درجہ کا سدھ اور ہوئے شہرستانِ معنی طراز اس مرتبہ فاسد کہ نیز ساشاعر، جو کہ سحرکاری سخن میں طلسم ساز ہی خیال کا، اور جادو طرازی بیان میں معانی پر دانہ ہر مقال کا، وہ نانِ شبینہ کا محتاج ہی اور بات کوئی نہیں پوچھا اُس کی آج ہی“

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اپنی کتاب آبِ حیات میں لکھتے ہیں کہ :-

” جب میر صاحب لکھنؤ آئے تو نواب آصف الدولہ نے دوسو روپیہ عینہ کر دیا۔ مگر چون کہ بہ مزاج انتہا درجے کے تھے نواب سے بگاڑ کر لیا اور گھر بیٹھ رہے اور زندگی فقر و فاقے میں گزار دی“

مگر اس تذکرے کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ :-

” نواب آصف الدولہ مرحوم نے روز ملازمت خلعتِ فاخرہ دیا اور تین سو روپیہ مشاہیرہ مقرر کر کے تحسین علی خاں ناطق کے سپرد کر دیا، اگرچہ گرفتہ مزاجی سے ان کی روزِ بروز صحبت نواب مرحوم سے بگڑتی گئی، لیکن تنخواہ میں کبھی قصور نہ ہوا اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہد میں آج کے دن تک کہ ۱۲۱۵ھ ہجری ہیں وہی حال ہی جو اوپر مذکور ہوا“

مگر صاحب تذکرہ کا چند سطر اوپر یہ لکھنا کہ وہ نانِ شبینہ کا محتاج ہی یا تو مبالغہ ہی یا یہ ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں اُن کے کمال کی پوری قدر نہ ہوئی۔ غرض یہ کہ بعض باتیں اس میں نئی نظر آتی ہیں۔

۳- تیسرے صاحب تذکرہ نے ایک یہ کام بھی بہت اچھا کیا ہے کہ جن لوگوں کو تھوڑا یا بہت یا کسی قدر تعلقِ سلطنت سے رہا ہے، ان کے تذکرے میں تاریخی حالات بھی خوب خوب

لکھے ہیں چنانچہ شاہ عالم المتخلص بہ آفتاب کے حال میں ان کا بڑا بڑا ولی عہدی عماد الملک کے خوف سے دلی چھوڑنا، باپ کا دھوکے سے فیروز شاہ کے کوٹلے میں قتل ہونا اور ان کا ^{سلطنت} میں تخت نشین ہونا، رام تراین سے جنگ، دلیر خاں کی دلیری اور جاں نثاری فتح و نصرت کا حاصل ہونا وغیرہ وغیرہ بالتفصیل لکھا ہے اور اخیر میں گورنک سنگ نے غلام قادر خاں روہیلہ کی در دناک واقعہ بھی درج کیا ہے، اور بادشاہ کی در دناک غزل بھی نقل کر دی ہے، جس میں یہ واقعہ منظوم ہے اور خود آرد و نظم میں ترجمہ کر کے متن میں درج کی ہے، اس لئے کہ تذکرہ آرد و کا اور اصل غزل حاشے پر لکھ دی ہے البتہ اتنا تکلف کیا ہے۔ اسی طرح تانا شاہ، ^{الصلح} اور مرزا محمد رضا امید کے حالات میں اکثر تاریخی واقعات اور قصص لکھے ہیں خصوصاً میرزا محمد رضا امید کے تذکرے میں، امیر الامرا حسین علی خاں اور ان کے بھائی کے حالات بڑی خوبی سے تحریر کئے ہیں۔

۴۔ چوتھے اس کتاب سے زمانے کی سوسائٹی پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بات تو صاف صاف نظر آتی ہے کہ ہمارے شاعروں کا گردہ عجیب بے فکر تھا اور دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی۔ اخیر میں جب ہمارے بادشاہ نواب اور امرا اس طرف جھکے تو وہ بھی ایسے ہی ہو گئے۔ ان لوگوں نے رہا سہا انھیں اور کھودیا۔ ملک گیری اور ملک داری کبھی کی جا چکی تھی اس لئے اولوالعزمی اور بہت بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی، جسمانی اور دماغی قویٰ میں انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں حقیقی مسرت کہاں! البتہ عارضی خوش حالی اور جھوٹی زندہ موجودگی، شعرو شاعری نے اس کا سامان اور میا کر دیا، دیوانہ راہوے بس ست شاعروں کی بن آئی، وہ تو اس شغل میں رہے، اور بیاں کام تمام ہو گیا۔ اس زمانے کی سب سے بڑی علمی اور مذہب مجلس مشاعرے تھے، جن کے لئے بڑے بڑے اہتمام کئے جاتے تھے، اس کے

خاص خاص آداب تھے، بڑے بوڑھے، نوجوان، بچے سب ہی شریک ہوتے تھے، بالکل سخن دروں کو دل کھول کے داد دی جاتی تھی۔ کبھی کبھی بحث مباحثے ہوتے ہوتے لڑائی جھگڑے ہو جاتے، اور تمکا فضیحتی تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ نوجوان ان مشاعروں میں شریک ہوتے اور اپنے کانوں سے تحسین و آفرین کے نعرے سنتے تھے، جو شعرا کے لیے سب سے بڑی داد اور سب سے بڑا انعام تھا، تو ان کے دل میں بھی اُمناگ پیدا ہوتی کسی استاد کے پاس حاضر ہوئے، شاگرد ہو گئے اور شعر کہنا شروع کر دیا۔ گویا شعر کہنے کے لئے صرف کسی استاد کا شاگرد ہو جانا کافی ہے۔ یہ مشاعرے درحقیقت 'شاعر گھر' تھے۔ میں ان مشاعروں کو برا نہیں سمجھتا مگر جہاں یہ سب سے بڑی علمی اور ادبی مجالس ہوں تو ایسی سوسائٹی کی حالت کیا ہوگی؟

علاوہ اس عام حالت کے، تذکرے میں جو بعض باتیں ضمناً بیان کر دی ہیں، وہ بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ایک واقعہ جس کا مجھ پر بھی اثر ہوا، یہ ہے کہ نواب وزیر اودھ اس زمانے میں جب کہ ان کا عروج اقبال تھا اور بادشاہ نام کے بادشاہ رہ گئے تھے، تب بھی شاہانِ دہلی اور ان کے گھرانے کی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے تھے اور تعظیم بھی ایسی کہ آج کل کے نوجوانوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ چنانچہ میرزا جواں بخت جہاں دار شاہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ۱۱۹۸ھ ہجری میں دہلی سے لکھنؤ چلے آئے تھے:-

”نواب آصف الدولہ مرحوم نے جو مراتب آداب و خدمت گزاری کئے تھے، سب کے

خصوصی میں بیٹھنے کے سوا گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہے، باوصف اس ناز پر درمی کے کہ کبھی پیادہ قدم کا ہے کو چلتے تھے یا نچوں ہتھیار باندھے ہوئے ایک الاچی اور گوری کی بخشش پر دس دس مرتبہ مبرا گاہ پر سے جا کر آداب بجالاتے تھے۔“

۵۔ پانچویں، بعض ایسے لوگوں کا حال بھی دیا ہے جس کی نسبت اردو کی شاعری کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی کہہ سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ اردو کے شاعر تھے اور ان کا تخلص اشتیاق تھا۔ یا عبدالقادر بیدل بھی اردو میں شعر کہتے تھے یا تانا شاہ سے بھی ایک شعر منسوب ہے جو ادھا اردو اور ادھا ہندی ہے۔ بعض ایسے شعرا کا بھی کلام درج ہے کہ جن کا نام تو بہت مشہور ہے مگر کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اپنے تذکرہ آب حیات میں لکھتے ہیں کہ :-

” ایک موقع پر میر جن مرحوم کا سفر شاہ دار کی چھڑیوں کے ساتھ مطابق پڑا، چنانچہ سفر مذکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے اس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو کی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عورتوں کی پوشاک وہاں کیا تھی اور چھڑیوں والوں کے جزیات رسوم کیا کیے تھے میں نے یہ مثنوی دہلی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی، اب نہیں ملتی، لوگ بہت تعریف لکھتے ہیں“

حسن اتفاق سے صاحب تذکرہ نے اس مثنوی کا وہ حصہ جس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو ہے۔ میر جن کے حالات میں نقل کر دیا ہے۔ ناظرین کو لکھنؤ کی ہجو میں یہ شعر دیکھ کر بہت تعجب ہو گا :-

” زب کو فہ سے یہ شہر ہم عدد ہے اگر شیعہ کہے نیک اس کو بد ہے“
اس مثنوی کا نام غالباً گلزارِ ارم تھا۔ میر حسن کے دوسرے کلام کا بھی انتخاب کیا ہے؛ درحقیقت کلام سب اچھا ہے، مگر افسوس آج کل نہیں ملتا۔

خواجہ میر درد کے بھائی، میاں سید محمد کبیر کی مثنوی خوابِ خیال اب تک سنی ہی سنی تھی اس کے چند شعر اثر کے حالات میں درج ہیں۔ شمس العلماء مولوی شبلی نے اس پر مفصلہ ردیل

نوٹ لکھا ہے۔ جو کتاب کے صفحہ ۳۲ پر درج ہے :-

”مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا شوق کی مثنویوں کا اعتراف کیا ہے، لیکن چون کہ ان کے نزدیک شعرائے لکھنؤ سے ایسی فصاحت اور سلاست کی توقع نہیں ہو سکتی، اس لئے اس کی وجہ یہ قرار دی کہ نواب مرزا نے خواجہ میراثر کی مثنوی دیکھی تھی اور اس کا طرز اڑایا تھا۔ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ اور نمونہ ہو سکتی ہے۔“

ہمیں تعجب ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے صرف ”اعتراف“ کا لفظ لکھا ہے، حالانکہ مولانا حالی نے ان مثنویوں کی بے حد تعریف کی ہے، سوائے ایک نقص کے جس سے خود مولوی شبلی صاحب کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ”لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا کی شاعری کا اعتراف کیا ہے“ بلکہ میراثر کی شاعری کی اس قدر توصیف و ثنا کی ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں، یہاں تک کہ خود مولوی شبلی صاحب نے بھی موازنہ کو میراثر میں انھیں اتنا نہیں سراہا۔ اکثر لوگوں کو جن کی نظر ظاہر ہیں ہے اور سطح ہی پر رہتی ہے، مولانا حالی سے یہ شکایت ہے کہ لکھنؤ کی شاعری کی مذمت کی ہے، حالانکہ مولانا نے کہیں اپنے دیوان میں لکھنؤ کی شاعری پر بحث نہیں کی عام شاعری پر یا اردو شاعری کے نشوونما اور اس کے مختلف اصناف پر بحث کرتے ہوئے، مثلاً بعض اشعار یا کتب کا ذکر کیا ہے اور اس میں دلی لکھنؤ والے دونوں ہیں، اس پر سے لوگوں نے ایسا لگان کر لیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ دیوان حالی میں کوئی خاص لحاظ اس کا نہیں کیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے وطن اپنی اور اپنے یار دوستوں یا عزیزوں کی کتاب پر تقریظ سننے کے شائق ہیں، اسے شمس العلماء مولوی شبلی نے ازراہ تواضع اس تذکرہ پر جا بجا نوٹ تحریر فرمائے ہیں ۱۲

تنقید کے روادار نہیں مولانا حالی نے جو شاعری پر مقدمہ لکھا ہے، وہ صرف ان کے دیوان کا مقدمہ نہیں، بلکہ اردو میں فن تنقید کا پہلا مقدمہ ہے۔ اس میں جو بعض ایسی رایوں کا اظہار کیا ہے جو صرف ذوق سلیم اور عالی دماغ کا نتیجہ ہو سکتی ہیں، تو لوگوں کے عام (بلکہ عامیانہ) خیالات کو صدمہ پہنچا اور وہ بت جنہیں وہ مدت سے پوجتے چلے آ رہے تھے، یکایک متزلزل ہو گئے اور ڈھ گئے۔ زیادہ تر یہ خیال گلزارِ نسیم کی نکتہ چینی سے پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا نے اس پر خواہ مخواہ اس لئے نکتہ چینی نہیں کی کہ وہ ایک لکھنوی کی لکھی ہوئی ہے، بلکہ درحقیقت وہ اُس سب سے مستحی نہیں ہے جو لوگوں نے ناجحی سے اُسے دے رکھا ہے۔ مجھے تو اُلٹی یہ شکایت ہے کہ مولانا نے تنقید کا حق ادا نہیں کیا، صرف چند ایسی غلطیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے، جو اگرچہ صریح اور بین ہیں، مگر اس قدر اور ایسی نہیں کہ جس سے اُس کی پوری قلمی کھل جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مثنوی کو اردو زبان سے کچھ تعلق ہی نہیں، مولانا کا اگر اس میں قصور ہے تو صرف اتنا کہ انھوں نے دن کو دن اور رات کو رات کدیا ہے۔ اب ہم خواہ آستری مثنوی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اول تو اس مثنوی کی تعریف سب کرتے چلے آتے ہیں، چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں شیفہ سا سخن فہم اپنے تذکرہ گلشنِ بے خاریں لکھتا ہے:-

” مثنوی ایساں شہرت تمام دارد کہ بنائے آں ہر محاورہ بخت مست و اذین بہت

مرغوبِ عام“

مولوی محمد حسین آزاد آپ حیات میں کہتے ہیں کہ:-

” ایک مثنوی خواب و خیال ان کی مشہور ہے اور بہت اچھی لکھی ہے“

دوسرے ان کے کلام سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں ورد ،

زبان کی صفائی، ہشتگی اور لطافت بدرجہ کمال موجود ہے اور یہ سب باتیں مثنوی کے لئے خاص طور پر مناسب ہیں۔ مگر صاحب تذکرہ نے غضب یہ کیا ہے کہ مثنوی کا وہ حصہ منتخب کیا جس سے کسی طرح صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ سراپا کا مضمون اس قدر متبدل ہے کہ اس میں کوئی نیا مضمون پیدا کرنا، یا اس میں زبان کی فصاحت و سلاست دکھانا بہت مشکل ہے اور چوں کہ اس مثنوی کی تعریف زیادہ تر زبان کی ہے، اس لئے صرف سراپا کے چند اشعار پر سے حکم لگانا درست نہیں ہے صاحب تذکرہ نے اپنے اس ذوق کا ثبوت اور بھی ایک آدھ جگہ دیا ہے، مثلاً :-

جوشش کے کلام کو پسند نہیں کرتا، مگر انتخابی اشعار بہت اچھے ہیں۔ اسی طرح مصحفی کی تعریف کی ہے، لیکن انتخاب اس قدر خراب دیا ہے کہ اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کوئی اچھا شاعر ہے، لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ جو شعر خواجہ اثر کا بہ تبدیل لفظ شوق نے اپنا کر لیا ہے یعنی:

اثر ہاتھ پائی میں ہانپتے جانا کھلتے جاتے میں ڈھانپتے جانا
شوق ہاتھ پائی میں ہانپتے جانا چھوٹے کپڑوں کو ڈھانپتے جانا

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسا شعر یا خواجہ اثر کہہ سکتے ہیں یا ان کے بعد نواب میرزا شوق اگر یہ شعر ان کا ہو تو کیسے کی پوری وجہ ہے کہ شوق کی نظر سے یہ مثنوی گزری ہے، تو اس طرز کا اثر ضرور اس پر پڑا ہوگا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں :-

”خواب و خیال کے اکثر مصرعے اور شعر تھوڑے تھوڑے تغاد سے بہار عشق میں موجود ہیں“

یہ ایک مزید ثبوت ہے۔

دوسرے یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ مثنوی اس زمانے میں لکھی گئی جب کہ اردو میں غالباً کوئی مثنوی نہ تھی یا وجود اس کے مولانا حالی نے صاف لکھ دیا ہے :-

”اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالت میں خواب و خیال کو باریش سے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی“

اخیر اس میں تو ظاہر ایک حد تک کچھ گنجائش بھی نظر آتی ہے، مگر ہمیں افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس سے بڑھ کر ایک ریاکار مولانا حالی کی تنقید گلزارِ نسیم کے متعلق ایک خط میں لکھ دیا تھا جسے پنڈت چکاست صاحب نے اپنے دیباچہ گلزارِ نسیم میں بطور سند کے درج فرمایا۔ تعجب ہے کہ ایک ایسے فاضل محقق اور صاحب ذوق کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں جو تحقیق اور ذوقِ نسیم سے کوسوں دور ہیں اور خصوصاً ایسی کتاب کی نسبت جو قطع نظر اس کے کہ اس میں زبان کا لطف نام کو نہیں، سیکڑوں لفظی اور معنوی غلطیوں سے پر ہے۔ ہم اس موقع پر زیادہ بحث نہیں چاہتے اور اس بحث کے لئے بھی ناظرین سے معافی چاہتے ہیں، موقع آ پڑا تھا اس لئے یہ چند الفاظ لکھے گئے۔

۶۔ مجھے صاحب تذکرہ نے بعض مقامات پر پرے ہی پر دے میں خوب چوٹیں کی ہیں، جن میں تعصب کی جھلک نظر آتی ہے مثلاً: شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ:-
”قرۃ العین فی ابوالشہادتِ حسین اور جنتِ عالیہ فی مناقبِ المعاولیہ ان کی تصانیف سے ہیں“

حالاں کہ ان مباحث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ نہ شہادتِ حسین کا ابطال کیا ہے نہ مناقبِ معاویہ میں کوئی کتاب لکھی ہے، یہ محض اتہام ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر کہ ”یہ والد ہیں شاہ عبدالعزیز کے“ خوب سحر طبع کی ہے، اور آخر میں یہ لکھا ہے:-

۱۷۔ صاحب تذکرہ کو نام سے دھوکا ہوا ہے۔ یہ شاہ ولی اللہ دوسرے صاحب ہیں جن کا نام اشتیاق ہے۔ بعد کی تحقیقات سے یہ حقیقت معلوم ہوئی ہے (دیکھو نکاتِ اشعار صفحہ ۶ مطبوعہ انجمن ترقی اردو)

” کیوں نہ ہو آخر کیسے باپ کا بیٹا ہر انی الواقعہ کہ مالی مقدا روں کے عالی مقدا رہی

ہوتے ہیں اور نابکاروں کے نابکار۔ بقول شاعر کے ۷

شیر کے بچے میں غرض شیر سے افزو دہی

بھونک میں کتے کی بٹی کی سگی موجود ہی

یا منظر جانِ حالات میں لکھتے ہیں :-

” ۹۲۷ ہجری تھے کہ اس روشن سازِ مسائل صدیقی نے اور اس معتقد پر دما ز احکام

فاروقی نے، اس آئینہ زنگار آلود دنیا سے منہ پھیر لیا اور سفرِ خلفائے راشدین کی منازل

کے طریق پر کیا“

یا تانا شاہ کے حالات میں مؤلف عالمگیر کی نسبت یوں گوہرِ شانی کرتا ہے کہ :

” خدمتِ ماکاں نے استیصال بادشاہانِ دکن کا جو اس محنت سے کیا اور مکہ مسجد کو کھدوا کے

وہ کچھ منظر اپنی گردن پر لیا، خدا جانے اس حرکت کا کیا مفاد ہے“

مکہ مسجد کا کھدوانا زراہتِ بان اور میرج جھوٹا ہے۔ تعجب ہے کہ مؤلف نے جو خود حیدر آباد میں

رہا ہے، اس کذب کا کھنسا کیوں کر گوارا کیا۔ ہمیں شاید ناظرین کو یہ اطمینان دلانے کی

ضرورت نہیں کہ مکہ مسجد موجود ہے اور اب تک نظرِ بد سے محفوظ ہے۔

لیکن قطع نظر ان امور کے وہ بعض وقت سچ کہنے سے بھی درگزر نہیں کرتا، مثلاً

نواب آصف الدولہ کے حالات میں ان کی داد و دہش اور مرؤت کی بے انتہا بھینتی کی ہے

لیکن آخر میں صاف لکھ دیا ہے :

” افسوس یہ ہے کہ فوج اور ملک کی طرف سے غفلت تھی، نابھوں کے ہاتھ میں اصالتاً

ملک کا سہرا انجام رکھا، آپ سیر و شکار سے کام رکھا، مشیر کوئی لائق اور کام کا نہ پایا

اس واسطے ساتھ فرم کے رتبہ نام کا نہ پایا،

یا سراج الدین علی خاں آرزو نے جو نکتہ چینی شیخ علی خریں کے کلام پر کی ہو اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ:

”عوام کی طبیعت تو ان اقرارضوں سے البتہ تشویش میں پڑتی ہے۔ نہیں صاف نزاع

معلوم ہوتی ہے، جب باریک بینوں کی نگاہ اُس سے جا لڑتی ہے“

اس تذکرے کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شاعر اور خصوصاً نامور اور مشہور اساتذہ سب کے سب دلی کے تھے۔ دلی کو جہاں یہ فخر ہو کہ اُردو نے اس میں جنم لیا، وہاں اس کا یہ فخر بھی بجا ہو کہ جتنے اعلیٰ شاعر ہوئے ہیں وہ ہیں کے تھے۔ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے یہ شہر بھی عجیب غریب نظر آتا ہے، زمانہ قدیم سے محمود افاق اور مرجع خلعت رہا، کبھی راجاؤں اور مہاراجاؤں کی راج دھانی، کبھی سلاطین اسلام کا دار الخلافت، کبھی طغیانی کی بدولت بکر خراب ہوا اور رفتہ رفتہ پھر آباد ہوا، کبھی معرکہ جنگِ جدلِ قتل عام ہے اور کبھی گھر گھر دن عید اور رات شبِ برات ہے، کبھی تخت گاہ شاہاں اور مرجع کمال ہے اور کبھی ایک مطلق العنان سودائی کی لنگ سے خاصہ کھنڈر ہے، کبھی موردِ ملیات و آفات ہے اور کبھی منزلِ حنات و برکات، غرض یہ نگریں یہیں آجڑی اور سستی، بگڑتی اور مٹی رہی، مگر باوجود اس کے اس کے حسنِ عالمِ فردزیں نئی ادا پیدا ہوتی رہی اور ہر حادثے کے بعد فوراً سنبھل گئی۔ لیکن اخیر زمانے میں جب سلطنتِ مغلیہ میں انحطاط اور زوال کی علامات پیدا ہو گئیں، تو دو ایک دھچکے ایسے لگے کہ پھر سینچا محال ہو گیا۔

سب سے اول نادر شاہ کا ایسا تھپیڑ لگا کہ اس نے بٹھا ہی تو دیا، اس کے شہرِ برکات بعد ہی احمد شاہ درانی کی چڑھائی ہوئی، پھر مرہٹوں نے وہ اودھم مچائی کہ رہا سہا سب

خاک میں ملا دیا۔ اب تک جو اکمال دلی میں پڑے و فساداری بنا رہے تھے۔ ان حادثوں کے بعد وہ بھی نہ ٹھک سکے سوائے ایک میر درد کے، جن کی نسبت صاحب تذکرہ لکھتے ہیں :-

”جن ایام میں معمرہ شاہ جہان آباد کا اور ہر ایک کو چہ اس خجستہ بنیاد کا، مجمع اہل کمال سے

اور کثرت منتجان عظیم المثال سے، رشک ہفت اقلیم اور غیرت جنت النعم تھا، تو معمرہ پر

شہر کے عرصہ ربع مسکون کا تنگ اور اس خراب آباد کو تشبیہ سے ہفت اقلیم کے تنگ تھا۔

جب کہ متواتر نزول آفات کے باعث اور مکرر ورود بیات کے سبب خراب ہوا، اور

مصدر عقوبت و عذاب ہوا، تو ہر ایک درویش گوشہ نشین نے اور ہر ایک صابر زاویہ گزینے

اور ہر ایک تو گزراں دار نے اور ہر امیر مالی مقدار نے، فرار کو قیمت جانا اور بھاگے اُھر کو

جدھر پایا ٹھکانا، گروہ سید و لاتبار کہ نام نامی اس کا خواجہ میر تھا، اس قلب آسمان متقلبا

خیال بھی جگہ سے سرکنے کا نہ کیا، تحمل بلاؤں کے اور حاصل جفاؤں کے ہوئے اور شاہ جہان آباد

کو چھوڑ کر ایک قدم راہ اپنے کینج غارت سے نہ گئے۔“

ایسے وقت میں شاعر بچا رہے تو کس گنتی میں ہیں، بڑے بڑے و فسادروں اور متوکلوں کی

ٹھیک نکل جاتی ہے۔ دلی کے آجڑنے کے بعد لکھنؤ آباد نظر آتا تھا۔ اقبال نے کچھ دنوں اس کا

ساتھ دیا۔ اب لے دے کے صرف یہی ایک ٹھکانا اور آسرا مسلمانوں کا رہ گیا تھا، اصفیٰ اللہ

سا لکھنؤ نواب تھا، اہل کمال کی قدر ہونے لگی، پھر تو جو اٹھا وہیں پہنچا اور پہنچ کر وہیں کا

ہو رہا۔ غالباً سب سے پہلے نادر شاہ کی تباہی کے بعد سراج الدین علی خاں آرزو پہنچے۔ اس کے بعد

سودا شریف لے گئے، سودا کے انتقال کے بعد میر تقی نے ۱۸۵۷ء میں دلی سے لکھنؤ کو کوچ

فرمایا۔ میر صاحب کے جاتے ہی دلی سونی ہو گئی اور میر حسن، میر سوز، جرات سب لکھنؤ

میں جا بے، اور دلی کی رونق لکھنؤ میں آگئی۔ اس طرح لکھنؤ کی شاعری کی ابتدا ہوئی،

اب یہ امر کہ لکھنؤ کی سوسائٹی کا اردو زبان اور ادب و شاعری پر کیا اثر ہوا اس وقت ہماری بحث سے خارج ہے۔

مجھے خیال تھا کہ اس تذکرے سے میراثِ راشدہ خاں کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہوگی اور کم سے کم اس قصے کی تحقیق ہو جائے گی جو شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے ان کے اخیر زندگی کے متعلق لکھا ہے، مگر یہ تذکرہ ۱۳۱۵ھ ہجری میں لکھا گیا، اور ۱۳۱۵ھ تک میرا نشانہ خاں میرزا سلیمان شکوہ کے ہاں ملازم تھے یا اسی سال نواب سعادت علی خاں کے ہاں رہائی ہوئی، کیوں کہ میرزا سلیمان شکوہ اس سال (۱۳۱۵ھ) لکھنؤ سے واپس دہلی چلے گئے۔ یہ واقعہ آزاد نے سعادت یا رخاں رنگیں کی زبانی بیان کیا ہے، صرف یہ لکھ کر تمام واقعہ بیان کر دیا ہے کہ: "سعادت یا رخاں رنگیں کہا کرتے تھے" مگر یہ نہ معلوم ہوا کس سے کہتے تھے اور آزاد نے کس سے سنا۔ آب حیات میں بعض بعض جگہ وہ مجالس رنگیں کا حوالہ دیتے ہیں مگر مجالس رنگیں میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اتفاق سے مجالس رنگیں بھی ۱۳۱۵ھ میں لکھی گئی۔ میرا نشانہ خاں اور سعادت یا رخاں رنگیں دونوں مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں ملازم تھے اور چوں کہ یہ واقعہ بہت بعد کا ہے اس لئے یوں بھی اس میں نہیں ہو سکتا۔ کیا اچھا ہوتا اگر مولوی محمد حسین آزاد اس روایت کا سلسلہ بیان کر دیتے۔

مؤلف نے اپنے دیباچہ میں بیان کیا ہے:-

"یہ کتاب ہم نے دو حصوں میں لکھی ہے، یہ پہلا حصہ ہے جس میں سلاطین نامہ ازاد رائے مالی مقدار اور شعراء صاحب وقار کے حالات لکھے گئے ہیں، دوسری جلد میں غیر شعرا کا تذکرہ ہوگا۔"

اس دوسری جلد کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع نہیں کہ لکھی گئی تھی یا نہیں۔

مؤلف نے شعرا کا کلام جو بطور انتخاب کے دریغ کیا ہو اس میں اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کے کلام چپ چکے ہیں ان کے انتخابی کلام کو پیش کرنے کم کر دیا ہو۔ صرف اعلیٰ درجہ کے اشعار رکھے ہیں، مگر جن شعرا کا کلام نہیں چھپا ان کے کلام کو مجتبہ ویسا ہی رہنے دیا ہے۔ خود مؤلف نے اپنے کلام سے صفحہ کے صفحہ رنگ دیئے تھے، اس میں بھی انتخاب کر دیا گیا ہے۔ اب مجھے اس تذکرے کے متعلق اس قدر اور کہنا باقی ہے کہ اس کے طبع ہونے سے اُردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہوگا، اور جو لوگ اُردو زبان کی ترقی کے خواہاں ہیں وہ ضرور اس کی اشاعت میں کوشش فرمائیں گے۔

عبدالحق بی اے (پرنسپل مدرسہ آصفیہ)
حیدرآباد دکن، اکتوبر ۱۹۶۷ء

مقدمہ

بر تذکرہ گلزارِ ابرہیم

(از ذاکر سید محمد الدین قادری صاحبؒ۔ ایم اے پی ایچ ڈی)

گلزارِ ابرہیم اُردو شاعروں کے اُن تذکروں میں سے ہے جو معلومات کی وسعت اور صحت دونوں کے لحاظ سے درجہ اول کے تذکرے کہے جاسکتے ہیں خصوصاً صحت حالات کے مد نظر شاید ہی کوئی تذکرہ اس پر فوقیت رکھتا ہو۔

اُردو شاعروں کے جس قدر تذکرے اس وقت تک لکھے گئے ہیں ان میں بعض تو وہ ہیں جو کسی بڑے شاعر کے نتیجہ قلم ہیں اکثر وہ ہیں جن کے مصنف جو بڑے شاعر نہیں لیکن کسی بڑے شاعر کے گرویدہ شاگرد تھے اور چند وہ ہیں جن کے مصنفوں کو سخن گویں بلکہ سخن فہم کہا جاسکتا ہے۔

ان تینوں قسم کے تذکروں میں چند خاص خاص نو صیغوں کے اصول ناقص ہیں۔
قسم اول کے مصنف جن کو خود بڑے شاعر ہیں۔ اس لئے اُن میں زیادہ تر مشہور شاعروں ہی تذکرہ کیا گیا ہے، معمولی شاعر بالکل نظر انداز کر دیئے گئے ہیں جن شاعروں کو مصنف نے قابل ذکر سمجھا بھی اُن کے ذاتی حالات کی طرف توجہ کرنے کی جگہ صرف اُن کی شری شاعری پر تنقید کرنے کی کوشش کی ہے

اس طرح سے یہ تذکرے بجائے تذکرے بننے کے ادبی تنقیدیں بن کر رہ گئے۔

دوسری قسم کے تذکرے اگرچہ چھوٹے بڑے سب شاعروں کو فراغ دلی سے پیش کرتے ہیں لیکن ان میں ان سب چرب حشیت سے نظر ڈالی جاتی ہے وہ نہایت گمراہ کن ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کا سب سے اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے استاد اور ان کے دوستوں یا اپنے استاد بھائیوں یا دوست شاعروں کو روشنی میں لایا جائے۔ اس مقصد کے مد نظر انھیں بے جا مبالغوں اور طرف داریوں سے بھی کام لینا پڑتا ہے جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جن جن کو وہ اپنے تذکرے میں پیش کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے صمیم خط و خال کے ساتھ نہیں دکھائی دیتے بلکہ ایک ہی نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان پر مصنوعی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں اور جب اس طرح مصنف کا اعتبار کم ہو جاتا ہے تو یہ معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ اس کی کس بات کو صمیم سمجھا جائے اور کس کو غلط۔

تیسری قسم کے تذکرے بہت کم ہیں لیکن جو بھی ہیں ان سے زیادہ تر شاعروں کا اصلی تہہ اور ان کی شاعری کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے نہ کہ ان کی زندگی کے حالات کا۔ کیوں کہ ان کا مقصد یہ ادبی تنقید کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا۔

یہ واقعی اردو شاعروں کی قسمتی ہے کہ کسی نے بھی ایک ٹھیک موزن بن کر ان کے حالات کو قلم بند نہیں کیا۔ لیکن اگر اس طرح کی کوئی کوشش ملتی ہے تو وہ صرف علی ابراہیم کا زیر بحث تذکرہ ہے جو اگرچہ ٹھیک تاریخی نقطہ نظر سے نہیں لکھا گیا ہے تاہم اس لحاظ سے اردو کے سب تذکروں سے بہتر ہے۔

(ب) گلزار ابراہیم تیسری قسم کے تذکروں میں شامل ہے۔ اس میں نہ تو شاعرانہ ترنگوں کے مد نظر معمولی شاعروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور نہ کسی خاص شاعر اُن

کے دبستان شاعری کی وکالت یا مخالفت کی گئی ہو۔ علی ابراہیم یوں بھی طبعاً منصف مزاج تھے اُن کو شاعری کا صحیح ذوق تھا اور نہ صرف یہی بلکہ ان کی ان فطری مناسبتوں کو ان کے پیٹے، منصب اور ماحول نے اور بھی پختہ اور راسخ کر دیا تھا۔ ان کے متعلق ان کے حکام دوستوں اور دوسرے معاصروں کی جو خانگی تحریریں اس وقت موجود ہیں ان کے دیکھنے سے ان کے اعلیٰ کردار کے متعلق نہایت اچھا خیال پیدا ہوتا ہے خصوصاً اس زمانہ کی تمام مشہور شخصیتوں کے جو حالات سدا سکھ دہلوی کے ایک غیر جانب دار قلم سے لکھے گئے ہیں اور جو اس وقت برٹش میوزیم کے محظوظوں میں محفوظ ہیں صرف ان ہی کا مطالعہ علی ابراہیم کے ان عمدہ صفات کی شہادت کے لئے کافی ہو۔

غرض گلزار ابراہیم میں طرف داری یا رنگ آمیزی کا کوئی شائبہ نہیں، اس کے علاوہ علی ابراہیم اردو کے وہ واحد تذکرہ نویس ہیں جنہوں نے شاعری کے حالات اور ان کے متعلق تاریخیں جمع کرنے کی حتی الامکان کوششیں کیں اور خوبی یہ ہے کہ ان کی کوششیں جس حد تک بار آور ہو سکتی تھیں اور ہوئیں اتنی کسی اور تذکرہ نویس کی نہیں ہو سکتی تھیں اور نہ ہو سکیں۔ (ج) اردو کے دوسرے (خصوصاً ۲۰۰ ہجری سے قبل کے) تذکرہ نویسوں نے شاعروں کی پیدائش، وفات یا دوسرے اہم واقعات کی تاریخیں لکھنے کا بالکل خیال نہ کیا۔ یہ چیزیں بھی ان کے مذاق شعری کے لئے بارگراں تھیں، لیکن اگر کوئی ان کی طرف توجہ بھی کرتا تو وہ علی ابراہیم کے برابر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

علی ابراہیم اگر بڑی سرکار کے ملازم تھے، وہ غربی طرز کی تحریروں اور مغربی مذاق سے روشناس ہو گئے تھے اور چوں کہ وہ ایک ذی اقتدار حاکم تھے اپنے مذاق اور مرضی کے مطابق مواد فراہم کرنے میں انہیں اپنے دوستوں اور عزیزوں کے علاوہ اپنے ماتحتوں اور

عظیم سے بھی مدد ملی ہو لینے مالک کو خوش رکھنے کی خاطر اس کام کی طرف خطرناک ہے
تباہیہ توجہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ چوں کہ وہ صاحب ثروت اور ذی اثر آدمی تھے
انہوں نے دور دور کے شاعروں سے بھی ان کے یہاں آدمی روانہ کر کے یاد آک کے ذریعہ
سے محنت طلب کئے۔

ان چند اہم امور کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اور گلزار ابرہیم کی خصوصیات پر نظر
ڈالنے سے پہلے اس کے اس نقص کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہو کہ وہ ٹھیک پڑانے
طریقے پر لکھا گیا ہے اگر علی ابرہیم شاعروں کے حالات ان کے تخلصوں کے حروف تہجی
کے لحاظ سے نہ لکھتے بلکہ ان کے نالوں کے لحاظ سے لکھتے تو یہ تذکرہ غالباً اردو کا ایک
بہترین تذکرہ بن جاتا۔

(۲)

گلزار ابرہیم اردو کے ان چند تذکروں میں سے ہے جو سنہ ۱۱۰۰ھ سے پہلے لکھے گئے تھے
اگرچہ اس سے بیس پچیس سال قبل ہی میر گزیری اور قائم و فیرو کے تذکرے لکھے جا چکے تھے مگر
کہ علی ابرہیم نے اپنے دیباچے میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ انہیں اس
کا علم نہ تھا، کیوں کہ انہوں نے صاف صاف یہ تو نہیں لکھا کہ اس وقت تک اردو شاعروں
کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا ہے اس کے برخلاف خود ان کے تذکرے میں ایک دو ایسے
تذکروں کا بھی ذکر ہے (دیکھو ذکرِ دہین اور فقر) جو اس وقت غالباً موجود نہیں ہیں۔
یہ معلوم نہیں ہوتا کہ علی ابرہیم نے اس تذکرے کو ٹھیک کس تاریخ سے لکھا شروع کیا
وہ اس سے پہلے فارسی کے دو تذکرے لکھ چکے تھے۔ چنانچہ دیباچے میں گلزار ابرہیم
کی وجہ تصنیف اور تاریخ تحریر وغیرہ کی نسبت لکھتے ہیں:-

”آشنائے درد و خاکپائے سخن سبجان علی ابراہیم خاں باوصف تالیف
 دو تذکرہ اشعار فارسی ہاستدعائے بیضے معجمان یک دل و یک رؤ و موزوں
 طبعان ریختہ گو بخاطر آورد کہ برنے از اشعار ریختہ با ضبط احوال و اوصاف
 گویندگان بسک تحریر پیوند دہد۔ محمد لواہب العطا یا کہ در زمان سلطنت
 شاہ عالم و آوان وزارت نصف الدولہ
 و در عہد حکومت وارن ہشتن (وارن ہنگل)“

ابن مامول بھول اگامید و بسال یک ہزار و ہف صد و ہشتاد و چار مسوی و یک ہزار
 و یک صد و نو و دہشت ہجری از تسوید کس فراغ حاصل شد۔۔۔۔۔

اگرچہ اس عبارت سے تاریخ اختتام ۱۱۹۹ھ ہجری معلوم ہوتی ہے، لیکن کتاب کے
 مطالعے سے ظاہر ہے کہ وہ بعد میں بھی اضافے کرتے رہے۔ نیز یہ کہ اس سے کئی سال پتیر
 ہی سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے یہ کام بڑا اچھا کیا کہ اکثر مجاہد شاعروں کے حال کے
 ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ذکر فلاں سن میں لکھا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے آئندہ بہت سی
 تاریخی غلط فہمیوں اور شبہوں کے دور ہونے کی امید ہے۔

(ب) گلزار ابراہیم کے صرف ایک سرسری مطالعے ہی سے کوئی شخص اس کی اس
 عظیم المثل خصوصیت سے واقف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایسے شاعروں کے حالات لکھتے
 وقت نہایت ہی معتبر اور مستند ذریعوں سے مدد لی گئی ہو۔ علی ابراہیم نے دوسرے تذکرہ نویسوں
 کی طرح صرف فنی سائے باتیں نہیں لکھ دیں بلکہ اکثر شاعروں سے وہ ذاتی طور پر واقف تھے
 کئی ایسے شاعر ہیں جو خود ان کے عزیز تھے۔ بعض عزیزوں کے دوست تھے بعض بچپن
 کے ملاقاتی تھے، بعض ان کے ماتحت دفنوں میں ملازم تھے اور بعضوں کے نقدے

اور کارروائیاں ان ہی کے ہاتھوں سرانجام پائی تھیں۔

اس قسم کے شاعروں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ یہاں ان کی فہرست پیش کرنا باعث طوالت ہے ظاہر ہے کہ جن سے وہ ذاتی طور پر واقف تھے ان کے حالات وہ اپنی ہی یاد اور معلومات کی بنا پر لکھ سکتے تھے یا خود ان کے دوست ان کو لکھ کر دے سکتے تھے مثلاً :-

۱۔ شیخ محمد عابد - دل - بسبب مجھے کہ بار اتم اتم دارند ہنگام تالیف میں مجموعہ مشار ایہما خلاصہ دیوان خود را در مرشد آباد ۱۲۹۳ ہجریہ فرستادند....

۲۔ مرزا محمد علی فدوی دہلوی ”بار اتم اشناس - اشعار منتخبہ خود را بنا برین کہ در تذکرہ اثبات یاد فرستادہ بود....“

۳۔ غلام محمد دوست بہاری ”..... بار اتم حقیر در مرشد آباد ملاقات کر دہ..... از اشعار خود قریب صد بیت وانمود....“

۴۔ شیخ فضل علی شاہ دانا - دہلوی ”..... ہنگام تدوین میں تذکرہ اشعار خود ابووف فقیر داد کہ در تذکرہ ارتسام یاد....“

۵۔ شیخ غلام محی حضور عظیم آبادی ”..... ہنگام تدوین میں تذکرہ منتخب کلام خود دادہ کہ دریں صحیفہ انصاف یاد.... وغیرہ

لیکن جن سے ذاتی طور پر واقف نہ تھے ان کے حالات بھی علی ابراہیم نے نہایت کوشش سے جمع کئے۔ جو شاعر وفات پا چکے تھے ان کے متعلق ان کی اولاد اور عزیزوں سے معلومات حاصل کیں اور جو زندہ تھے ان سے اشعار اور حالات لینے کا ہر ممکنہ ذریعہ اختیار کیا مثلاً :-

۱۔ رستم علی خاں اعشام الدولہ نواب بہادر - رستم..... ہر چند راقم حقیر راقم تحریریں

اوراق باشار الیہا اتفاق ملاقات ظاہر نیست اما بہ سامت صفات حمیدہ ایشان تبار فی
بہم رسانیدہ دربار سلسلہ ہجریہ برسم اخلاص اشعار مشاعر الیہا طلبیدہ در حرف الرأ
و حرف الیم ترقیم نمود.....“

۲۔ بہاری دہس - عزیز..... و الحال کہ سال (۱۱۹۶) احوال و بارہ اشعار
خود را از آلہ آباد بایں خاکسار فرستادہ.....“

۳۔ نواب محبت خاں - محبت..... در لکھنؤ اقامت و مراسلہ بار قم دارد و چنانچہ در
کمال محبت اشعار خود را بافتوی موسوم با سرار محبت کہ حکایت..... فرستادہ.....“

۴۔ موتی لال صیف..... اشعارش در سال مذکور از آنجا طلبیدہ تحریر یافت.....“

۵۔ خواجہ برہان الدین - شہمی - دہلوی..... ایں چند بیت از میر حاجی خلف خواجہ
مذکور بہت آمدہ.....“

اس سلسلے میں اس امر کا اظہار بھی دیکھی سے خالی نہیں کہ علی ابراہیم نے بعض شاعروں کی
روانہ کردہ عبارتیں بھی بعینہ نقل کر دی ہیں جن میں سے میر سوز اور میر حسن کے حسب ذیل
بیانات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

۱۔ میر سوز..... میر سوز شخصے است کہ ہر کس را از حلاوتے جز سکوت اکرانہ

حاصل نشود۔ ایں نیز از قدرت کمال الہی است کہ ہر کیے بلکہ خار و خنہ نیست کہ بکار چند
نیاید۔ پس اگر منکرے سوال کند نہا کارہ محض نینقادہ است این است کہ ہاش سختی است“

۲۔ میر حسن..... از سار اقسام اشعار ابیات مدونہ من قریب بہت ہزار بیت است

و تذکرہ در ریختہ نوخستہ و اصلاح سخن از میر ضیا گرفتہ ام۔ و مدیت از دہلی وارد

لکھنؤ گشتہ با نواب سلاہ جنگ و خلف ایساں طبع بجز نوازش علی خاں بہادر

سرفراز جنگ می گزرانم“

ساتھ ہی گلزار ابرہیم کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں کسی کے متعلق معلومات نہ ہو سکیں اس کا بھی موقع ہر موقعہ ذکر کر دیا ہے مثلاً:-

۱۔ رضاؒ..... ”تحریریں اور اوراقِ احوال معلوم نیست، شعر بیائے ازوے دیدہ شد.....“

۲۔ میراظم الدین دہلوی رسید..... ”راقم حقیر اور اندیدہ۔ اما زبانی بعضے از دوستان شنیدہ کہ سنجیدہ اطوار بود.....“

۳۔ رسائے..... ”احوالش ہنگام تحریریں اور اوراق معلوم نشد.....“ وغیرہ

(ج) اردو تذکروں میں ایک عام خامی یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ سے شاعروں کے خانگی حالات اور کردار و معاشرت پر بہت کم روشنی پڑتی ہے اور گلزار ابرہیم کی یہ خصوصیت بھی آئندہ ادبِ اردو کے طالب علموں کی تحقیق و تفتیش میں بہت مفید ثابت ہوگی کہ اس میں ایسی ایسی معلومات بھی ہیں جو بالعموم قلمبند نہیں کی جاتی مثلاً:-

۱۔ میر مظفر علی - آزاد دہلوی ”راقم حقیر میر مذکور را در مرشد آباد دیدہ۔ در ہنگامے کہ بہ نزاکت نام کینرے عاشق و منازعہ با پناہ یکم داشت، معاملہ او مرجوع با حقیر بود۔“

۲۔ مرزا علی رضا - رضاؒ..... ”دبر و مہب علی نامی عاشق است، و شنوی در بیان عاشقی او وارد.....“

۳۔ مناب رائے رسواؒ..... ”برمنوں نامی عاشق شدہ از افراط محبت کاٹھن بڑائی

کشیہ عریاں می گشت و باہر کہ دو چار شد میاں می گفت و می گریست.....“

۴۔ میر عبدالحی - تاباں ”جوان رعائے“ منظور ناظران، خاصہ مقتول سلیمان علی پور

زیبائی اور روشن ترا سخن سرا کی اویو.....“

۵۔ محمد افضل..... برگوپال نامی عشق ورزیدہ حسب حال خود بارہ ماہ مشہور
بیکٹھ کمانی منظوم نمودہ.....“

۶۔ محمد چاند۔ رنشاں..... برزغفران نامی عاشق شدہ.....“ وغیرہ

(۵) ان خانگی باتوں کے علاوہ بعض ایسے امور بھی اس تذکرے میں ملتے ہیں جو
اُردو شاعری کی تاریخ میں ضرور اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے جہاں خاص خاص شاعروں
کی شعری پیداوار کے متعلق علم ہوتا ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۰۰ ہجری سے
قبل ہی شمال میں اُردو شاعری کہاں تک ترقی حاصل کر چکی تھی، اس میں کون کون سی
اصناف شاعری کس حد تک رائج تھیں اور شاعروں کا خزانہ کہاں تک وسیع ہو گیا تھا۔
یہ بات ضرور قابل ذکر ہے کہ اس وقت تک اُردو میں مرثیہ گوئی کو خاص ترقی
ہو چکی تھی۔ اس امر کے جس قدر ثبوت گلزار ابرہیم سے حاصل ہوتے ہیں اُس زمانے
کے شاید ہی کسی اور تذکرے سے مل سکیں۔ جب ذیل چند مثالوں سے معلوم ہو گا کہ اُس
وقت مرثیہ گوئی کس قدر عام ہو گئی تھی اور کون کون سے شاعر اس میں مشغول تھے:-

۱۔ خواجہ برہان الدین۔ امٹی۔ دہلوی..... از مشاہیر مرثیہ گویان دہلوی است۔“

۲۔ اسد یار خاں۔ انسان دہلوی..... بیشتر مرثیہ گفتن رغبت دارد.....“

۳۔ مرزا طور علی۔ خلیق دہلوی..... در سبقتی ہندی و مرثیہ خواندن بنایت ہمارت

دارد.....“

۴۔ خلیفہ سکندر۔ سکندر..... در مرثیہ گفتن کمال اقتدار و سلیقہ درستی دارد اکثر

در زبان پوربی و مارواڑی و پنجابی مرثیہ گفتہ.....“

- ۵۔ شاہ قلی خان شاہی..... بیشتر مرثیہ می گفت “
- ۶۔ میر محمد علی، صبرِ نفس آبادی..... بیشتر مرثیہ می گوید.....“ وغیرہ
- مرثیہ کے علاوہ مثنویوں اور دیگر نظموں کے متعلق بھی گلزارِ ابراہیم سے کافی معلومات ہوتی ہیں مثلاً :-
- ۱۔ میر سعادت علی - سعادت - امر وہی..... مثنوی سیلی سخنوں کہ در زبانِ نوابِ قمر الدین
وزیرِ دو عاشق و مثنوق در دہلی گذشتہ اند، گفتہ و در اشعار رعایتِ ایہام می کرد۔“
- ۲۔ میر فتح سلیم - سلیم عظیم آبادی..... مثنوی در رنیتہ مثل برسانحہ عجیب واقعہ ناحیہ
عظیم آباد ترتیب دادہ کہ خالی از حالتے نیست۔۔۔۔۔“
- ۳۔ افضل الدین خاں فیضی - دکنی..... در تعریف یکے از شاہزاد ہائے دکن -
مثنوی بجاد رہ دکن گفتہ.....“
- ۴۔ فدوی - لاہوری..... یوسف زلیخا بہ زبان رنیتہ گفتہ و میر فتح علی شیدا
در ہجو اوقعتہ بوم بقال ضبط نمودہ.....“
- ۵۔ کترین - دہلوی..... شہر آشوبے در ہجو ہر قوم گفتہ.....“
- ۶۔ حمایت علی مجنون..... ساتی نامہ حکم..... گفتہ.....“
- ۷۔ حافظ فضل علی - ممتاز دہلوی..... مثنوی در تعریف لاشی بہ بحر مخزنِ اسرار گفتہ.....“
- ۸۔ محمد اشرف..... اشرف..... میر نامہ بے منسوب است.....“
- ۹۔ گداصل بیگ سہل..... مثنوی و پندک نامہ از وسے شہرتے دارد.....“ وغیرہ
- (۱۵) گلزارِ ابراہیم کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت اور دور کے مغرب
میں اردو شعر و شاعری نے جو ترقی حاصل کی تھی اس کا یہ کم و بیش ایک مکمل تذکرہ ہے

مرشد آباد اور عظیم آباد کے رہنے والے شاعروں کے علاوہ ان اہل کمالوں کا بھی اس میں
ضمناً ذکر کیا ہے، جو ہندوستان کے متفرق حصوں سے وہاں پہنچے۔
عظیم آباد اور مرشد آباد کے علم و فضل یا شعر و سخن پر جو کچھ بھی آئندہ لکھا جائے گا
اس کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکے گی جب تک گلزار ابراہیم کے مواد سے مدد نہ لی جائے

(۳)

گلزار ابراہیم کی خصوصیتوں کے متعلق چند نوٹ پیش کر دینے کے بعد غائبانہ ضرورت
ہے کہ اُس کے ترجمے گلشن ہند کے متعلق بھی کچھ لکھا جائے۔

علی لطف نے اس پوری کتاب کا ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن اُنھوں نے اس
کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصہ میں ”سلاطین نامدار“ و ”زرے و الاتبار“ امرائے عالی
مقدار اور شعرائے صاحب وقار“ کے حالات جمع کئے ہیں جو اتفاق سے حیدر آباد دکن
میں ہاتھ لگ گیا اور چند صاحب قدروں کی متفقہ کوشش سے اشاعت بھی پا گیا۔
لیکن دوسرا حصہ جس میں نوشت اور گم نام شاعروں کے حالات تھے، نہ معلوم مرتب بھی
ہوا تھا یا نہیں۔

گلزار ابراہیم میں کل ۳۲۰ شاعروں کا ذکر ہے جس میں سے علی لطف نے اپنے ترجمے کے پہلے حصہ کے
صرف ۶۸ شاعروں کا انتخاب کیا تھا۔ مطبوعہ گلشن ہند کے ۶۸ شاعروں کے علاوہ گلزار ابراہیم میں جن جن شاعروں
کا تذکرہ ہے اُن کی ایک فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے، تاکہ اس امر کا علم ہو سکے کہ اگر
علی لطف نے دوسرا حصہ لکھا بھی تھا تو اس میں کون کون سے شاعر شامل تھے یہ بھی کہ سہ
سے قبل اردو کے کون کون سے شاعر ایسے تھے جن کا علی ابراہیم جیسے مصنف نے
بھی ذکر لکھنا ضروری سمجھا نیز یہ کہ وہ کون ہیں جو علی لطف کی نظروں میں نوشت یا گم نام شاعر

پائے تھے۔

- ۱۔ افضل - محمد فضل
- ۲۔ احمد گجراتی
- ۳۔ امجد
- ۴۔ انصاف
- ۵۔ اشرف
- ۶۔ اشرف - محمد اشرف
- ۷۔ آزاد - خواجہ زین العابدین
- ۸۔ آزاد - میر مظفر علی دہلوی
- ۹۔ افصح - شاہ فصیح
- ۱۰۔ آٹمی - خواجہ برہان الدین دہلوی
- ۱۱۔ انسان - اسد یار خاں
- ۱۲۔ احسن - احسن اللہ
- ۱۳۔ آشنا - میوزین العابدین دہلوی
- ۱۴۔ آشنا
- ۱۵۔ الہام - فضائل بیگ
- ۱۶۔ آگاہ - محمد صلاح دہلوی
- ۱۷۔ آگاہ - نور خاں
- ۱۸۔ افتخار - الف خاں
- ۱۹۔ انگار - میر حویلیا
- ۲۰۔ امیر - محمد یار خاں
- ۲۱۔ اکرم - خواجہ محمد اکرم دہلوی
- ۲۲۔ اسد - میرامانی دہلوی
- ۲۳۔ اولاد - میر اولاد علی
- ۲۴۔ انور - غلام علی
- ۲۵۔ اجل - شاہ محمد اجل آبادی
- ۲۶۔ اعظم - محمد اعظم
- ۲۷۔ اعلیٰ - میر علی علی
- ۲۸۔ انظر - میر غلام علی دہلوی
- ۲۹۔ امامی - خواجہ امام بخش عظیم آبادی
- ۳۰۔ اولیا - میر اولیا مہمانی
- ۳۱۔ احمدی - شیخ احمد وارث
- ۳۲۔ انتظار - علی نقی خاں دہلوی
- ۳۳۔ آہ - میر مہدی
- ۳۴۔ احسان - میر شمس الدین
- ۳۵۔ بہار - شیک چند
- ۳۶۔ بے نوا
- ۳۷۔ شاہ بیچا
- ۳۸۔ بے قید - سید فضائل علی خاں

- ۳۹۔ پیام شرف الدین علی خاں -
 ۴۰۔ بھکاری لال
 ۴۱۔ بیرنگ - دلاور خاں
 ۴۲۔ بے گل - عبدالوہاب - اورنگ آبادی
 ۴۳۔ بیتاب - محمد اسماعیل
 ۴۴۔ بیتاب - سنتو کہ سنگھ
 ۴۵۔ بیتاب - شاہ محمد علیم
 ۴۶۔ پاک باز - میر صلاح الدین
 ۴۷۔ پروانہ - سید پروان علی مراد آبادی
 ۴۸۔ پروانہ - راجہ حبوت سنگھ
 ۴۹۔ سہل
 ۵۰۔ سہل گدا علی بیگ
 ۵۱۔ تابیایں - میر عبدالحی
 ۵۲۔ تمکین - میر صلاح الدین دہلوی
 ۵۳۔ تقی - سید محمد تقی دہلوی
 ۵۴۔ قصور
 ۵۵۔ تصویر - شاہ جواد علی مراد آبادی
 ۵۶۔ تمنا - خواجہ محمد علی عظیم آبادی
 ۵۷۔ ثنائب - شہاب الدین
 ۵۸۔ ثنائب - شجاعت اللہ خاں
 ۵۹۔ ثنائب - اصالت خاں
 ۶۰۔ جواب - کاظم علی دہلوی
 ۶۱۔ جوہر - مرزا احمد علی دہلوی
 ۶۲۔ جودت - ہرے رام مرشد آبادی
 ۶۳۔ جرات - میر شیر علی
 ۶۴۔ جولاں - میر رمضان علی
 ۶۵۔ میاں جگنو
 ۶۶۔ جان عالم خاں
 ۶۷۔ جنون
 ۶۸۔ جنون - شیخ غلام تفسی الد آبادی
 ۶۹۔ حشمت - میر معتمد خاں
 ۷۰۔ حشمت - محمد علی
 ۷۱۔ حیدر - غلام حیدر
 ۷۲۔ حیدر - علی شاہ دکنی
 ۷۳۔ حبیب اللہ
 ۷۴۔ حیرت - مراد علی - مراد آبادی
 ۷۵۔ حیدری - شیخ غلام علی
 ۷۶۔ میر عابد

- ۷۷ - حضور - دہلوی
۷۸ - حضور - شیخ غلام محیی
۷۹ - حسن میر محمد حسن دہلوی
۸۰ - حسن - میر محمد حسن
۸۱ - جیف موتی لال
۸۲ - خلیق - مرزا ظہور علی دہلوی
۸۳ - خادم - خادم حسین خاں عظیم آبادی
۸۴ - دانا - شیخ فضل علی شاہ
۸۵ - درد - میر کرم اللہ خاں
۸۶ - دوست غلام محمد
۸۷ - داؤد - داؤد بیگ
۸۸ - دل - شاہ فتح محمد
۸۹ - درخشاں - منگو بیگ
۹۰ - ذہین - میر مستعد
۹۱ - ذاکر حسین دوست مراد آبادی
۹۲ - زند - شاہ حمزہ علی دہلوی
۹۳ - طغاب - محمد جعفر خاں دہلوی
۹۴ - رفعت - بشین محمد رفیع الہ آبادی
۹۵ - رسوا - مہتاب رائے
- ۹۶ - رسائی
۹۷ - رخشاں - محمد چاند
۹۸ - رضا - میر رضا عظیم آبادی
۹۹ - رضا - مرزا علی رضا
۱۰۰ - رضا -
۱۰۱ - راقم - بند بڑین
۱۰۲ - رنگین
۱۰۳ - رنگین میرزا امان بیگ -
۱۰۴ - رشید
۱۰۵ - رمنی - سید رمنی خاں
۱۰۶ - رتم - رتم علی خاں احتشام الدولہ
۱۰۷ - رخصت - میر قدرت اللہ دہلوی
۱۰۸ - زند - مہربان خاں -
۱۰۹ - زکی - جعفر علی خاں دہلوی
۱۱۰ - زار - منگل بیگ
۱۱۱ - زار - میر منظر علی دہلوی -
۱۱۲ - سوزاں - احمد علی خاں شوکت جنگ
۱۱۳ - سرب - میر سراج الدین اوزنگ آبادی
۱۱۴ - سلیمان

- ۱۱۵- سامان - میر ناصر جوہری
 ۱۱۶- سعادت - میر سعادت علی خاں
 ۱۱۷- سیتہ - میر امام الدین دہلوی
 ۱۱۸- سیتہ - میر یادگار علی
 ۱۱۹- ساتی - میر حسین علی
 ۱۲۰- سکندر - خلیفہ سکندر
 ۱۲۱- سلیم - میر محمد سلیم عظیم آبادی
 ۱۲۲- شاہی - شاہ علی خاں دکنی
 ۱۲۳- شاکر - محمد شاکر
 ۱۲۴- میر شاہ علی خاں دہلوی
 ۱۲۵- شکار - حکیم یار علی
 ۱۲۶- شاعر - میر کلہو
 ۱۲۷- شیدا - میر فتح علی
 ۱۲۸- شوق حسین (حسن) علی
 ۱۲۹- شاداب - لالہ خوش وقت رائے
 ۱۳۰- شہرت مرزا محمد علی دہلوی
 ۱۳۱- شانی - ابن الدین خاں
 ۱۳۲- شہید غلام حسین
 ۱۳۳- شرف - میر محمدی
 ۱۳۴- شیخ - میر محمد شیخ
 ۱۳۵- مصصام الدولہ - خواجہ محمد عالم
 ۱۳۶- صنعت - مغل خاں
 ۱۳۷- صفدری حیدر آبادی
 ۱۳۸- صادق - میر جعفر خاں
 ۱۳۹- صبر محمد علی فیض آبادی
 ۱۴۰- ضمیر - سید ہدایت علی خاں
 ۱۴۱- ضاحک - میر غلام حسین
 ۱۴۲- طیش - دہلوی
 ۱۴۳- طالع شمس الدین
 ۱۴۴- طرز - گردھاری لال
 ۱۴۵- ظاہر - خواجہ محمد خاں
 ۱۴۶- ظہور - لالہ شیوننگہ
 ۱۴۷- عارف - محمد عارف
 ۱۴۸- عمدہ - سیتا رام
 ۱۴۹- عاصی - نور محمد - برہان پوری
 ۱۵۰- عاجز - عارف علی خاں
 ۱۵۱- عمر - معتبر خاں دکنی
 ۱۵۲- عزیز - بھکاری داس

- ۱۵۳۔ عظیم۔ محمد عظیم
 ۱۵۴۔ عاشق۔ میر علی دکنی
 ۱۵۵۔ عاشق۔ علی اعظم خاں
 ۱۵۶۔ عاشق۔ میر برہان الدین
 ۱۵۷۔ عاشق۔ منشی عجائب رائے
 ۱۵۸۔ غالب۔ سید الملک اسد اللہ خاں
 ۱۵۹۔ غریب۔ میر تقی دہلوی
 ۱۶۰۔ خانج۔ دہلوی
 ۱۶۱۔ فضل۔ شاہ فضل علی دکنی
 ۱۶۲۔ فضلی۔ فضل الدین خاں دکنی
 ۱۶۳۔ فرخ۔ میر فرخ علی
 ۱۶۴۔ فراق۔ مرتضیٰ قلی خاں دکنی
 ۱۶۵۔ فراق۔ ثناء اللہ دکنی
 ۱۶۶۔ فدا۔ سید امام الدین
 ۱۶۷۔ فرصت۔ مرزا الف بیگ
 ۱۶۸۔ فدوی۔ لاہوری
 ۱۶۹۔ فخر۔ میر فخر الدین
 ۱۷۰۔ فروغ۔ میر علی اکبر
 ۱۷۱۔ فیض۔ میر فیض علی
 ۱۷۲۔ فراید۔ لالہ صاحب رائے
 ۱۷۳۔ قبول۔ عبد انبی بیگ
 ۱۷۴۔ قدر۔ محمد قدر علی
 ۱۷۵۔ قسمت
 ۱۷۶۔ قلندر۔ لالہ بدھ سنگھ
 ۱۷۷۔ قربان۔ میر حویں
 ۱۷۸۔ قناعت۔ مرزا محمد بیگ
 ۱۷۹۔ کترین۔ دہلوی
 ۱۸۰۔ شاہ کاکل دہلوی
 ۱۸۱۔ کافر۔ میر علی نقی دہلوی
 ۱۸۲۔ گریاں۔ میر علی امجد
 ۱۸۳۔ گمان۔ نظر علی خاں
 ۱۸۴۔ لطفی۔ دکنی
 ۱۸۵۔ لسان۔ میر کلیم اللہ
 ۱۸۶۔ محقق۔ دکنی
 ۱۸۷۔ منزل۔ محمد منزل
 ۱۸۸۔ مجلس۔ رائے انند رام
 ۱۸۹۔ موزوں۔ راجہ رام نرائین
 ۱۹۰۔ منعم

- ۱۹۱- میرمددالله
 ۱۹۲- محزون - سید محمد حسین
 ۱۹۳- محسن - محمد محسن
 ۱۹۴- مستمند دهلوی
 ۱۹۵- مآل - محمدی دهلوی
 ۱۹۶- مآل - میر هدایت علی
 ۱۹۷- مسکین - لالہ بخت دل
 ۱۹۸- منتظر - خواجہ بخش الله
 ۱۹۹- مرزائی - محمد علی خاں
 ۲۰۰- مخلص - بدیع الزماں خاں
 ۲۰۱- محشر کشمیری
 ۲۰۲- مفتون - کاظم علی
 ۲۰۳- محترم - خواجہ محمد محترم
 ۲۰۴- مضمون - سید امام الدین خاں
 ۲۰۵- محب - شیخ ولی الله
 ۲۰۶- منشی - غلام احمد
 ۲۰۷- مجروح - منشی کش چند
 ۲۰۸- محنت - مرزا حسین علی بیگ
 ۲۰۹- مروت - سنبھلی
- ۲۱۰- مرزا - نواب مرزا دہلوی
 ۲۱۱- مرزا - مرزا علی رضا
 ۲۱۲- مجنون - شاہ مجنون
 ۲۱۳- مجنون - حمایت علی
 ۲۱۴- مسین - شیخ مسین الدین
 ۲۱۵- مدعا - میر عوض علی
 ۲۱۶- مدہوش - میر نبی خاں
 ۲۱۷- مصیب - شاہ غلام قطب الدین
 ۲۱۸- ممتاز - حافظ فضل علی
 ۲۱۹- مشتاق - میر حسن دہلوی
 ۲۲۰- مشتاق - محمد قلی خاں
 ۲۲۱- مغموم - رام حس
 ۲۲۲- نظام - غازی الدین خاں
 ۲۲۳- میر - غلام نبی بلگرامی
 ۲۲۴- نثار - میر عبدالرسول
 ۲۲۵- نثار - سدا سکھ
 ۲۲۶- ندیم - شیخ علی قلی
 ۲۲۷- نادر - دہلوی
 ۲۲۸- نالاں - میر احمد علی

- ۲۲۹ - نالاں - میر وارث علی
 ۲۳۰ - نجات - شیخ حسن رضا
 ۲۳۱ - نژاد - خواجہ محمد اکرم
 ۲۳۲ - نالاں - محمد عسکر علی خاں
 ۲۳۳ - ولایت - میر ولایت اللہ خاں
 ۲۳۴ - وارث - محمد وارث
 ۲۳۵ - وفائی - لالہ نول رائے
 ۲۳۶ - وحشت - میر ابو الحسن
 ۲۳۷ - وحشت - میر مہاجر علی
 ۲۳۸ - واقف - شاہ واقف
 ۲۳۹ - وصل - مرزا اسحاق
 ۲۴۰ - وہم - میر محمد علی
 ۲۴۱ - والد - میر مبارک علی
 ۲۴۲ - ہادی - دہلوی
 ۲۴۳ - ہودا - میر محمد اعظم
 ۲۴۴ - ہدایت - ہدایت علی
 ۲۴۵ - ہمد - عظیم آبادی
 ۲۴۶ - میر - ہدیگا دہلوی
 ۲۴۷ - ہاتف - مرزا محمد
 ۲۴۸ - یونس - حکیم یونس
 ۲۴۹ - یگرو - عبدالوہاب
 ۲۵۰ - یار - میر احمد دہلوی
 ۲۵۱ - یاس - حسن علی خاں

اس فہرست کے پیش کرنے کے بعد نامناسب نہ ہوگا اگر ان امور کا بھی ایک جالی ذکر کر دیا جائے جو گلزارِ ابرہیم اور گلشنِ ہند کے ایک سرسری مقابلی مطالعے سے ظاہر ہوتے ہیں (ب) گلشنِ ہند میں سب سے نمایاں چیز وہ اضافے ہیں جو لطف کی ذاتی معلومات کی پیداوار ہیں۔ یہ کیسی حیثیتوں سے اہم ہیں ان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ کون کون سے شاعر ایسے تھے جن میں ۱۱۹ھ سے ۱۲۱۵ھ ہجری کے درمیانی زمانے تک (یعنی ۱۷ سال کے عرصے میں) کوئی خاص اہمیت پیدا ہو گئی تھی۔ یا جن کے حالات میں کوئی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ اس کے علاوہ ان سے جہاں علی ابرہیم کی معلومات کی نوعیت کا

پتہ چلتا ہے، لطف کے ذاتی معتقدات اور خیالات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں شاید اس امر کا اظہار بھی ضروری ہو کہ لطف نے صرف ۳۰ یا ۳۲ شاعروں ہی کے ذکر میں اصناف کئے ہیں۔ نیز یہ کہ بعض ایسے شاعروں میں اضافہ نہیں کیا جن میں وہ یقیناً کر سکتے تھے کیوں کہ یا تو وہ لطف کے زمانے تک زیادہ مشہور ہو گئے تھے یا ان کی زندگی کے حالات میں کوئی نہ کوئی تغیر ضرور ہوا تھا۔ جیسا کہ قائم مصحفی، بے جگر، سداسکھ وغیرہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔ جن شاعروں کے ذکر میں لطف اضافہ کر سکتے تھے ان میں سے چند یہ ہیں :-

(۱) آبرو (۲) اثر (۳) بیدار (۴) حاتم (۵) سوز (۶) ضیاء (۷) ہنگام -
لطف کے چند قابل ذکر اصنافوں کا اجالی بیان یہ ہے -

۱۔ شاہ عالم آفتاب، ابوالحسن تانا شاہ، آصف الدولہ آصف، عمدۃ الملک امیر خاں انجام، قزلباش خاں امید اور سراج الدین علی خاں آرزو۔ ان پانچوں کے ذکر میں لطف نے بہت زیادہ اور بہت مفید تاریخی حالات کا اضافہ کیا ہے، نمونہ کلام بھی زیادہ پیش کیا ہے۔ اگرچہ سطروں وغیرہ کی تعداد سے مواد کی کمی یا زیادتی کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ایک دھندلا سا خیال تو قائم کیا جاسکتا ہے اس لئے شاید نامناسب نہیں اگر لکھا جائے کہ ان کا ذکر گلزارِ برہم میں صرف اس قدر ہے :-

- ۱۔ آفتاب - ۵ سطر ۲ شعر
- ۲۔ تانا شاہ - ۲ " ۱۰ "
- ۳۔ آصف - ۱۰ " ۱۱ "
- ۴۔ انجام - ۵ " ۲ "

۵۔ امید - ۴ سطر اشعر

۶۔ آرزو ۱۲ ۱/۲ ۴ ۴

۲۔ آشفۃ - مرزا رضا علی کے ذکر میں علی ابراہیم نے لکھا ہے کہ :-

”تاجین تحریرین اوراق احوال معلوم نشد - ظاہر اور لکھنؤ می گذارند“
لیکن علی لطف نے بہت کچھ لکھا ہے (دیکھو ذکر آشفۃ)

۳۔ مرزا عبدالقادر بیدل کے ذکر میں ابراہیم نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ :-

”احوال آل قادرین در تذکرہ فارسی مسطور“ علی لطف نے بہت اچھا واڈ پیش کیا ہے (دیکھو ذکر بیدل)

۴۔ سودا کا ذکر اگرچہ بالکل لفظی ترجمہ ہے، لیکن علی لطف کے یہاں ”چھ ہزار سالیانہ کی جاگیر سے لے کر آخر تک کے جملے اضافہ ہیں (علی ابراہیم کے یہاں کل ۱۲ سطر ہیں اور تقریباً ۱۵۰ اشعر مثلاً لکھے گئے ہیں)

۵۔ فقیر اور قائم کے ذکر میں بہت زیادہ اور بہت اچھا اضافہ کیا ہے۔ خصوصاً

مؤخر الذکر کے کلام کی نسبت رائے اور سند وفات کا بھی اضافہ لطف ہی کی جانب سے ہے

۶۔ میر کے ذکر میں لطف نے بھی اضافہ کیا۔ پہلے کی صرف آٹھ سطر ہیں ابراہیم سے

ماخوذ ہیں۔ گلزار ابراہیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک (یعنی ۱۱۹۶ ہجری میں)

میر دہلی ہی میں تھے (ابراہیم نے میر کے حال میں ۴ سطر لکھیں اور ۵۴۰ اشعر نقل کیے ہیں)

۷۔ مجذوب مصحفی اور منت کے ذکر میں بھی بہت اہم اضافہ ہیں۔ علی ابراہیم کے

ہاں پہلے دونوں کا ذکر ۲ سطروں میں اور منت کا ۸ سطروں میں ہے۔

ان شاعروں کے علاوہ اور جن جن کے حالات میں لطف نے اضافہ کئے ہیں ان

میں سے اکثر یہ ہیں :-

(۱) اشتیاق (۲) حسرت (۳) المام (۴) الم (۵) انشا (۶) فسوس (۷) بقا
(۸) جرأت (۹) حسرت (۱۰) حیران (۱۱) خاکسار (۱۲) عشق (۱۳) قدرت (۱۴)
کلیم (۱۵) مظهر (۱۶) مضمون (۱۷) مخلص (۱۸) محبت

(ج) علی لطف کے بعض غور طلب امور سے خالی نہیں ہیں۔ ان سے ایک تو مترجم کی ذہنیت معلوم ہوتی ہے اور دوسرے خود ترجمے کی بعض خصوصیات بھی ظاہر ہوتی ہیں اس ضمن میں سب سے عام اور معمولی بات ترجموں کی طوالت ہے۔ فارسی عبارتوں کا سادہ اور مختصر سی اردو میں ترجمہ کرنا (خصوصاً اُس زمانے میں) کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور لطف کے طویل اور دور اذکار ترجموں کی مدافعت کے لئے یہ بات ضرور کارگر ہو جاتی، لیکن جب بعض اور معمولی معمولی باتوں کی طرف نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لطف نے عہدِ ترجمے کو طویل بنانے کی کوشش کی ہے مثلاً :-

(۱) گلزارِ ابرہیم میں جہاں لفظ ”دلوی“ لکھا ہوا ہے، اس موقع پر گلشن ہند میں ہمیشہ ”شاہ جہاں آبادی“ لکھا گیا ہے۔ حالاں کہ لفظ دلوی کے استعمال میں کوئی قباحت نہ تھی۔

(۲) کئی جگہ سادہ سے سادہ باتوں کو اس طرح توڑ مروڑ کر لکھا ہے کہ عبارت میں خواہ مخواہ پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ذیل میں مقابلے کے لئے گلزارِ ابرہیم اور گلشن ہند کی دو تین عبارتیں نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں :-

گلزارِ ابرہیم
گلشن ہند

”میر غلام حسین شورش میر غلام حسین شورش بہینا“
”شورش تخلص“ میر غلام حسین نام مہمٹن

خواہر زادہ ملا میر وحید و شاگرد میر باقی رنجیت
 ہاں۔ خاکسار آشنا بود بمحض پندارتقا
 بقبلخ افکار خود نمی نمود۔ تذکرہ درختہ
 تالیف نمودہ۔ خالی از درے و حالتے ہو
 در سنہ یکزار و یکصد و نو و پنج ہجری
 رحلت کردہ۔ اشعارش مدون و ایرلش
 خلاصہ دیوان اوست“
 (دونوں مخطوطوں میں بعینہ یہ عبارت
 ہے)

عظیم آباد کے۔ مشہور میر بھینیا کر کے تھے
 بھانجے تھے ملا میر وحید کے اور مشورہ
 سخن کیا تھا میر باقر حزیں تخلص سے علی براہم
 خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ
 ”میرے آساتھے، اور بیماری میں غرور
 کی مبتلا تھے۔ فقط اپنے خیال فاسد سے
 انھوں نے اپنے کلام کی قباحتوں پر التفات
 نہیں کیا ہے، اس سبب سے سخن ان کا ہمیشہ
 مورد اعتراض سخن گیدوں کا رہا ہے“
 ایک تذکرہ شعرائے ہند کا زبان ریختہ میں
 انھوں نے لکھا ہے لیکن وہ بھی پیب ان
 کی خود پسندی کے خالی خلل اور زلل سے
 نہ تھا۔ ۱۱۹۵ھ ہجری میں اس سرائے فنا سے
 جاوہ نور و منزل بقا کے ہوئے۔ دیوان ان کا
 زبان ریختہ میں مرتب ہے۔ یہ ان کے کلام
 کا منتخب ہے۔

”مصانع تخلص“ نظام الدین احمد نام۔
 ساکن بگرام، علی ابراہیم خاں مرحوم نے
 لکھا ہے کہ ”مجان قدیم سے مرزا محمد رفیع

(۲) نظام الدین احمد، ”مصانع“ بگرامی۔
 ”مصانع بگرامی“۔ نظام الدین احمد۔ از
 دوستان ایں خاکسار و مجبان مرزا محمد رفیع

سودا کے اور دوستان مصمم سے اس خاکِ
 کے تھے۔ بڑے صاحب درد و تاثیر اور
 طبیعت کی گدازی میں بے نظیر! اچھا شعر
 جب کسی سے سنتے تو گھڑیوں روتے اور
 بچپن رہتے۔ عالم اخلاص اور دوستی میں
 زمانے کے افتخار، استقامت طبع اور ساری
 ذہن میں مستغنی روزگار تھے۔ سن باسیویں
 تک جلوس شاہ عالم بادشاہ غازی کے
 ہمیشہ مرشد آباد اور کلکتہ میں آیام زندگی
 کے بسر کرتے تھے۔ آخر سنہ (پھوڑ
 دیا ہے) ہجری میں ملک وجود سے وقت سفر
 کا بازہ کے راہی کشور عدم کے ہوئے
 فارسی دیوان مرتب ہے ان کا اور ریختہ
 کا شوق کمر تھا۔ یہ اشعار اس نکو کردار
 کے ہیں۔“

..... علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے

کہ ”یہ عزیز میرا اخلاص مند تھا اور عسرت
 کا مورد گزر نہ تھا۔ جب کہ دہلی سے مرشد آباد
 میں آیا اور بطور سکونت کا وہاں ٹھہرایا۔ جو

سودا است۔ اشعار فارسی مدون دارد
 و ریختہ کثرتی گوید۔ از خواندن اشعار خوب
 بسیار متاثر می شود۔ بعالم اخلاص مستثنیٰ
 و ذہنش بعمق اشعار رساست۔ احوال اسال
 بیت و دویم شاہ عالم بادشاہ در مرشد آباد
 و کلکتہ بسر می برد از دست“

(دونوں نسخوں میں یہی عبارت ہے
 اور دونوں میں مثال کے شعر نہیں ہیں)

(۳) شیخ فرحت اللہ فرحت

”... از دہلی بہ مرشد آباد افتادہ رود
 بسر بردہ، در فیض احیان رعایت حاش رقم
 آثم می نمود۔ تا آن کہ در یہاں بلدہ ۱۱۹۱ھ

از جہاں در گزشت“

مجھ سے ہو سکتا تھا خبر گیرانِ مال گاہ گاہ
ہوتا تھا۔ غرض بہت تنگیِ معیشت کے ساتھ
عزیز کا نباہ ہوتا تھا۔ آخر الامر ۱۱۹۱ ہجری
میں اسی بلدہ کے اندر انتقال کیا اور اس
دارالمحن سے خلاف اپنے تخلص کے،
بہت مغموم گیا.....“

(۵) اسلوب بیان کی پیچیدگی اور بے جا طوالت کے علاوہ علی لطف کے ترجمے
میں چند اور نقائص بھی ہیں۔ اگر علی لطف، علی ابراہیم کا بعینہ ترجمہ کر دیتے تو غالباً اپنے
ترجمے کو گلزار ابراہیم کی بعض اہلی خوبیوں سے محروم نہ کر لیتے۔

جہاں جہاں علی ابراہیم کے ذاتی حالات اور خیالات کی جھلک نظر آتی تھی علی لطف
نے اس کو بالکل نیت و نابود کر دیا۔ گلشن ہند سے علی ابراہیم کی دوستیوں اور
رشتہ داریوں کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مرزا جواں بہت جب بنارس آئے تو علی ابراہیم کا
عہدہ دار کی حیثیت سے ان کی خدمت میں حاضر ہونا اور شہزادے کی عنایات وغیرہ کے
ذکر سے بھی گلشن ہند محروم ہے۔ اسی طرح نقیہ صاحب دردمند اور نواب محبت خاں
وغیرہ کے ساتھ خانگی تعلقات کی جو معلومات گلزار ابراہیم میں ہیں، ان سب کا علی لطف
نے خون کر دیا ہے۔

گلزار ابراہیم میں بعض باتیں ایسی تھیں جو بعینہ پیش کر دینے کے قابل تھیں ان
کا ترجمہ کرنا کئی لحاظ سے نامناسب تھا۔ مثلاً علی ابراہیم نے بعض شاعروں سے حالات
طلب کئے تو انہوں نے اپنے متعلق جو تحریریں روانہ کی تھیں۔ علی ابراہیم نے ان کو بعینہ

نقل کر دیا ہے۔ لیکن لطف نے ان کا ترجمہ کر کے اُن کی شان کھودی۔ اس قسم کی تحسیروں میں میر سوز اور میر حسن کے بیانات قابل ذکر ہیں۔ جو پیش کئے جا چکے ہیں۔

(۵) علی لطف ان امور کے غالباً غیر ارادی طور پر مرکب ہوئے تھے، لیکن ان کے علاوہ بعض ایسی باتیں بھی نظر آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے چند حالات و خیالات کا اپنی جانب سے عمداً اضافہ کیا اور جو اس بات کے کافی شاہد ہیں کہ علی لطف اپنے مذہبی معتقدات کو اپنے ترجمے میں جھلکائے بغیر نہیں رہ سکے۔

علی ابراہیم کی حسب ذیل عبارتیں جب علی لطف کے ترجموں کے مقابلے میں پڑھی جائیں گی تو معلوم ہوگا کہ علی لطف اپنے بیانات کے کہاں تک ذمہ دار ہیں :-

(۱) شاہ ولی اللہ اشتیاق :-

”اشتیاق تخلص، سرمندی۔ اش ولی اللہ از سلسلہ مجدد الف ثانی است۔

جدش شاہ محمد گل۔ در کوئلہ فیروز شاہ می ماند۔ درویشا نہ می زیت بکتر شعر فارسی و بیشتر شعر ہندی می گفت از دست....“

(۲) مرزا منظر جان جاناں :-

(حالات کے بعد شہادت کے قصبے کو حسب ذیل سادہ طریقہ پر لکھا ہے جو لطف کے

بیان سے مقابلہ کرنے کے قابل ہے۔

”..... گویند بسبب تعصب مذہب منع تعذیب سید الشہداء علیہ السلام می نمود۔“

بدیں جہتِ زبردست یکے از ساکنانِ دہلی سنہ یک ہزار و یکصد و نو و چہار ہجری کہ عرض
 قریب صد بو و مقتول شد...“

اسی سلسلے میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ علی لطف نے بعض ایسے امد میں
 بھی علی ابراہیم سے اختلاف کیا یا اُن کے بیان میں اضافے کئے ہیں۔ جن سے اُن کے
 ذاتی مستندات کو بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ ان کا ظہور یا تو محض ادبی اور
 تاریخی نقطہ نظر سے ہوا ہے یا بہت ممکن ہے کہ ان کے پس پردہ بھی کوئی مقصد ہو۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ گلزارِ ابرہم

رعنائی کلام مجید تکلمی ست کہ انجائے سخنان روح پرور را بمنزل جان در قابِ زیبا
انواع انسان رنجیتہ۔ دبرائے اطہار توحید در کثرت شیوات گفثار محاورہ سنجان دہلی را بہ لغات مختلفہ
بر آمیختہ و زیبائی تقریر بہ لغت فصیح ست کہ دلہائے سنگین در قبول تاثیر کلامش مانند موم بر آرائی
نفس لگین ست و ندائے معجزاتمائش سگریزہ را قوتِ ناطقہ دستین علیہ و علیٰ وصیہ و آلہ
افضل الصلوٰۃ و اکمل التجات اما بعد بر ضمیر کتبہ سنجان سخن پرور و حرف پردازان دانشور پیدا و
ہویدا ست کہ اگرچہ زبان تازی و عجمی سامعہ نواز اسنہ امصار دیگرست اما قطع نظر از امتیازات
اختلاف طبائع جدیدہ انصاف معالی گزیدہ را در لغات و اصطلاحات ہر طائفہ آب و رنگ قبول
حاصل می شود چہ محسنات و ممنوعات در سائر کلام موزوں مقبول و مردود ست و چنان کہ بادہ
عشرت فرازا از مقارنت آبگینہ ہائے مختلف الالوان قیضے در کیفیت نشہ رانی یابد ہنرمیں شاہد
مضمون غریب و جلیلہ معنی خاص از اقتباس الفاظ ردیہ و محاورات نامرضیہ زشت و نازیبہا

نمی گردد۔ ازیں قرار آتشی دردِ سخن و خاک پائے سخن سبجاں علی ابراہیم خاں باو
تالیف دو تذکرہ اشعار فارسی باشد علی بعضے مجاہد یک دل و یک رو و موزوں طبعان
رنجیہ گو بخاطر آورد کہ بر نخے از اشعار رنجیہ با ضبط احوال و اوصاف گویندگان بسبک تحریر
پیوند دہد۔ احمد لواہب العطایا کہ در زمان سلطنت بادشاہ گیتی افروز، روشن ضمیر دانش آموز
فروزندہ مسند جہان بانی، چراغ و دومان صاحب قرانی، فروغ ناصیہ و نجم بن طہری،
شاہ عالم بادشاہ غازی، خلد اللہ ملکہ و آذان وزارت مردک دیدہ بیدار دوست زینت افشا
جاہ و شوکت قوت بازوئے بختیاری، حکم انداز پنج گاہ دشمن شکاری، نواب زیر الممالک
آصف الدولہ آصف جاہ یکجی خاں بہادر ہنزہ جنگ دام اقبالہ، و در عہد حکومت تمام امور
ریاست و ایالت محکم مراحم نصف و عدالت، ظفر سراے معارف مخالف ستیزی،
رب النوع گروہ خرد پرودہ انگیزی، نواب عماد الدولہ امیر الممالک، گورنر جنرل وارن ہسٹین
جلالت جنگ بہادر زاد حشمیہ، آنکہ خرد مندان دانشور از شش جہت روئے توجہ با یونان حشمت
بنیان او نہادہ و بد لر بائی رعایتش غربت را بروطن رجحان دادہ اند ایں مامول بحصول
انجامید و بسال یک ہزار و ہفتصد و ہشتاد و چہار عیسوی و یک ہزار و یک صد و نو و ہشت
ہجری از تسوید آن فراغ حاصل شد و موسوم بہ گلزار ابراہیم گردید تا میزان گوشتہا
سنجیدن لائی سخنان دیکش سر فرازست، دیدہ عیب جویان ہنزہ پوش بہنگام نظارہ ایں
بساط جواہر باخار ترازو انباز د۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف الالف

۱۔ آفتاب۔ شاہ عالم بادشاہ علی لطف نے اپنی طرف سے بہت زیادہ اور
 معینہ تاریخی حالات کا اضافہ کیا اور نمونہ کلام بھی پیش کیا ہے علیٰ ابراہیم نے صر
 پانچ سطریں لکھی ہیں اور نمونہ کلام کے طور پر دو ہی شعر درج کئے ہیں (ورق ۱۰-۱۱)
 آفتاب تخلص، نوریتہ جہانبانی، مہر سہر صاحب قرانی، شاہ عالم بادشاہ ابن علی گڑنی
 شانہ زادی میں گوہرِ صدفِ سلطنت کا نام عالی گوہر تھا۔ اسی ایام میں علامہ ملک کے خوف سے
 دلی سے نکلے اور بعد بہت آوارگی کے نجیب خاں کے یہاں کہ سردار قوم افغان کا تھا اور
 نجیب الدولہ خطاب رکھتا تھا، منتظر غایت الہی کے ہو کر ٹھہرے۔ اس میں بعد ایک مدت کے
 محمد قلی خاں بھتیجے نواب صفدر جنگ کو کہ ناظم صوبہ آباد کا تھا، حوصلہ بنگالہ کی تسخیر کا
 دامن گیر ہوا۔ مشورے سے نواب شجاع الدولہ کے، کہ وہ باطن میں محمد قلی خاں کے بڑا دشمن کا
 ارادہ رکھتے تھے، خان مذکور نے شانہ زادے کو نجیب خاں کے ہاتھ سے بلوائے اور وسیلہ

غزف کا ٹھکانہ کے آپ مع فوج کے رکاب سعادت میں داخل ہوئے، اور الہ آباد سے کوچ کر کے قریب عظیم آباد کے آپڑے۔ اب آگے رام نرائن، عظیم آباد کے نائب نظامت، کا بے حواس ہو کر محمد علی خاں کی معرفت حضور میں شام ہواؤں کے حاضر ہونا مشہور ہی، اور پھر بگڑ کے چند مدت قلعہ میں عظیم آباد کے بند ہو کر لڑنا، یہ بھی تواریخ بیہوش کی بگھاہ سے نہیں مستور ہے۔

ابھی محمد علی خاں قلعے کو لگے ہی ہوئے تھے کہ اس میں بعد ایک چند روز کے شہرہ جعفر علی خاں اور میرن کی آمد آمد کا واسطے رام نرائن کی ملک کے مع کر نیل کلف بساؤں ثابت جنگ کے مشرق کی طرف سے ہوا۔ محمد علی خاں نے اُن کی لڑائی سے عمدہ براہ ہوئی کی طاقت اپنے بیچ میں نہ پا کے، پیش از ان کے داخل ہونے کے، کوچ بنارس کی طرف کیا اور شاہزادہ عالی تبار عالی گوہر نے، کرم نام سی کی ندی سے، کہ صوبہ عظیم آباد کی سرحد میں ہی عبور کر کے تھوڑی دور گئے تھے، کہ باپ کے مارے جانے کا احوال اس طور سے سنا کہ مہدی قلی خاں کشمیری، علی قلی خاں کے بھائی نے کو رفیق عماد الملک کا تھا حساب الارشاد اپنے آقا کے حضور اعلیٰ میں عرض کی کہ ”ایک فقیر بہت بڑا صاحب کماں فیروز شاہ کے کوٹ میں آئے اتر رہے، حضرت کو ملاقات اس سے کرنی ضرور ہی، حضرت بیمارے اجل گرفتہ حکم میں تو عماد الملک کے تھے ہی، اپنے پاؤں سے آپ قبر میں تشریف لے گئے۔ وہاں فقیر کہاں تھا، کئی ایک خوں خوار جٹا کار، بے شرم اور بے رحم اُس حجرے میں بٹھا رکھے تھے جاتے ہی اس بے گناہ کو پیش قبضوں سے مار کر لاکش کو اوپر سے ریختی کی طرف کر دیا۔ کھٹوٹے میں پہنچ کر، موافق ضابطہ خاندانِ بابر کے مسئلہ، گیارہ سو تتر ہجری میں لقا“ ”شاہ عالم“ کے ساتھ تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اور قلعہ دارت کا مع خلعت جلد نواب شجاع الدولہ کے واسطے بھجوا دیا۔ ساتھ ہی اس کے خلعت امیر الامرائی کا، کہ عبارت میرٹھی گری سے ہی، نجیب الدولہ کے لئے روانہ ہوا۔ اور نواب میرالدولہ نے اُسی وقت

ملہ یعنی اس ندی سے جس کا نام کرم تھا ۱۱

موافق ارشاد کے اٹھی گری کے طور پر ابدالی کی طرف کوچ کیا۔ اتنے میں کامگار خاں پانچ ہزار سوار سے 'اور دلیرخاں' اصالت خاں اپنی تمام جمعیت سے حاضر ہو کر اقرار جانفشانی کے ساتھ داخل دائرہ دولت کے ہوئے۔ چنانچہ کامگار خاں نے اخراجات ضروری کا اپنا ذمہ کیا، اور زمینداروں سے اتنے ہی عرصے میں جس جس ڈھب سے بنا کچھ کچھ رہا بھی لیا۔ تجویز یہ ٹھہری کہ میرن کے آنے سے آگے ہی رام نرائن سے لڑیجے اور خلافت نقل کرے تو قلعہ عظیم آباد کے عمل کیجے۔ بادشاہ کو بھی یہ مشورہ پسند آیا اور اسی وقت پیش خیمے کے کوچ کو حکم فرمایا۔ کامگار خاں اور دلیرخاں متعصن رام نرائن کے لشکر کے کہ دیو ہاڑی کے کنارے پر پڑا تھا آڑے اور بعد کئی دن کے میدان جنگ آراستہ کر کے کمال جانفشانی اور سرفروشی کے ساتھ لڑے۔

سب سے پہلے دلیرخاں اور اصالت خاں نے گھوڑے چلائے، اور نہایت بہادری سے رام نرائن کی فوج میں درآئے۔ سچ تو یہ ہے کہ غول ان کا نشانہ تھا چھوڑنے کی مار کا اور ہدف تھا بند وقوں کی بارٹھ کا، بجلی کی طرح کرنک کر ہر ایک از دھا توپ کا سا گرم آتش فشانی تھا، اور گولیوں کی بارش سے ساون بھاؤں کا ہنٹہ شرمندگی سے پانی پانی تھا۔ اس میں بند وقوں کی مار سے نشان کے ہاتھی کا ہنٹہ پھر گیا کسی نے دلیرخاں سے پکار کر کہا کہ "نشان کا ہاتھی پھر کھڑا ہوا" فرمایا "کیا ہوا" ہاتھی پھرا، اور گو کہ آسمان بھی پھرے دلیرخاں تو نہیں پھرا، یہ کہہ کے دونوں بھائیوں نے گودے گھوڑوں سے ایک تین سو جوانوں سے کہ وہ رفیق ان کے تھے، ایسی ہی جاں بازی کی کہ ساری زمین ان کی لاشوں سے بھر دی، اور تمام فوج رام نرائن کی تلے ادیر کر دی خاطر خواہ دلاوری اور بہادری سے دل بھر کے، شجاعت اور ہمتور کا حق ادا کر کے، دونوں بھائیوں نے مع رفیقوں کے جان شیریں نثار کی، لیکن رام نرائن کی فوج میں بھی

لے یعنی وہ ہاتھی جس پر نشان سلطنت تھا ۱۱

باقی نہ رہی جلادت گفتار کی۔

اس میں توپ اور بندوق تو بند ہو ہی گئی تھی، کامگار خاں مع اپنی فوج کے جو ایک عرف سے بیٹھا، تو برابر رام نرائن کے جا بھکا۔ لوگ رام نرائن کے، از بسکہ دیر خاں کی لڑائی کھلے ہوئے تھے، دوبارہ کامگار خاں کے مقابلہ کی طاقت نہ لاکے پسپا ہوئے۔ رام نرائن نے مقدمہ بے ڈول دیکھا، میں لڑائی میں کپتان کا کرسی صاحب سے کھلا بیجا کہ ”آدمے لوگ اپنے میری ملک کو بھیجے، کپتان مذکور نے موافق حکم نائب نظامت کے اپنی فوج کے دو حصے کئے اور آدمے آدمی ادھر بھیج دیئے لیکن لوگ ان کے بھی تو لڑائی کی محنت اٹھا چکے تھے، اور جس قدر چاہیے تھا جی لڑا چکے تھے، کچھ کام بن نہ آیا کسی طرح سے بندوبست نے لڑائی کے انتظام نہ پایا۔ چنانچہ کامگار خاں نے گھوڑا رام نرائن کے ہاتھی سے ملا دیا، اور اتنے تیر اور نیزے مارے کہ اپنی دانست میں انھوں نے مار لیا، لیکن اس مدبر نے زخمی ہو کر حوضی میں لپٹ جانے کو غنیمت جانا اور تختوں کی آڑ کو وسیلہ زندگانی کا گردانا۔ غرض لڑائی بگڑ گئی، بہت سے لوگ رام نرائن کے ساتھ کے مارے گئے، اور کچھ تھوڑے سے لوگ بھاگ بھی بچا رہے گئے۔ مرنے دھر مع رحم خاں اور غلام شاہ کے، کہ مراد فوج کے تھے، کامگار خاں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ احمد خاں اور مراد خاں، بیابرام خاں بلوچ کا بھاگ کے رام نرائن کے شریک، عظیم آباد کی طرف قدم گزاری ہوئے۔ شاد عالم بادشاہ عازمی نے فوج اور نصرت کے ساتھ کھیت پر ڈیرا کرنے کا حکم دیا، اور بھاگے ہوؤں کا پیچھا مطلق نہ کیا۔ اب آگے بیان ساتھ تفصیل کے موجب خول کلام کا ہے۔

تقریباً کہ آج کے دن تک کہ ۱۲۱۵ء بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، اور جلوس مبارک کو سنہ بیالیسیاں ہے وہ ازنگ نیشن بارگاہ جاہ و جلال تخت پر ساتھ عیش و نشاط کے حکمران ہے۔

سنہ تیسویں میں عند سلطنت کے، منظور علی خاں ناظر کی بے بصیرتی سے شیخ غلام قادر خاں رُہیلے نے جو کورنگی کی ہے، مفصل بیان اس کا غضب ہی اور نہایت ترک ادب ہے لیکن حضرت نے خود اپنی زبان بلاغت بیان سے اس روداد کو اس تفصیل کے ساتھ نظم کیا ہے کہ ادکسی بندہ آستان دولت کی کیا مجال تھی کہ اس واردات کو اس بے ادبی سے زبان تک لاتا۔ از بسکہ وہ غزل فارسی ہی داخل کرنا اس کا بیچ کتاب کے خلاف آئین نثر ہندی کے معلوم ہوا، اس واسطے تیناً و تیراً اس غزل کو حاشے پر کتاب کے لکھا ہی، اور ترجمہ اس کا لفظاً باللفظ کر کے اس طرح داخل کتاب کیا جو نظم حادثے کی اُٹھی آندھی جو مری خواری کو دم میں برباد کیا میری جہاں داری کو

لے صرصر حادثہ برخواست ہے خواری ما
آفتابِ فلکِ رفعتِ شاہی بودیم
چشمِ ماکندہ شد از دستِ فلکِ ترشد
داد افغان بچہ شوکتِ شاہی برباد
بود جاں گاہ زروالِ جاں بھجوں مرض
کردہ بودیم گناہے کہ نہ ریشِ دیدیم
کردہ سی سالِ نطاعت کہ مراد داد بباد
عمد و پیاں بہ میاں داد و نمودند و غا
شیرِ دادم افغی بچہ را پروردیم
حقِ طفلان کہ بسی سالِ فراہم کردیم
قومِ مغلیہ و افغان ہمہ بازی دادند

داد برداد سرور برگ جہاں داری ما
برود در شامِ زوالِ ہسیہ کاری ما
تا نہ بینم کہ کند غیر جہاں داری ما
کیست جز ذاتِ مبرا کہ کند یاری ما
دفع از فضلِ الہی شدہ بیماری ما
ہست مصروف کہ بخششِ گہنگاری ما
زود دریافتہ پاداشِ ستمگاری ما
فخلصا خوب نمودند و داداری ما
عاقبت گشت مجوز بہ گرفتاری ما
کردہ تاراج و نمودند سبک باری ما
بسکہ گشتند مجوز بہ گرفتاری ما

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

شام یوں پھولی غرض میری سیکاری کو
غیر کے قبضے میں اونگ جس انداز میں
گردشِ حیرت نے کھویا مری بیماری کو
کون پہنچے گا خدا چھٹ مری اب یاری کو
شاید اب تو چھین وہاں میری گنگاری کو
پہلے ختم اُس نے دیا میری دل آزاری کو
جلد پہنچایا مکافاتِ ستم گاری کو
مار کر تے گئے یاں چھوڑ سب باڑی کو
رکھا ہر اک نے روا میری گرفتاری کو
ان سے سیکھے کوئی آئینِ وفا داری کو
بدلے اس حق کے وہ آیا میری خو بخاری کو

بس کہ خورشید کو لازم ہے طلوع اور غروب
آنکھیں نکلیں تو ہوا خوب کہ دیکھو لگانہ میں
ملکت کا بھی خیاں ایک مرض تھا جل گاہ
کی اس افغان بچے نے شوکتِ شاہی برباد
جو کئے تھے گنہ اُن سب کی سزا کبھی نہیں
جو تھا تیس برس سے مرے گھانا نظر
بے گنا ہی نے مری اُس ستم ایجا دگے تیس
حقِ طفلان جو ہوا تیس برس میں تاجِ جمع
قومِ افغان وغل سب نے مجھے بازی دی
عمد و پیمان کئے اس میں، بھلا حق تمک
تھا جس افغان بچے کو دود پلا کر پالا

بانی جو رستم خد بہ دل انگاری ما
چہ قدر کرد و کالت پئے آزاری ما
مہر بہ بستند کمر بہر گرفتاری ما
ز دوو باشد کہ باید بہ بدو گاری ما
ہست مصروفِ تلافی ستم گاری ما
چہ عجب گر نبسا یند بدو گاری ما
حیف باشد کہ نہ سازند غبغخواری ما
نیست جز محلِ مبارک بہ پرستاری ما
باز فردا دہد ایزد سر سرداری ما

(بقیہ صفحہ ۹) ایں گدا زادہ ہمدان کہ بد و نیک برد
محلِ محو کہ ز مردان بہ شرارت کم نیست
نامراد سلیمان و بدل بیگ لیں
شاہ تیمور کہ داد سر نسبت بہن
ماد حوجی سیند حیا فرزند جگر بند نیست
آصف الدولہ دانگر نہ کہ دستور من اند
راجہ وراؤ زیندار، امیر و چہ فقیر
نازنینان پری چہرہ کہ ہمد بونہ
گرچہ ما از فلک امروز حوادث دیدیم

۱۵ یعنی سوائے خدا کے ۱۶ یعنی میان صفِ سکبازی اور تہمتی چھوڑ گئے ۱۷

جز مبارک محل اس میری پرستاری کو
کیا عجب آویں اگر میری مددگاری کو
ہوگی بے رونقی اس طرز جفاکاری کو
شاید آنکھ مجھت سے خبر داری کو
دور کیا ہے جو کرے دودھ دل آزاری کو
چاہیے سمجھے سعادت میری غمخواری کو
بخشنے محال تجھے حق پھر تری سرداری کو

حضرت جہاں نیاہ کے مزاج مبارک کو نہایت نظم کی طرف التفات ہے اور بیشتر شغل اشغالیں کٹتی اوقات ہے۔ ان شعروں کو اس جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں:

ہم تو بندے اُس کے ہوں وہ یار ہو یا رکا
ہو جو یارب بھلا اس چشم آتشبار کا
کر کے عیسیٰ مداوا اپنے کب بیمار کا
نام مت لینا چمن میں اُس بت خوشخوار کا
جاننا ہیگا سعادت باندہ صنا زتار کا
یاد آوے دل میں جب سایہ تری دیوار کا
”کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا“

ڈھونڈ جا کر ہر طرف نفس قدم دلدار کا
دیکھ کر موتا ہے تجھ کو تنگ دل گلزار کا

صبح تو جام سے گزرتی ہے دلہ شب دل آرام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گزرتی ہے

۲۔ آصف۔ نواب آصف الدولہ۔ یہاں بھی مترجم نے نہایت مفید اضافہ

نازنین میری ہمد جو تھیں یاں ایک نہیں
آصف الدولہ اور انگریز ہیں میرے دل سوز
ما و حوجی سیندھیا فرزند جگر بند کے ہاتھ
کوئی پہنچا دو خبر حال کی میرے کہ نظام
شاہ تیمور سے ہے اک سر نسبت مجھ کو
راجہ دراور زیندار، امیر اور فقیر
آفتاب آج فلک نے کیا گر بے سرو پا

کیجئے ہمد بھلا کیوں کر نہ شکوہ یار کا
خانہ دل کو جلا یا اک نگہ سے اُس نے آہ
صاف کل آنکھیں تری کہتی تھیں عاشق سے چکا
خون ہوئے گا گلوں کا دیکھنا ہر گز صبا
زلف تری دیکھ کے زاہد رگ جاں سے بنا
کب ترے عشاق بھٹیں حشر میں طوبیٰ تلے
دیکھ کر کل نغم میری یوں لگا کہنے طیب
صرف کعبہ میں نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ
اس قدر افسردہ دل کیوں ان دنوں ہو گیا

صبح تو جام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے

کیا ہی۔ کلزار ابراہیم میں حالات اسطرح میں ہیں اور گیارہ شعر بطور نمونہ دیئے گئے ہیں
(درق - ۱۰ - ب اور ۱۱ - الف و ب)

آصف تخلص نور کو کب تمّت اور شجاعت کا، خورشید آسمان مروت اور سخاوت کا، نواب آصف الدولہ
وزیر الممالک آصف جاہی خاں بہادر بہر جنگ، خلف نواب شجاع الدولہ مغفور گاہی اور پونا نواب بہمنصور

صفر جنگ کا۔ بعد وفات شجاع الدولہ کے گیارہ سو ستاسی سالہ ہجری تھے اور

شاہ جہاں پناہ شاہ عالم بادشاہ غازی کے عہد سلطنت کو پندرہواں سنہ تھا،

بدلہ فیض آباد میں کہ قدیم نام اس کا بنگلہ ہے مندر وزارت کو زینت اس عالی تبار نے

بخشی ہے۔ از بسکہ رسم کمں ہے کہ بادشاہ اور وزیر واسطے نام کے، عہد حکومت اپنے

میں، نئے شہر کے آباد کرنے کی تلاش کرتے ہیں، اور وہاں مقرر ہو دو بادشاہ کرتے ہیں۔

بعد چند ہی اس آب و رنگ گلشن وزارت نے بنگلے سے کوچ کر کے خارستان

لکھنؤ کو بارہا قدم سے اپنے رشک شکوفہ زار کشمیر کا کیا۔ لکھنؤ کے تن بے جان میں

گویا جان آئی اور خیم بے نور نے بصارت پائی۔ پھر تو آبادی پر شہر کے عرصہ زمین کا

تنگ تھا، اور معموری کو اس خراب آبادی کی تسبیح سے ہفت اقلیم کی تنگ تھا۔ بسکہ

اس بلند نظر کا اہل کمال کی طرف میلان خاطر تھا، ایک ایک کمال کا ہزار ہا آدمی وہاں

حاضر تھا۔ عمارت کی تعمیر برطبیعت نہایت مصروف تھی اور خواہش شکار کی مزاج سے

بشدت مالوف تھی۔ ہر روز لازم تھا ایک عمارت تازہ کی بنا کا دھڑا، اور ہر سال

میں واجب تھا واسطے شکار کے دو مرتبے سفر کرنا۔ بے مبالغہ ہے کہ ہزاروں شیر

مانند بکریوں کے مارنے میں آئے، یہاں تک کہ آن کی کھالوں کے متعدد خیمے عالی شان

بنوائے پہلی ہی گولی اس کے ہاتھ کی گینڈے اور مارنے کو تھا پیغام اجل کا اور

بڑے دانت ہونے ہاتھی کے بس یہی اس کے واسطے تھا دام اجل کا۔ مستک پر

نیل مست کی جب اس کا تیر بیٹھا، سونار کا باہر نام نہ تھا۔ پہاڑ کو تنکے سے ٹالنا اس کے

آگے کچھ کام نہ تھا۔ جنگلی ہاتھی دینتے اتنے مارے کہ آج دولت خانہ میں ایک عمارت

عالی شان ہاتھی دانت کی موجود ہے، جس کے ستون اور کڑیوں میں نام کو کھیں لکڑی کا نہیں وجود ہے۔ شجاعت کے سوائے سخاوت پر جب طبیعت آئی تو ہمت حاتم کی دل سے خلائق کے بھلائی۔ ایک دن میں لاکھ روپیہ سے شریف مکہ کی خدمت گزاری کی اور پانچ لاکھ روپے خرچ کر کے نجف اشرف میں نہر آصفی جاری کی۔ فیاض ایسا کہ جو کوئی سامنے کچھ لے گیا خالی نہیں پھرا ہے۔ بے مبالغہ ہے کہ خاک کی مٹی کو اکثر اسیر کی قیمت میں لیا ہے۔ اس میں کوئی گستاخ اگر اس کی قباحت زبان پر لایا، تو وہیں بے مزہ ہو کر اس سے فرمایا کہ ”اتنی مروت کرنی اس شخص سے ہم نے مدت سے اپنے دل میں تھی ٹھیرائی، یہ چٹکی خاک کی جو اس سے لی یہ مفت میں پائی“ غرض جو کچھ چاہیے سب کمالوں کی جامعیت تھی۔ افسوس یہ ہے کہ فوج اور ملک کی طرف سے غفلت تھی تاہم ان کے ہاتھوں میں اصالتاً ملک کا سر انجام رکھا، آپ فقط سیر اور شکار سے کام رکھا، میسر کوئی لائق اور کام کا نہ پایا، اس واسطے ساتھ عزم کے رتبہ نام کا نہ پایا چھپس برس کل اس مریخ نشین مسند وزارت نے حکمرانی کی اور چین گیتی میں مانند گل خورشید کے محتاجوں پر زرفشانی کی۔ آخر الامر از بسکہ بیچ گلشن دنیا کے بہار اور خزاں آپس میں دست و گریباں ہیں، بیماری سے استسقی کی سلاسلہ بارہ سو بارہ ہجری میں کہ سلطنت کو شاہ عالم بادشاہ غازی کے چالیسواں سن تھا، اٹھائیسویں تاریخ ربیع الاول کی، پہر ڈیڑھ ایک دن رہے حکومت عارضی کو ملک فنا کی چھوڑ کر کارفرمانی اقلیم بقا کی اختیار کی۔ راقم آثم صغیر سن سے ملازموں میں اس آستانہ دولت کے مع رسالہ سرفراز تھا اور افراط غایت اور لطافت سے اس کے ہم چہنچوں میں اپنے مورد امتیاز تھا۔ اس شمع شبستان وزارت کی تاریخ وفات کا شعلہ اس جگر کباب کے گلچن طبع سے یوں آتش فشاں ہوا ہے قطعہ

آصف الدولہ جب جہاں سے گیا اک جہاں بے دل و دماغ ہوا

جامِ عمر اس کا بھرتے ہی لبریز خلق کا عیش کا ایانہ ہوا
 دشمنوں کا دل آتشِ غم سے دوستوں سے زیادہ داغ ہوا
 سالِ تائیں کا خیال کسے خشک شعر و سخن کا باغ ہوا
 بولے یوں دور کر کے پائے عناد

آج گلِ ہند کا چہرہ داغ ہوا
 ۱۲ ۱۳

یہ اشعار اُس عالی جناب کے مشہور ہیں:
 جس گھڑی تیرے آستان سے گئے ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے
 تیرے کوچہ میں نقشِ پا کی طرح ایسے بیٹھے کہ پھر نہ وہاں سے گئے
 سماع کی طرح رفتہ رفتہ ہم سینواک دن کہ جسمِ وہاں سے گئے
 عشق! ہاتھوں سے تیرے کیا کہئے نام سے گزرے اور نشان سے گئے
 ایک دن ہم نے یار سے جو کہا اب تو ہم طاقتِ تو اس سے گئے
 ہنس کے بولا کہ ”سنا ہی اصف
 یوں ہی کہہ کہہ کے لاکھوں یاں سے گئے“

دل ہمارا خانہ اللہ گھر مشہور تھا سو بتوں کے عشق میں اب وہ بھی بت خانہ ہوا
 آباد ملکِ دل وہ یار و کہاں رہے گا جس جایہ درد و غم کانت کارواں رہے گا
 اصف نہ چھٹے عشقِ تباں دل سے ہمارے سو بار اگر پھر بھی بناویں اسے گھر کر
 شوخیِ چشم کی شہرت کو تری سن سن کر شرم سے باغ میں زنگیں نے چھپائیں لگیں
 مرے دل کو زلفوں میں زنجیر کیجو یہ دیوانہ اپنا ہے تدبیر کیجو
 مرے دل نے زلفوں میں مسکن کیا ہے یہ مہماں ہے اے شانہ، تو قیصر کیجو

اے یعنی خلق کے عیش کا ایانہ لبریز ہوا ۱۲

جس جگہ آنسو گرے ہو آبلہ پڑ جائے ہو
پوچھتے کیا ہوشب سہج کی حالت یارو
آصف نہ چھوڑ دست سخاوت کو زنیار
یاں تک داغ محبت نہ لے کھائے ہیں کس
ہزاروں مردے جیتے دیکھے تیرے بات کرنے سے
لب معز بیاں میں تیرے شاید آبِ حواں ہے

۳۔ انجام۔ عمدۃ الملک امیر خاں مترجم نے خاصے اضافے کئے ہیں

لیکن قتل کی تاریخ گلزارِ ابراہیم کے خطوط نمبر ۱۱۵۹ء لکھی ہے
مترجم نے ۱۱۶۹ء لکھی۔ گلزارِ ابراہیم کے خطوط نمبر ۱۱۶۹ء میں تاریخ

چھوڑ دی گئی ہے۔ ۵ سطر شعر (دوق ۱۱۔ ب)

انجام تخلص، عمدۃ الملک خطاب، نواب امیر خاں نام۔ والد ماجدان کے عمدۃ الملک
نواب امیر خاں ہیں، کہ جو عالمگیر علیہ مکان کے عمدۃ سلطنت میں زینت بخش مسند امارت کے
تھے سلسلہ نسب شریف کا اس عالی خاندان کے میر میران نعمت الہی کو، کہ سلاطین صفویہ
کے ساتھ نسبت اور ناتار کتے تھے، پہنچتا ہے۔ بزرگ ان کے ہمیشہ ایران میں صد نشین تھے
محل غزو و قار کے اور ہندوستان میں بھی ہمیشہ انیس و چلیس رہے ہیں سلاطین نادار کے
اس عالی دودمان کو شاہ عالم پناہ محمد شاہ سے ایسی صحبت برآ رہی تھی، کہ رشتہ تھا ان سب
ارکان دولت کو اور ایمان مملکت کو حد تھا۔ لطیفہ گوئی کی طرف طبیعت ان کی نہایت
مصروف تھی اور خوش طبعی سے مزاج بہ شدت مالف۔ گردش حتم کے سمجھنے میں زمانے کے
اُستاد تھے اور شیریں کلامی میں اپنے وقت کے فرہاد۔ موجد ناز و انداز کی تہ داریوں کے،
اور اختراع کرنے والے چتون کی جادو کاریوں کے۔ گانے میں دخل ایسا تھا، کہ
اُستاد اس فن کے دم شاگردی کا مارتے تھے اور نادبیدی کی باتوں میں بڑے بڑے
گیاں ان کے آگے جی ہار تے تھے۔ بادشاہ کو ایسا اپنی طرف معروف کر لیا تھا

کہ ایک دم کی جذباتی ان کی جہاں پناہ کو شاق تھی اور اٹھ پر طبیعت ان کی طرف مشتاق تھی۔ لیکن موافقت در اندازی سے بدگوئیوں کی آخر آخر تبدیل بہ بخارِ خاطر ہوئی اور خود ان جان نہ باطن بلکہ بظاہر ہوئی۔ چنانچہ ۱۱۶۹ء گیارہ سو آنحضرت ہجری میں ایک نمک حرام نے ان ہی نوکروں میں سے انھیں کے عین صحن دولت خانہ میں بادشاہ کے قمر کیا کہ اس روشن زبان کی زندگی کے چراغ کو ایک ہی جھوٹے میں کٹاری کے بجھا دیا، اگرچہ اس نااہل کا بھی اسی جگہ لگ گیا ٹھکانا۔ لیکن انھوں نے نواب امیر خاں کا مارے جانا۔ اکثر اربابِ غم کو گمان تھا کہ یہ اشارہ بادشاہ کا ہے اور امیر جہاں پناہ کا ہے۔ جب اس نمک حرام کی لاش کو اٹھوانے میں بادشاہ نے نہایت کرم فرمایا، پھر تو عوام کو بھی اس گمان کا بے تامل یقین آیا۔

اس عالی طبیعت کو پہیلی اور مکرئی کے کہنے میں مشقِ حد سے زیادہ تھی اور اشعار کی اور ہندی میں بلی چنگی استعداد تھی۔ یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے آئینہ گوشِ صفار و کبار ہیں۔

کیوں بلایا بھیر میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی دخترِ رزبم میں آسِ شرم سے پانی ہوئی
کل محیطِ عشق کے صدیوں سے پانی تھی نجات کشتیِ دل بے طرح کچھ آج طوفانی ہوئی
ہر پر ہی تمثالِ جوں آئینہ رکھتا تھا عزیز ٹوٹتے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی
کیا کبھی انجام میں اس عشق کے آغاز کو دوستداروں کی محبت دشمن جانی ہوئی

پیش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

نیک تو فرصت دے کہ بولیں نصیحت کیا دم مدتوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم
منہ تراکتے ہیں سب اقلیمِ حسن و عشق کے تو ہی بتلا دے کہیں کس سے تری فریاد ہم
دل تو ہے داغِ علامی سے تری طاؤس وار سامنے قمری کے گوہیں سروساں آزاد ہم

اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا عمر مانند شیرِ جب کر چلے برباد ہم
 ساتھ اپنے سر کے تھا انجامِ پاسِ نکنت
 شکر ہی، ترپے نہ زیرِ خنجرِ افلاؤ ہم
 ۳۔ اُمید۔ قزلباش خاں۔ مترجم نے خاصہ اضافہ کیا ہے۔

۴ سطر۔ اشعر (ورق ۱۱۔ ب)

اُمید مخلص، نام اصلی اس معدنِ کمالات کا مرزا محمد رضا ہے۔ رہنے والا ہمدان کا
 ایامِ شباب میں وطن سے غربت اختیار کر کے واردِ اصفہان کا ہوا ہی اور میرزا ظاہر
 سے کہ وحید جن کا مخلص تھا نسبت شاگردی کی درست کر کے کسبِ کمالوں کا کیا ہے
 آخر سلطنت میں خلدِ مکان^۱ کے ہندوستان میں آیا اور اول بادشاہت میں بہادر شاہ
 کے خطابِ قزلباش خاں کے ساتھ رتبہ منصب ہزاری کا پایا، لیکن اس پائے سے
 ہمیشہ اس ایام میں شکوہ مند رہا ہے اور منصب ہزاری کے مضمون کو ایک بیت میں
 اس طرح سے موزوں بھی کیا ہے۔

مثلِ مبل کے ہوں سدا نال یہ مرا منصبِ ہزاری ہے
 محمد معز الدین کے وقت میں کسی خدمت کی تقریب سے برہان پور گیا اور صوبہ داری
 میں امیرالامرا سید حسین علی خاں کی اس خدمت سے بغیر ہو کر حجتہ بنیاد میں حاضر ہوا۔
 اس جگہ تھوڑا سا احوالِ محلِ سید حسین علی خاں کی امیرالامرائی کا اور صوبہ داری
 دکن کی جلوہ فرمائی کا بیان کرنا ضرور ہے، کس واسطے کہ بغیر ہونا قزلباش خاں کا
 بخوبی معلوم ہو گا۔ جب کہ ۱۱۳۰ھ گیارہ سو بیس ہجری میں محمد فتح سیر اور محمد معز الدین
 لڑائی ہوئی، تو ساداتِ بارہ نے کمالِ جانفشانی کی، چنانچہ سید عبداللہ خاں او
 ۱ یعنی اورنگ زیب عالمگیر ۱۲

۱۲ مثلِ مبل ہمیشہ نالام ۱۳ اس بود منصبِ ہزاری ما

سید حسین علی خاں نے مع اپنے بھانجے بھتیجوں اور رفیقوں کے، حسن بیگ خاں صف شکن اور زین الدین خاں بہادر خاں کے بیٹے کو مع ان کے رفیقوں کے، شریک کر کے ہلا جو کیا، تو زنجیر سے توپ خانے کے گھوڑوں کو گداگدا کے مقابل ذوالفقار خاں کے کہ بیٹا اسد خاں وزیر کا تھا، جا پہنچے، اور گود گود کے گھوڑوں پر سے جھبی چاہیے تھی جاں نثاری کی، اور داد مردانگی اور شجاعت کی دی۔ اس میں توہیں بند بھئی گئیں تھیں، باقی فوج سے بھی تن دہی ہوئی۔ حسن بیگ خاں صف شکن اور زین الدین خاں بیٹا بہادر خاں کا، یہ دونوں سردار مع اپنے رفیقوں کے بہادری کا حق ادا کر کے، کام آئے اور سید حسین علی خاں چور ہو کر کھیت میں بیٹھ گئے اتنے زخم اٹھائے، بارے سادات کے سر لڑانے سے پاؤں طرف ثانی تھے اٹھ گئے جو موئے سو موئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد مغز الدین نے اپنی صورت بدل کر راہ دلی کی لی، اور محمد فرخ سیر کو اللہ تعالیٰ نے سادات کی نمک حلائی سے سلطنت عطا کی۔ سید عبداللہ خاں، بھائی کو زخمی کھیت میں چھوڑ کر فوج کا تعاقب کے چلے گئے ہیں اور بادشاہ بعد ایک ہفتہ کے داخل دلی میں ہوئے ہیں۔ اس جانبازی کے عوض میں بادشاہ نے سید عبداللہ خاں کو وزیر اعظم کیا اور قطب الملک یا روفادار سید عبداللہ خاں بہادر ظفر جنگ خطاب دیا۔ اور سید حسین علی خاں کو میر بخش ہونے کے سوا منصب ہفت ہزاری عنایت ہوا اور امیر الامرا سید حسین علی خاں بہادر فیروز جنگ خطاب ملا۔ بعد اس فتح کے جو خدمتیں کہ ان سے ہوئی ہیں اور جو نمک حلائیوں کہ انھوں نے کیں ہیں، مفصل بیان اس کا موجب طول کلام کا ہے اور کچھ متعلق بھی نہیں اس مقام کا ہے۔ غرض توجہ بادشاہ کی از بسکہ ان پر حد سے زیادتی، حاسدوں کو بس یہی عداوت کی بنیاد تھی۔ تھوڑے ہی سے دنوں میں بگڑیوں نے ان کی طرف سے بادشاہ کے دل میں سیکڑوں شبہ ڈال دیے غضب

یہ ہے کہ اس عقل مجتہد نے حاسدوں کے کہنے سے بے تامل مان لئے۔ پھر تو دشمنوں نے تدبیران کے توڑنے کی یہ ٹھیرائی کہ پہلے لازم دونوں بجائیوں میں ڈالنی جدائی۔ اس تقریب امیر الامرا سید حسین علی خاں کے واسطے تجویز صوبہ داری دکن کی ہوئی اور رخصت حضور سے ۱۲۷۰ گیارہ سوتائیں ہجری میں اس مروت کے معدن کی ہوئی۔ ابھی دس کوس بھی دکن کی سمت کو نہیں تھی سواری گئی، کہ ساری دلی پکارتی تھی ”جگ بھوٹا اور زرداری گئی“ قصہ مختصر بعد کتنے دنوں کے اور طے کرنے منزلوں کے جب زبداسے عبور ہوا، تو ایک فوج مالی شان لے کر واسطے لڑائی کے سامنے داؤد خاں ناظم برہان پور ہوا کیوں فرمان بادشاہی معرفت خان دوران خاں کے اس کو آگے ہی پہنچ چکا ہے کہ دفعیہ میں امیر الامرا سید حسین علی خاں کے اگر تجھ سے قصور ہوگا، تو گنگناہ حضور کا ہے۔ سبحان اللہ! یہ داؤد خاں وہی ہے کہ اوائل سلطنت میں محمد فرخ سیر کے امیر الامرا نے اس کی جاں بخشی کر دائی ہے اور احمد آباد گجرات سے اس کو باہر بھجوا کے سند صوبہ داری برہان پور کی حضور سے اس کے نام بھجوائی ہے۔ وہ حق احسان فراموش کر کے جاں بخشی کے عوض میں خواہان جان ہوا۔ چنانچہ ۱۲۷۰ گیارہ سوتائیں ہجری میں گیا رہیں تاریخ رمضان کی، لڑائی کا آراستہ میدان ہوا۔ بعد بہت سی خونریزی اور کشاکشی کے داؤد خاں نے بندوق کی گولی کھائی۔ بسا ہستی کی گنوائی اور امیر الامرا فیروز جنگ نے ساتھ فتح اور فیروزی کے اورنگ آباد میں داخل ہو کر مسند حکومت کی آرائش فرمائی۔ اس حرکت سے کہ برہان پور کے ناظم سے ہوئی تھی، آتے ہی اہل خدمت برہان پور کے سب تغیر کئے۔ اس تقریب فرمایش خاں بھی معزول ہو کر حضور میں حاضر ہوئے۔ ازبک سلیقہ علم مجلس کا اس مجموعہ کلمات کو بہت بڑا تھا اور مزاج دانی میں امرا کے

بہ شدت دخل رکھتا تھا، طرز خدمت اس کی امیر الامرا کو نہایت پسند آئی اور داروغہ کی حکومت کرنا ملک کی واسطے قزلباش خاں کے قرار پائی۔ اس تقریب سے ارکاٹ کو گیا اور ایک مدت بھر وہیں رہا۔ بعد زوال دولت سادات کے، کہ وہ قصہ مشہور ہے اور یہاں کچھ بیان اس کا نہیں ضرور ہے، قزلباش خاں نے رقت مبارز خاں کی کہ ناظم حیدر آباد کا تھا اختیار کی۔

چنانچہ ۱۱۳۴ھ گیارہ سو سینتیس ہجری میں، جب نواب نظام الملک آصف جاہ سے اور مبارز خاں سے میدان میں شکر کھڑی کے کہ سات کوس اور بگ آباد سے بے رطائی ہوئی۔ قزلباش خاں بھی ساتھ تھا۔ مبارز خاں تو ضیاء اہل کا پیغمبر ہوا اور قزلباش خاں دایم ہمتی میں پھنس کر دستگیر ہوئے۔ بعد کئی دن کے ایک غزل نواب کی تعریف میں اور اپنے ہذر تقصیر میں لکھ کر بھجوائی۔ بندش اس غزل کی نواب آصف جاہ کو پسند آئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں پھر تو ایسی موافقت آئی اسی وقت بموجب حکم قید سے نجات ملی اور جاگیر قدیم بدستور سابق بحال ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر تو ایسی موافقت آئی کہ قلعہ داری مہنی مرگ کی نواب نے غایت فرمائی۔ یہ قلعہ ہے علاقہ میں کرناٹک کے، وہاں ہیرے کی کھان تھی۔ چنانچہ کشتنا جو نڈی ہے، اس کے کنارے سے ہیرا نکال کے وہاں تراشتے ہیں۔ چند مدت اس معدن معانی نے ہیرے کی کھان کی داروغہ میں اوقات نہایت آب و تاب سے بسر کی اور اسی عرصہ میں رخصت حج اور زیارت کی لی۔ بعد حاصل کرنے سعادت زیارت کے جو آیا، نواب آصف جاہ کو دیا ہی توجہ اور غایت کے ساتھ پایا۔ جب کہ ۱۱۵۰ھ گیارہ سو پچاس ہجری میں نواب آصف جاہ حضور طلب ہوئے اور شاہ جہان آباد آئے، تو قزلباش خاں بھی ہمراہ رکائے تھے۔ اس میں کچھ شورش مرہٹوں کی تنبیہ کے لئے، مور ہوئے اور قزلباش خاں

اس سفر میں فقط پاس رفاقت کر کے جدا دلی سے مجبور ہوئے۔

میر غلام علی آزاد تخلص، سرو آزاد جو آن کا تذکرہ ہے، اُس میں لکھتے ہیں کہ:

جس ایام میں نواب آصف جاہ کو بھوپال کے سفر کا اتفاق ہوا، تو فقیر بھی عازم حج کا تھا۔ اس قافلے کے پہنچنے کو غنایات الہی سے سمجھ کر چلنا راہ کا اور آترنا نذر کو کا باہم اختیار کیا۔ چنانچہ قزلباش خاں سے ملکر اور متواتر ملاقاتیں اس سفر میں ہوئیں۔ عجیب مجمع کمالات نظر آیا۔ باوصف ولایت زائی کے ہندی راگوں کے گانے اور سمجھنے میں نہایت طبع چست اور فہم درست رکھتا تھا اور خوشش اختلاطی اور رنگین مزاجی میں بھی کوئی مقام اس سے نہیں چھوٹتا تھا۔ یہ لطیفہ اس کی زبانی ہو کر:

”ایک دن میں نے کچھ شکایت زمانے کی نواب ذوالفقار خاں بیٹے نواب اسد خاں وزیر جو تھے اُن کے سامنے کی، سُن کر فرمانے لگے کہ ”سچ ہے دنیا کو اُمید کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔“ میں نے عرض کی کہ ”اگر دنیا کو اُمید کے ساتھ بسر کرتے ہیں تو افسوس ہے کہ آپ مجھ بغیر دنیا کو بسر کرتے ہیں کہ میرا تخلص اُمید ہے۔“ غرض جب نواب آصف جاہ بھوپال میں پہنچے، تو فوج نے مرہٹے کی شہد تیں کیں اور لڑائیاں مکرر ہوئیں۔ اس میں نادر شاہ کے آنے کا غلغلہ ہندوستان کی طرف ہوا۔ نواب آصف جاہ نے اس ایام میں لڑائی کا طول دینا مناسب نہ سمجھ کے، ساتھ دارو مدار کے مصلحتاً صلح کی اور مع قزلباش خاں کے داخل شاہ جان آباد میں ہو گئے۔ آگے نادر شاہ کا آنا اور دلی کا لوٹے جانا، مشہور ہے، یہاں کچھ بیان اس کا نہیں ضرور ہے۔ غرض جب والی ایران کا ایران کو گیا اور شہر میں امن و امان ہوا تو آصف جاہ حضور سے رخصت ہو کر پھر دکن کو سدھارے اور قزلباش خاں نوکری چھوڑ کر کمر کھول کر بیٹھ رہے، دلی کی محبت کے مارے چند روز اور بھی ساتھ عیش و نشاط کے دیکھا جلوہ دم اور قدم کا، آخر ۱۱۵۹ھ گیارہ سو اسیٹھ ہجری میں

سکتے کی بیماری سے لاچار کیا سفر ملک عدم کا۔ قریب آٹھ ہزار بیت کے زبان فارسی میں اس بلند طبع نے فکر کی ہے اور ہندی میں گاہ گاہ بطور اختلاط کے کبھی کوئی غزل کہی ہے۔ یہ اشعار اُس ستودہ اطوار کے ہیں :

بانازِ حور و حسنِ ملک، جلوہٴ پری
بامین کی بیٹی ایک مری آنکھ میں کھڑی
رقم بہ پیشِ دو گنم ”جانمِ ندائے نست“
غصہ کیا، وگالی دیا اور دگر لڑی
ایسی نہ بیٹا اور نہ بھوانی نہ رادھکا
کرتار نے نہ ایسی کوئی دوسری گھڑی
گنم کہ ”تیسرے پانوں پڑم اور یلیم“
گفتا کہ ”ڈاڑھی جار مغل تجھ کو کیا پڑی“
گنم ”امید و صل پہ ہم تیرے جیتا ہوں“
گفتا کہ ”چل پہے دئی مارے بھجے مری“

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے ولہ در و دیوار سے اب صحبت ہے
دل ہمارا اسے کرتا ہے رات غیر سے جو سرِ شب صحبت ہے
درو دل اس سے جو ہم نے کیا ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے
دہر میں پاسِ نفس لازم ہے تیشہ و سنگ یہ سب صحبت ہے

دستِ اغیار ہے زیرِ سرِ یار

آج امید کو ڈھب صحبت ہے

۵۔ آرزو۔ سراج الدین علی خاں۔ مترجم نے خاصہ اضافہ

کیا ہے۔ ۲ ۱/۲ سطر۔ ۴ شعر (ورق ۱۳۔ الف)

آرزو تخلص ہے سراج الدین علی خاں نام، متوطن اکبر آباد کے۔ باپ کی طرف

لے اور تہ گردن میں کرتی کی جائے ”پڑی“ ہے جو ”درِ نظرم افاد“ کا ترجمہ ہے ۱۲

لے کرتار بھی خدا ۱۲ لے یعنی ریش سوختہ ۱۳ لے یعنی کدھب ۱۴

سلسلہ اس بزرگوار کا شیخ کمال الدین، جاننے سے شیخ نصیر الدین کے، کہ چراغِ دہلوی جن کا لقب تھا، ملتا ہے اور ماں کی طرف سے شیخ فرید الدین عطار ریشا پوری کو کہتا تھا۔ چھوٹی عمر سے طبیعت اس بزرگ زادے کی پڑھنے لکھنے کی طرف مصروف تھی۔ چنانچہ چودھویں برس شعر کہنا شروع کیا اور چوبیس برس کی عمر تک جتنی کتابیں درسی اور ضروری تھیں پڑھ چکا، فاضلوں سے عصر کے جس قدر کفائدہ چاہئے تھا اٹھایا اور مرتبہ کو استعداد کے نہایت بلندی کو پہنچایا۔ بعد تحصیل علم کے بادشاہی منصب داروں میں داخل ہو کر وطن سے دور ہوا، یعنی اوائل سلطنت میں محمد فوج سیر کی گوالیر کی خدمت میں سے ایک خدمت کے ساتھ مامور ہوا۔ سالہ گیارہ سو تیس ہجری تھی کہ دار الخلافۃ ہندوستان میں آیا، اور زور شور شاعری کا زباں دانوں کو وہاں کے دکھایا۔

چنانچہ سالہ گیارہ سو سینتالیس ہجری میں کہ شیخ محمد علی حزیں علیہ الرحمۃ ایرانی سے شاہ جہان آباد میں تشریف لائے تو اس گمانہ روزگار کی ملاقات کو شاہ و گدا سب آئے۔ سراج الدین علی خاں سے جس قدر اخلاق کہ مناسب اُن کے حال کے پایا شیخ نے ادا فرمایا۔ لیکن اس بزرگ زادے نے نسبت غرور کی شیخ کی طرف منسوب کی اور ناحق اپنی طبیعت اُن سے محبوب کی۔ آزرده خاطر وہاں سے گھر آئے اور دیوانِ شیخ کا دیکھ کر بہت سے شعر تقسیم ٹھہرائے۔ چنانچہ وہ سب اعتراض جمع کر کے ایک رسالہ لکھا ہے اور نام اُس کا ”بتہ الغافلین“ رکھا ہے۔ عوالم کی طبیعت تو ان اعتراضوں سے الجھنے تشویش میں پڑتی ہے، نہیں تو صاف نزاع معلوم ہوتی ہے، جب باریک بینی کی نگاہ اُس سے جا لڑتی ہے۔ غرض شاعر زبردست اور صاحب استعداد تھا، اکثر شہنوں میں سے مضمون کرتا ایجاد تھا۔ لطیفہ گوئی اور ظرافت میں بہ شدت مشاق

ملہ مولوی امام بخش مہبائی نے ایک رسالہ ”قول فیصل“ نام لکھا ہے، جس میں خان آرزو کے اکثر اعتراضات کے جواب دیئے ہیں ۱۲

خوش طبعی اور رنگین مزاجی میں شہرہ آفاق تھا۔ اگرچہ سررشتہ ملاقات کا ان کو ایک جہان سے تھا، لیکن تو سب امور و دنیا میں نواب اسحق خاں سے تھا۔ بعد خراب ہونے شاہ جہاں آباد کے نواب سالار جنگ کے ایما سے لکھنؤ میں آئے، لیکن فلک نیرنگ باز نے نیرنگی ہی کے رنگ دکھائے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وصال ہوا ہے اور لاش کو ان کی، بموجب ان کی وصیت کے نواب سالار جنگ نے بعد سپردگی شاہ جہان آباد کو بھجوا دیا ہے۔ بہت سی کتابیں اس مامر فنون تالیف کی ہیں۔ اتنی تو نگاہ سے راقم عاصی کے بھی گزری ہیں :- فن معانی میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ نام اُس کا ”موبتِ عظمیٰ“ ہے اور فن بیان میں ایک رسالہ اس کی تصنیف سے مشہور ”عطیۃ کبریٰ“ ہے اور ایک فرہنگ لکھی ہے، نام اس کا ”سراج اللغات“ ہے بطور برہن قاض کے اور سوائے اس کے حال کی اصطلاحات میں ایک نسخہ تالیف کیا ہے کہ مشہور ہے ”چراغ ہدایت“ کہ کے شرح اسکندر نامہ کی اور قصائد عربی کی لکھی ہے اور گلستان کی شرح کہ نام اُس کا ”غیا بان“ ہے، تالیف کی ہے۔ ایک تذکرہ فارسی گوئیوں کا نہایت لطیفوں کے ساتھ لکھا ہے۔ سوائے اس کے اور بھی بہت کچھ تحریر کیا ہے۔

۱۶۹۷ء گیارہ سو اتر ہجری میں اس فراغ پڑھنے والے مدرسہ زندگی کے نے کتاب ہستی کو گردان کے استاد اجل سے درس فنا کا پڑھا۔ قریب تیس ہزار بیت کے زبان فارسی میں اس کو کہنے کا اتفاق ہوا ہے اور ریختہ کا قصہ گاہ گاہ بطریق تفسیر کے کیا کہ یہ اشعار ہندی طبع زاد اس کے مشہور ہیں:

میانہ بیچ جا کر شیشے تمام توڑے زاہد نے آج اپنے دل کے پھوٹے پھوڑے
جان کچھ تجھ پر اعتماد نہیں دلہ زندگانی کا کیا بھروسا ہے
آتا ہے صبح اٹھ کر تیسری برابر ہی کو کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشیدِ قادری کو
دل مارنے کا نسخہ پہنا ہے عاشقوں تک کیا کوئی جانتا ہے اس کیمیاگری کو

یہ رسالہ چھپ گیا ہے ۱۱۵۷ھ اس تذکرے کا نام ”مجھ انفاس“ ہے ۱۱

اس تہذو صنم سے ملنے لگا ہے جب ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو
اپنی فسون گری سے اب ہم تو ہار بیٹھے ۔ باو صبا یہ کہنا اُس دل ربا پری کو
”اب خواب میں ہم اُس کی صورت کو پس ترستے
لے آرزو ہوا کیا بختوں کی یاد دہی کو“

فلک نے رنج تیر آہ سے میرے زبس کھینچا دلہ لبوں تک دل سے شب نالے کو میں نے غم میں کھینچا
مرے شمعِ خرابانی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو بہارِ حسن کو دی اب اُس نے جب چرس کھینچا
رہا جوشِ بہار اس فصل گر یوں ہی تو لبوں نے چین میں دستِ گلچیں سے عجب رنج اس میں کھینچا
کہا یوں صاحبِ محل نے سن کر سوزِ محزون کا ”تکلف کیا جو نالہ بے اثر مثلِ چرس کھینچا“

نراکت رشتہ الفت کی دیکھو بائیں دشمن کی

خبردار آرزو ملک گرم گرتا نفس کھینچا

۶۔ استیاق - ولی اللہ سرہندی - گلشنِ ہند میں ترتیب بدلی ہوئی

ہی۔ گلزارِ ابراہیم کے دونوں مخطوطوں میں حسب ذیل جملے
ہیں جس کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ مترجم نے اپنی طرف سے
خاصی ہجو کی ہے :- (دوق ۱۲ - الف)

”استیاق مخلص - سرہندی - ہمش ولی اللہ از سلسلہ
مجدد الف ثانی ست۔ وجہش شاہ محمد ممل و در کوٹہ فروز شاہ
می ماند و در ویشاہ می زلیست - کمتر شعر فارسی و بیشتر شعر ہندی
می گفت - از دست ”گل“ شعر نقل کئے ہیں جو گلشنِ ہند کے
شعروں میں سب سے آخر ہیں -

استیاق مخلص - شاہ ولی اللہ نام، متوطن سرہند کے - اس رونی بخشِ دین احمدی کا مخطوطہ

ارادت شیخ احمد کو، کہ مجدد الف ثانی جن کا لقب تھا، پہنچا ہے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے

شاہ محمد گل کو جبران کا لکھا ہے، لیکن راقم حقیقہ کے گوش زد یہ مضمون نہیں ہوا ہے۔
 فی الحقیقت مرتبہ علم کا اس عالی جناب کے نہایت بلند تھا خصوصاً علم حدیث اور تفسیر میں بہت
 بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اسم گرامی اس برگزیدہ روزگار کا زبانِ خالق پر آج کے
 دن تک شاہ ولی اللہ محدث کر کے جاری ہے۔ اکثر کتابیں تصنیف اس بحر علم کی مشہور ہیں چنانچہ
 دو نسخے کہ ایک کا نام قرۃ العین فی ابطال شہادۃ یحسین ہے اور دوسرے کا نام
 ”جنت العالیہ فی مناقب المعاولیہ“ کہتے ہیں۔ تصنیفات سے اس محی الدین کی یادگار صفحہ
 روزگار پر ہیں والد ماجد ہیں یہ اس رونق بخش کثور قناعت کے، کہ جس کا نام نامی مولوی
 عبدالغزیز ہے۔ آج کے دن تک قدم توکل گاڑے ہوئے شاہ جہان آباد میں بیٹھے، باوصفیکہ
 تفضیل صین خاں مرحوم نے موجب ایما صاحبانِ عالی شان کے مدرسہ قدیم کی مدرسہ کے
 واسطے تحریک اس مرکز دائرۂ قناعت کی چاہی، لیکن اس قطب آسمان ملت و دین نے مطلقاً
 حرکت جڑ سے نہ فرمائی۔ اس فاروقِ زمان کی بھی تالیف سے ایک کتاب ہے، کہ نام اس کا
 ”تحفۃ اثنا عشریہ“ ہے اور دوسرا نام ”ردہ و افض“ شاید کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے
 دیکھنے سے اس کتاب کے استدعا و اس بزرگ زادے کی معلوم ہوتی ہے کہ کیا دریا فصاحت
 کا بہایا ہے کیوں نہ ہو۔ آخر کیسے باپ کا بیٹا ہے۔ فی الواقعہ کہ عالی مقداروں کے عالی مقدار
 ہی ہوتے ہیں اور نابکاروں کے نابکار، بقول ایک شاعر کے۔

شیر کے بچے میں غرش شیر سے افزود ہے
 بھونک میں کتے کی ہٹی کی سگی موجود ہے

لے دونوں نام غلط ہیں۔ پہلی کتاب تفضیل یحسین میں ہے۔ شہادت امام حسین علیہ السلام کی ابطال سے خدا نخواستہ
 اس کو کوئی تعلق نہیں اور دوسری کتاب تو باطل فرضی ہے۔ معاویہ کے مناقب میں ان کی کوئی کتاب نہیں ۱۲
 شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالغزیز صاحب دونوں کی مصنف نے جھوٹے کی ہے اور اس
 شعر نے تو صاف پردہ اٹھا دیا ہے ۱۲

الغرض وہ جامع جمیع علوم یعنی شاہ ولی اللہ مرحوم میں حیات میں اپنی کوتاہی میں فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے۔ اوقات شریف کو بطور درویشان اہل معنی کے بسر کرتے تھے۔ اشعار فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمتر ہوتا تھا اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر یہ اشعار خلاصہ انکار اُس حقیقت آگاہ کے ہیں:

خیال دل کو ہے اُس گل سے آشنائی کا نہیں صبا کو ہے دعویٰ جہاں سائی کا
کیس وہ کثرت عشاق سے گھنٹہ میں آ ڈروں ہوں میں کہ نہ دعویٰ کرے فدائی کا
مجھے تو دھوکے تھا زاہد پر اک نگاہ سے آج غور کیا ہوا وہ تیسری پار سائی کا
جہاں میں دل نہ لگانے کا یوں پھر کوئی نام بیاں کروں میں اگر تیری بے وفائی کا
نہ چھوڑا مار بھی کھا کر گزر گلی کا تیری رقیب کو مرے دعویٰ ہے بے حیائی کا
نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی غور ہے جنہیں در کی تری گدائی کا
جہاں سے مت اشتیاق پھر کے منہ

خیال کچھ کیس اور جہہ سائی کا

طرکوں کے پتھروں سے لگے کیونکہ اُس کو چوڑ ہر ایک گرد باد ہے مجنوں کو دھول کوٹ
جوڑ کر تجھ کو ہمیں غیر سے جو لاگ لگی نہیں مندی یہ ترے تلووں سے ہوا لگی
دوبالا ہو کے مخموری عبث آنکھوں کو ملتا ہے پیالہ اور بھی پی پی سخن یہ دور چلتا ہے

۷۔ آبرو - شاہ نجم الدین - مترجم نے حالات میں اضافہ نہیں کیا

نمونہ کلام میں کیا ہے - ۳ سطر ۳۴ شعر

(ورق ۱۲، ۱۳ - الف ب)

آبرو تخلص، شاہ نجم الدین نام، ساکن شاہ جہان آباد۔ اولاد میں شیخ محمد غوث گوآلیری کے تھے۔ سراج الدین علی خاں آرزو کے رشتہ داران قریب میں اور صاحب دیوان تھے

۱۵ یعنی لعلہ دیتا تھا ۱۱

زبان ریختہ کے ترکیب میں بیشتر اشعار انھوں نے ابہام کے کسے ہیں، یعنی اکثر وہ الفاظ شعر میں لائے ہیں کہ جن لفظوں کے دو معنی ہیں۔ اگرچہ بامعنی یا لایعنی۔ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے عہد سلطنت میں انھوں نے جہان فانی سے رحلت کی ہے۔ ان شعروں نے آبرو ان کو دی ہے ۵

خوب رویوں کے ہوا حق میں یہ تب کرنا دوا
تیرگی جاتی رہی چہرے کی اور اچھی صفا
کیا سبب تیرے بدن کے گرم ہونے کا سجن
عاشقوں میں کون جلتا تھا گلے گلے کے لگا
تو گلے گلے کے لگی لیکن کسی بے رحم نے
گرم دیکھا ہوگا تجھ کو بیچ میں آنکھوں کے لا
آہ سرد اور چشم تر عاشق کی سی دوسواں کر
بدست ہر مختلف جس وقت ہوا آب و ہوا
دل مرا تو نیک کر تو لے کے اپنے پاس رکھ
تو طفیل حضرت عاشق تجھے ہو دے شفا
ترش روئی چھوڑ دے اور تلخ گوئی ترک کر
اور کھانا جو کہ ہو خوش کا تری ہو کر غذا

بوسلی ہے نصف دانی میں تباہ کے آبرو

کیوں نہ ہو دے عاشق میں اس کا نسخہ کیا

بوسہ لبوں کا دینے کہا کہیہ کے پھر گیا
پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ ”نہ جاؤں گا اس گلی“

ہو کر کبے قرار دیکھو آج پھر گیا

وعدے تھے سب خلاف جو اس لیے ہم سستی دلہ
یہ سبزہ اور ہے آپ رواں اور ابر ہے گہرا دلہ
کیا نعل قیمتی دیکھو جھوٹا نعل گیا
دوانا نہیں کہ میں گھر میں رہوں گا چھوڑ کر صرا

۱۵ ”خوش کا تری“ یعنی ”تیری مرضی کا“ ”خشک کا ابہام بھی مقصود ہے“

۱۶ ”دیکھو“ کو ”دکھو“ بڑھنا چاہئے۔ ورنہ مصرعہ ناموزوں ہوگا ۱۶

۱۷ ”نہیں“ کو ”نہ“ کے لہجہ میں پڑھنا چاہئے ۱۷

چو پڑ کے کھیلنے کا سارا یہ ہے خلاصہ
 شاید کچھ وہ سر کا بیٹھ ہمارے پاس آ
 تم اور گلوں سے اب آنکھ جو لگائے
 بادام کو پیارے پھولوں کے بیج باسا
 پی کر شراب جو تم ہم کو ڈراوتے ہو
 کیا شوق کو ہمارے جانا ہے اور کا سا
 جھٹ آماں رقیبوں کو گویا مار دیا
 ولہ یار نے اپنے گلے کا مجھے جب ہار دیا
 بے کھ کوئی اس طرح کے لالچی کو کب تک بھلا
 چلی جاتی ہے فوایش کبھی یہ لاکھی وہ لا
 میرے پیارے سے قاصد اپنے دل کی بات جانا
 ولہ کہ جانے سے تمہارے جان کو مشکل سی رہنا
 نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیو
 کہ اس کو بد نما لگتا ہے جیسے چاند کو گھٹنا
 مسج اوپر غیر کے رہتا ہے اب لوٹا ہوا
 ولہ زر کے لالچ اس قدر وہ سیم تن کھوٹا ہوا
 جو لونڈا نام سن امر پرستی کا چرٹے چوٹے
 میں اس کو پیچھے باتوں میں لگ جاتا ہوں
 عاشقوں میں جس کسی کا یار ہو راضی مرا
 وہ مراد دشمن ہے لیکن چاہتا ہی جی مرا
 جس طرح سے لے نامہ بر آیا ہے چلا جا
 جا کر کے یہ کہہ کل نہیں آیا ہے تو آ جا
 فرہاد کا دل کوہ کوئے کا بھرا پیالہ ہوا
 کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیسا ہوگی
 زندگی ہے سراپ کی سی طرح
 کون چاہے گا گھر سے تجھ کو
 آبرو کے قتل کو حاضر ہوا کہیں کو کمر
 جس وقت زخم تیرا لگتا ہے غیر کے تیس
 دھمکاوتے ہو ہم کو کمر باندھ باندھ کر
 کھوئے ابھی تو جائے میاں کا نکل بھرم

۱۱ یعنی چو پڑ کھیلنے سے سارا مقصد یہ ہے کہ ۱۲ ۱۵ قدام "کوئی" کو "کئی" کے لہجہ میں ادا

کرتے تھے۔ یہاں بھی اسی طرح پڑھنا چاہئے در نہ مصرعہ ناموزوں ہو گا ۱۷ اس شعر سے
 اس زمانے کی اخلاقی حالت ظاہر ہوتی ہے ۱۲

کن نے آباغ میں حیران کیا نرگس کو — نہیں معلوم کہ یہ دیکھ رہی ہے کس کو
 کہتا ہوں میں پتھر، سنو کان دھرجن — جو اور سے لوگے تو دیکھو گے ہم نہیں
 ہرگز ترے لبوں کی سرخی کے نہیں پہنچیں — ہر چند سعی کر کر یا قوت واصل مر جائیں
 اک عرض سب سے چھپ کر کرنی ہی ہم کو تو — رضی ہو گر کہو تو خلوت میں آ کے کر جائیں
 نلک چلنا بجن کا بھوتا مجھ کو نہیں اب تک — طرح وہ پاؤں رکھنے کی مر می نگہوں میں پرتی
 زلف کے عقدے کھلے اب اور بھی مشکل ہوئی — دل کے اوپر یہ نئے سے بلانا زل ہوئی
 میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر سے — کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے
 دل کب آوارگی کو بھولا — خاک گر ہو گیا بگولا ہے

پھرتے ہی پھرتے دشت دیوانے کدھر گئے — دے عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے
 مرگاں تو تیز تر ہے ولیکن جگر کہاں — ترکش تو ہیں بھرے یہ نشانے کدھر گئے
 نازک تنی پاتے مغرور ہو رہے ہو — موسیٰ کمر نہیں تو فرعون کر رکھا ہے
 اٹھ چیت کیوں جنوں سستی خاطر بخت کی — آئی بہار تجھ کو خبر ہے بسنت کی

۸۔ افضل - محمد افضل - از قدامت برگویاں نامی عشق و رزیدہ

حسب حال خود بارہ ماسہ مشہور بیکیٹھ کمانی منظوم نمودہ

ایں بیت از انجاست :- (درق - ۱۳ - ب)

مسافر سے جنھوں میں دل لگایا — انھوں نے سب جنم روتے گنویا
 ۹۔ احمد - گجراتی معاصر ولی دکھنی بود - ہمارت بزبان سنسن کرت و

بھا کا داشت دگا ہے رنجیتہ نیز می گفت - از دوست :- (درق - ۱۳ - ب)

احمد بتائیں کیا کروں اب عاشق میں — سر پر تو سا بچہ پر لگی اور پاؤں تھک گئے

۱۰۔ یہ شعر ادنیٰ تیرجرائت کی طرف منسوب ہے

- ۱۰۔ **امجد** - از قیامت - احواش بنظر نیامده از دست (دوق ۳۰ ب)
 سننا تھا جسے کعبہ بت خانہ میں آخر امجد میں اُسی حضرت انسان میں دیکھا
 ۱۱۔ **انصاف** - احواش معلوم نیست - بعد محمد شاہ فردوس آرام گاہ بود

از دست (دوق ۱۳۰ ب)

- واقف تھے ہم کہ عشق کے شیو میں جس میں پر کیا کریں کہ دیدہ و دل اپنے بس نہیں
 ۱۲۔ **اشرف** - معاصر شاہ نجم الدین آبرو بود از دست (دوق ۱۴۰ ا)
 پی پل میں نیم خواب ہوا در بثر وی کیاں اس غم سے خاک عاشقاں سیوں پڑا یاں
 ۱۳۔ **اشرف** - اسمش محمد اشرف از موزونانِ عمد شاہ عالم بادشاہ است
 نظمے موسوم بہ بٹیر نامہ بوسے منسوب است (دوق ۱۴۰ ا)
 آبیٹہ تو دو باتیں کریں تم سے میاں ہم پھر دیکھے ایک دم میں کہاں تم ہو کہاں ہم
 ۱۴۔ **آزاد** - اسمش خواجہ زین العابدین - در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ

بود - از دست (دوق ۱۴۰ الف)

- جہی پس نے چھوڑی شعلہ آواز کی چنگی تیمی گلشن میں سائے جل آٹھے گل او کنول دھے
 ۱۵۔ **آزاد** - اسمش میر مظفر علی - راقم حقیر میرزا کوہ راکر در مرشد آباد
 دیدہ - در ہنگامیکہ برزاکت کبیرے عاشق و منازعہ با پناہ گیم
 داشت یعالمہ او مرجع با فقیر بود از دست (دوق ۱۴۰ ا)

پوچھتے کیا ہو کہ بیدار کروں یا نہ کروں یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں
 وعدہ وصل تو کرتے ہو دے سچ کیسو دل کو اس وعدہ سے میں شاکر دوں یا نہ کروں
 خانہ یک دم کے لئے یس یہ پانہد جاب متحرموں کہ بنیاد کروں یا نہ کروں

۱۴- افصح - اسمش شاہ فصیح - از تلامذہ مرزا امید بود - عمرے درانہ یافتہ بحال درویشی در لکھنؤ تکیہ ساختہ می گزرا نید - بہ سال یک ہزار و یک صد و نو دو دو انتقال نمود شعور فارسی و ریختہ می گفت و مشہور بہ شاہ فصیح بود - از دوست -
(درق ۱۲، ۱۳ ب)

کریا دیجھے جدھر گئے ہم ہمتو نہ رہے کدھر گئے ہم
زاہد سوئے کعبہ ہم سوئے دیر _____ ایدھر نہ گئے اودھر گئے ہم
جب ہوئے تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں
زندگانی بھی کہاں ہو سکے دن بھرتے ہیں
کیا بلا شوخ کی قاست دیکھی ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی
۱۵- آنکھی - دہلوی، اسمش خواجہ برہان الدین از مشاہیر مرثیہ گوین
دہلی ست و ریختہ بشیوہ قدما ہی گفت - اس چند بیت از میر جی
خلف خواجہ مذکور بہ دست آمدہ از دوست : (درق ۱۲، ۱۳ ب)

میں وہ بلبل ہوں جو صیاو کے گھر بیچ پیدا ہوا
جہاں میں آنکھ جوں کھولی تھیں ہی آشیان دیکھا
اس طرح شوخ کی فرگاں ہیں میرے دل میں جیسی
جیوں کہ ترکش میں ہو میں تیوں کا پر کیاں کجا
چمن کے تخت اور جب شہ گل کا محل تھا _____ ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہیں جز خار گلشن میں
بتاتا باغبان رو رو بیان غنچہ یہاں گل تھا

صاف دل ہوتا بہت دشواری آئینہ بھی عکس سے خالی نہیں
تمہارے سیتلا کے داغ پیار کے عجب ہی چاند میں نکلے ہیں تارے
۱۸۔ انسان۔ دہلوی، نامش اسدیار خاں معروف بہ میر جگنو،
خلف لطف علی مرحوم۔ از نیکن روزگار ہنسلا کان سرکار
احمد شاہ بادشاہ بود۔ بیشتر بمرثیہ گفتن رغبت دارد
از دوست :- (سبق ۱۲ ب)

زمین و آسمان اور مہر و مہ سب تجھ میں ہے ان
نظر بھر دیکھ مشیتِ خاک میں کیا کیا چمکا ہے (؟)
۱۹۔ احسن۔ نامش احسن اللہ، معاصر آبر و بود۔ بطریز او گفتگوی کرد
بوار سنگی و حسن پرستی القاف داشت از دوست : (۱۵۔ ل)
کھول کر بند قبا کون ملکِ دل غارت گیا کیا حصارِ قلبِ دل نہیں کھلے بندوں لیا
یہی مضمون خط ہے احسن اللہ کہ حسن خویاں عارضی ہے
۲۰۔ احسن۔ میرزا احسن علی۔ مترجم نے اضافہ کیا ہے۔ ۳ سطر شعر
(۱۵۔ ل)

احسن تخلص، میرزا احسن نام، جوان نیک خصلت ہے۔ ابتدا میں میر رضا سے اتفاق
اصلاح کا ان کو ہوا ہے۔ بعد اس کے میرزا محمد رفیع سودا سے مشورہ سخن کا کیا ہے ریختہ

۱۴- افسح - اسمش شاہ فصیح - از تلامذہ مرزا بیدل بود - عمرے دراز
یافتہ بحال دروشی در گھنؤ تکیہ ماختہ می گزرائند - پسال
یک ہزار و یک صد و نو دو دو انتقال نمود شعفا رسی و
رنجہ می گفت و مشہور بہ شاہ فصیح بود - از دست ۱-

(درق ۱۲ ب)

کریا دیجھے جدھر گئے ہم ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
زادہ سوئے کجہم سوئے دیر _____ ایدھر نہ گئے اودھر گئے ہم
جب ہوئے تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں
زندگانی بھی کہاں ہو سکے دن بھرتے ہیں

۱۵- آنکھی - دہلوی، اسمش خواجہ برہان الدین از مشاہیر مشیہ گویان
دہلی ست ورنجہ بشوہ قدما می گفت - اس چند بیت از میراجی

خلف خواجہ مذکور بہ ست آمدہ از دست : (درق ۱۲ ب)

میں وہ بلبل ہوں جو صیاو کے گھر بیچ پیدا ہوا
جہاں میں تاکمے جوں کھولی تھیں ہی آشیان دکھیا
اس طرح شوخ کی فرگاں ہیں میرے دل میں چھپی

جیوں کہ ترکش میں ہوئیں تیغوں کا پیکان کجا
چمن کے تحت اوپر جب شہل کا بھل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور مچا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہیں جز خفا گلشن میں
بتاتا باغبانِ دور و یہاں غنچہ یہاں گل تھا

صاف دل ہونا بہت دشواری آئینہ بھی عکس سے خالی نہیں
تمہارے سیتلے کے داغ پیار کے عجب ہی چاند میں نکلے ہیں تارے
۱۸۔ انسان۔ دہلوی، نامش اسدیار خاں معروف بہ میر جنگنوں،
خلف لطف علی مرحوم۔ از نیلکان روزگار ہندوستان سرکار
احمد شاہ بادشاہ بود۔ بیشتر بمرتہ گفتن رغبت دارد
از دوست :- (مقت ۱۲ ب)

زمین و آسمان اور مہر و مہ سب تجھ میں ہے انسان
نظر بھر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا چمکا ہے (۹)
۱۹۔ احسن۔ نامش احسن اللہ، معاصر آبرو بود۔ بطریز او گفتگوی کرد
بوارستگی و حسن پرستی اقصاف داشت از دوست : (۱۵-۱)
کھول کر بند بجا کون ملکِ دل غارت کیا کیا حصارِ قلبِ دلبریں کھلے بندوں لیا
یہی مضمون خط ہے احسن اللہ کہ حسنِ خوبرویاں عارضی ہے
۲۰۔ احسن۔ میرزا احسن علی۔ مترجم نے اضافہ کیا ہے۔ ۳۳ سطر ۱۲ شعر
(۱۵-۱)

احسن تخلص، میرزا احسن نام، جوان نیکِ خصلت ہے۔ ابتدا میں میر رضا سے اتفاق
اصلاح کا ان کو ہوا ہے۔ بعد اس کے میرزا محمد رفیع سودا سے مشورہ سخن کا کیا ہے رنجیہ

ان کا خالی کیفیت سے نہیں ہے، اور بندش شعر کی صاف اور شیریں ہے۔ فی الجملہ غربت بھی رکھتے ہیں اور استعلاقی وغیرہ اکثر اکثر خطوط بھلے چنگے لکھتے ہیں۔ ابتدا میں وزیر الممالک نواب سراج الدولہ مرحوم کی سرکار میں سررشتہ ملازمت کا رکھتے تھے۔ بالفصل ۱۲۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں ایک مدت سے نواب سرسرازا الدولہ میرزا احسن رضا خاں بہادر کی رفاقت میں ایام زندگانی کے بسر کرتے ہیں۔ لکھنؤ میں بود و باش ہی اور یہ ان کا منتخب تلاش ہے۔

ہجر میں کیوں کرنے ہووے آہ وزاری بیشتر
ہے قوار اس دل میں کم اور بیکاری بیشتر
کیوں تفکر دین و دنیا دل ہمارا بھول جائے
یاد رہتی ہے ہمیں پیارے تمھاری بیشتر
بیشتر تھی ہم کو اس سے دوستی اک طرح کی
اب تو بتلاوے ہی تلوار و کٹاری بیشتر
رو نہ ہجراں ہی میں تنہا کچھ نہیں روتے ہیں ہم
وہل کی راتیں کٹیں یوں ہی ہماری بیشتر
بن کے خاک اب اس کے کوچے سے بھلا کیونکر اٹھے
ہے مزاج اپنے میں احسن خاکساری بیشتر

نہ نالہ ہے دل میں، نہ آہ و حزن ہے
کوئی دم ہے یاں، سودم واپس ہے
گئے دن جو آنکھوں سے بہتے تھے دریا
ادھر دیکھ لو، خشک اب آتش ہے
گیا دل جو کچھ میں چین جبین کے
نہ پھر وہاں سے نکلا، محب سرز میں ہے
قدم رکھ نہ اپنا مرے دل سے باہر
کہا مان میرا، یہ گھر دل نشین ہے
نہ کھینچ آسمان پر سر اپنا تو احسن
سمجھ آخر شش سہا مدفن زمیں ہے

یارو وہ صنم کیوں نہ کرے کام خدا کا
رام اس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
سر اپنے کو جیوں نے گئے ہم اس کے قدم تک
پہنچا دیا ٹھوکر میں وہیں ملک عدم تک
سجدہ مگر ہی خاک احسن اب تو سائے خلق کی
جان دی تھی اس نے کس کی حسرت پاؤں میں

دل ہو دیدار سے مایوس تو سرور نہ ہو چشم میں روشنی طور سے بھی نور نہ ہو
 بزم میں اُس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہ ہو
 ہے مجھ میں رقی، دیدہ تجھے تا نگراں ہے جیوں شمع مرا تا رنگہ رشتہ جاں ہے
 محروم ہم ہوں، محرم اسرار ہو کوئی خلوت میں ہو کوئی، پس دیوار ہو کوئی
 راتوں کو اُس کے کوچہ میں جاتا تو ہوں و دھڑکے ہر دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی
 پہنچی جس وقت مجھے اس کی خبر آنے کی سدہ رہی مجھ کو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی
 تم تو دل مانگو ہواں جان تلکٹا فر ہے بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمانے کی
 ۲۱- آشنا - دہلوی امین میرزین العابدین - معاصر و معاشر

سراج الدین علی خاں آرزو بود از دوست (۱۵-ب)
 گرم سے دیوانوں کو تم آزاد کرو گے، دیرانے میاں کتنے ہی آباد کرو گے
 ۲۲- آشنا - وردیشہ بود - احشاش معلوم نیست - از دوست
 (۱۵-ب)

کبھو تو مہرباں ہو ہم یہ اے بت کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے
 ۲۳- الہام - نامش فضائل بیگ - از ملائذہ شاہ عبدالولی غزلت ہوئی
 بعد احمد شاہ بن محمد شاہ مرحوم بود از دوست (۱۵-ب)
 اے عندلیب جا کے چین میں کرے گی کیا
 بادِ خزاں سے سب گل و گلزار جھڑ گئے
 (اس شاعر کا ذکر اس مخطوط میں حاشیہ پر کیا گیا ہے لیکن دوسرے مخطوط میں
 متن ہی میں سلسلہ کے ساتھ ہے (مرتب))

۲۴- الہام - شرف الدین - مترجم نے اضافہ کیا ہے - ۳۰ سطر - شعر (۱۵-ب)
 الہام تخلص شیخ شرف الدین نام لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے ہیں صفر سن سے دیکھا ہوا

ان کو اسباب دنیا سے قانع نہ کیا چادریں اور سرو پا برہنہ بیٹھے رہتے خاک پر ہیں۔ زرد گولی
کی مشق اس مرد کو حد سے افزود ہے یہاں تک کہ مصرع نہیں لکھا جا چکا کہ دوسرا موجود ہے
اسی طرح سو سو بیت تک ایک دریا جو خش مانتا چلا جاتا ہے لیکن اس زرد گولی کے باعث سے
اکثر کلام ان کا گفتگو میں بھی آتا ہے۔ دودیلان فارسی زبان میں رکھتے ہیں اور ہندی میں بھی اکثر
کچھ کہہ کتے ہیں۔ آگے لوں تخلص کرتے تھے۔ اب تخلص الہام ہے۔ بیشتر اہل لکھنؤ کو شاگردی کے
سوائے ان سے اعتقاد تمام ہے۔ یہ غزل ان کی جو لکھی جاتی ہے، البتہ ایک عالم کو اضطراب
دکھاتی ہے۔

دیکھا نہ ہو جس نے کبھو سیما کا عالم آدیکھے وہ میرے دل بیتاب کا عالم
ابر قرہ ناصحوں کی ضد سے تو یک بار سب ارض و سما آوے نظر آب کا عالم
یا قوت کی رنگت پہ کبھی آنکھ نہ جائے دکھلاؤں اگر حشمت کے خوناب کا عالم
کل پر تو حسنِ سرخِ دلدار کے آگے پھیکا نظر آیا ہمیں مہتاب کا عالم

مانی ترا و اللہ ہو بندا

کھینچے تو اگر دل کے تپ تاب کا عالم
اری بکسی تیرے قربان ہوں برے وقت میں ایک تورہ لکھی
۲۵۔ آگاہ۔ دہلوی نامش محمد صلاح۔ بہ عہد محمد شاہ فردوس آرام گاہ۔
در دہلی می گزرا نید۔ از دست ۵ (۱۵) ب

پیری میں کر دوں سیر جہاں کا تو بجائے
دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گزری کا
۲۶۔ آگاہ۔ اسمش نور خاں۔ جو انے ست قصہ خوان نسبت شاگردی
در فن قصہ خوانی بامیر احمد قصہ خوان مشہور و در شعر بامیر ضیاء الدین

۱۵۔ عمل نسخ میں سادہ جگہ چوڑی ہے غالباً ”یہ الہام“ کا لفظ تھا ۱۲

ضیاء دارد از دوست - (۱۶-۱)
 حلقہ چشم میں کیوں آج ہر دم پایہ رکاب
 ہے کہاں کا ہیں دریش سفر دیکھیں تو
 ۲۷۔ افغان - آتش اف خاں - بآئین درویشی عمری گزرا نیند

از دوست (۱۶-۱)

پہلے قدم میں عشق کے میرا توجی گیا
 مجنوں یہ چند روز بھلا کیونکہ جی گیا
 آمینہ خوبی کا اپنی سب بے تھالاف
 ہو گیا نجلست سے پانی دیکھ وہ خسار صاف

۲۸۔ افکار - آتش میر جیون شنیدہ شد کہ بہ شوق مشہد مقدس

بطوس رفت و در روضہ مبارکہ مجاور است - از دوست (۱۶-۱)

علی کا بیاہ ایسا جگمگا تھا " شب معراج جس کا رہ جگا تھا
 ۲۹۔ امیر - آتش محمد یار خاں ابن محمد علی خاں روحیلہ [دونو مخلوطوں میں

"روحیلہ" ہی ہتھے ہیں (مرتب) [بصفات حمیدہ موصوف بود۔
 شنیدہ شد اشعار خود را بہ شیخ محمد قائم قائم تخلص می نمود۔

از دوست (۱۶-۱)

اس مونس سے اللہ کچھ نہ نکلا جز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا
 دیکھی جو میں سر نوشت اپنی جز روزِ سیاہ کچھ نہ نکلا

۳۰۔ اکرم۔ دہلوی۔ ہمش خواجہ محمد اکرم، درتاریخ گفتق مہارت بسیار
داشته ازوست۔ (۱۶-۱)

ایک بار مرے ذہن میں زاہد اگر آوے
میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے

۳۱۔ اسد۔ دہلوی۔ ہمش میرامانی از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا
بود و بہ عمد شاہ عالم بادشاہ وارد بنگالہ گشتہ در مرشد آباد
انتقال نمود، ازوست (۱۶-ب)

پی کر شراب دُر دتہ جام دے گیا
وہ شوخ ہم کو بوسہ یہ پیغام دے گیا
کل اکہا کہ اور پہ عاشق ہی تو اسد
آیا وہ جب یہاں تباہ الزام دے گیا
کس جنگ جو کی صبح کو باتیں نکالیاں
باہم صبا چمن میں اکجھتی ہیں ڈالیاں

۳۲۔ اول۔ تخلص۔ ہمش میراولاد علی اصلش از سادات بارہت
ازوست (۱۶-ب)

بتاں مہر چنر بہلاتے ہیں میرے دل کو پر اولاد
ادا کس طرح مجھ کو اُس پر پی خسار کی بھونے
۳۳۔ اثر۔ دہلوی بہت کم اضافہ ہے ۲/۱۰ سطر ۳۴ شعر

۱۶ شعر مثنوی کے حاشیہ پر نقل کئے ہیں (۱۶-ب)
 اثر تخلص میر محمد نام، شاہ جہان آبادی چھوٹے بھائی تھے خواجہ میر درد مرحوم کے،
 واقف تھے فنِ تصوف سے اور آگاہ تھے علمِ معرفت سے بطور درویشان صاحبِ معنی کے
 گوشہ نشینی اختیار کی تھی اور درد و اثر کے ساتھ نہایت طبیعت ہموار کی تھی۔ بھائی لینے سے
 انھوں نے کسبِ کمالوں کا کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کلام ان کا چاشنی سے درد و اثر کی آشنا ہے
 ایک مثنوی بہت طولانی بیانِ عشق میں ان کی تصنیف سے ہے۔ اگرچہ انتخاب اس کا لکھا گیا
 بہت تخفیف سے ہے۔

آہ کے ساتھ جی نکل نہ گیا _____ آہ اے آہ یہ خلل نہ گیا
 میرے تئیں تو کام نہ تھا کچھ بنوں سے آہ _____ پردل کے ساتھ مفت میں بدنام ہو گیا
 بس ہو یا رب یہ امتحان کہیں _____ یا نکل جائے اب یہ جان کہیں
 دلے غفلت! کہ ایک ہی دم میں _____ میں کہیں اور کاروان کہیں
 بے وفا تجھ سے اب گلا ہی نہیں _____ تو تو گو یاد آشنا ہی نہیں
 یا خدا پاس یا بتاں کے پاس _____ دل کبھی اپنا یاں رہا ہی نہیں
 دل سے جو چاہئے سو باندھے بات _____ میں نے دامن کچھ کہا ہی نہیں
 تجھ سوا کوئی جلوہ گری نہیں _____ پر ہیں آہ کچھ خبر ہی نہیں
 دردِ دل چھوڑ جائے، کون سا _____ اپنے باہر تو بیاں گزری نہیں
 حال میرا نہ پوچھیے مجھ سے _____ بات میری تو معتبر ہی نہیں
 کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے _____
 اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں _____

کیا کیجے اختیار نہیں دل کی چاہ میں _____ ہیں سب و گرنہ یہ تری باتیں نگاہ میں
 ہم ہیں بیدل دل اپنے پاس نہیں _____ آہ اس کا بھی تجھ کو پاس نہیں

پوچھ مت حال دل مرا مجھ سے مضطرب ہوں مجھے تو اس نہیں
بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے

پر اشر کی تو ہم کو آس نہیں

میں کہاں تو کہاں، یہ کہتے ہیں کہ یہ آپس میں دونوں رہتے ہیں

جو حشر ادیجے ہے بجا مجھ کو تم سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو

دہی میں ہوں اشر دہی دل ہے

اب خدا جانے کیا ہوا مجھ کو

ایک تنہا خاطر محزون جسے آزار تنہا ایک مجھ بیمار سے وابستہ ہیں آزار تنہا
کچھ اوزوں دل اپنا سخت بے آرام رہتا، اسی حالت میں لے کر صبح سے تا شام رہتا ہے
بیاں میں کیا کروں اب اس سے آگے اپنی گامی تے سے یطوڑا اور مجھ کو تجھی سے کام رہتا ہے

اشر کیجے کیا، کدھر جائے مگر آپ ہی سے گزر جائے

کبھو دوستی اور کبھو دشمنی تری کون سی بات پر جائے

صبر غم سہنے زندگی کی واہ کیا خوب زندگی کی!

ناب تیری عجب بھیلی ہے پتی اور اونچی اور نکلی ہے

ناگت ہے، یا کہ ایک تو ہے چوہنج اب شہد میں ڈبوتا ہے

۱۔ سو ہی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا شوق کی مثنویوں کا

عترت کیا ہے، لیکن چہا کہ ان کے نزدیک شعرا نے لکھنؤ سے ایسی فصاحت و فصاحت کی توقع نہیں کر سکتی

اس لئے ان کی یہ یہ تسلسلہ دی کہ نواب مرزا نے خواجہ میراشر کی مثنوی دیکھی تھی اور اس کا طرز اڑایا

تھا۔ یہ اشعار اسی مثنوی کے ہیں۔ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ

اور نمونہ ہو سکتی ہے ۱۲

تھنہ ایسے ترے پھر کتے ہیں جانور وحشی جیوں بھڑکتے ہیں
 ذائقہ میں تو جیسے یہ لب ہیں شہر و شربت جو کچھ کو سب ہیں
 دانت جب مچھکو باید آتے ہیں دل کلیجہ سبھی چباتے ہیں
 دیکھ کر آنکھیں آبدار کو یہاں لوٹ جاتا ہے گو ہر غلٹاں
 گر کبھو اس کے جی میں آئے ہے مستی دو آنکھیاں لگا دے ہے
 دانت پھریوں چمکتے ہیں سارے رات اندھیری میں جیسے ہوں تارے
 جب خیال آئندے ہے گردن کا یہاں ٹھک جائے ہے مرا منکا
 گو کہ شفاف ہے تن مینا یہاں تو جھلکتی ہے گردن مینا
 کیوں نہ کھینچے وہ سب آپ کے دو جس میں ایسا بھرا ہوا ہو غور
 دھیان میں جب وہ باز آتے ہیں ہاتھ پاؤں اپنے پھول جاتے ہیں

کیا خوش آئند یہ کلائی ہے

اس کو دل لینے کی کل آئی ہے

۳۴۔ الم - دہلوی - کچھ اضافہ ہے ۳ سطر - ۲ شعر (رباعی)

(۱۶۔ ب)

الم تخلص، صاحب میر نام، شاہ جان آبادی - خلف الصدق خواجہ میر درد
 مرحوم کے - درویش صاحب حقیقت اور بچانے والے رموز معرفت کے ہیں - ۱۹۴ھ
 گیارہ سو چورانوے ہجری میں رونق بخش بلند مرشد آباد کے ہوئے تھے اور دوستی سے
 راجہ دولہ رام کی چند مدت اس شہر میں رہے تھے - بالفعل کہ ۱۲۱۵ھ ہجری میں، شاہ جان آباد
 میں توکل اور قناعت کے ساتھ اوقات شریف کو بسر کرتے ہیں - یہ اشعار ان کے نتائج
 افکار سے ہیں -

دھمکاتے ہیں بس مجھ کو فقط آپ اکڑ کر بانگے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر

ہنگامِ فغاں تھا خس و پنبہ نفس و دمام تا رہِ رگِ گل نے ہے رکھا ہم کو جکڑ کر
جب نامِ خدا دُور سے وہ جلوہ نہا ہو مر جائیں صفوں کی صفیں حیرت سے پھٹ کر
منہ دل کا تو بیچ اٹھا بیٹھے گا اے شیخ چھٹ اس کے نہ کچھ پاوے گا زبوں سے جھک کر

آج آتا ہے دکھ درد بھلانے کو الم یہاں

کیا اس سے فراغ ہو اٹھاتے بھلا لڑ کر

نہ دل کو قرار بے قراری کے سبب (رباعی) نہ چشم کو خواب اشک باری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں کے کبھو جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

۳۵۔ انور۔ غلام علی از سکندر کالپی بودہ از دست (دوق ۱۴-۱۵)

سو نہی دہن پہ تیرے جو شرط ہی مسی کی

تیرے لبوں کا بوسہ مصری ہے کالپی کی

۳۶۔ اجمل۔ الہ آبادی۔ امش شاہ محمد اجمل کہیں برادر شاہ

غلام قطب الدین مصیب تخلص مشیخت و نجات سلسلہ آں بزرگوار

اشتمار دار دہنابر روابط قدیم کہ با حقیر ست۔ الحال کہ سال

یک ہزار و یک صد و نو دوشش ہجری ست بیتے چند کہ از الہ آباد

فرستادہ ایشان بہ بنارس نزد راقم آئم رسیدہ بود در نجات افتاد۔ (دوق ۱۴-۱۵)

شاد تھا دل سب طرف سے بر میں جب جا مانا تھا

ہائے کیسی رات تھی جس رات وہ ہنسا نہ تھا

ہو گیا تھا کہتے کہتے ان دنوں میں ہوشیار

پھر جو دیکھا کل میں اجمل کو وہی دیوانہ تھا

۳۷۔ انشا۔ انشاء اللہ خاں علی ابراہیم نے ان کو ”درسِ صبا“
ہنگامِ دولت میر محمد قاسم علی خاں عالی جاہ“ دیکھا تھا علی لطیف
مقید اضافہ کیا ہے۔ ۳ سطر، ۴ شعر، (درق ۱۸، ۱)

انشاء تخلص، میر انشاء اللہ خاں نام، بیٹے ہیں حکیم میرا شاہ انشاء خاں کے مصدر
جن کا تخلص تھا۔ عجب خوش اختلاط اور صاحب استعداد ہے۔ سوائے قصیدوں کے شتوہ
زبان عربی میں انھوں نے نظم کی ہیں اور ترکی کی غزلیں بھی ان کی خالی کیفیت نہیں ہیں۔
زبان فارسی میں صاحب دیوان ہیں کتیری اور مار واری کے سوائے اور بھی بہت سی
بولیوں کے زبان دان ہیں۔ سال گزشتہ انھوں نے ایک قصیدہ زبانِ ریختہ میں غیر منقولہ
یعنی جن کے اشعار میں کوئی حرف صاحبِ نقطہ نہیں ہے، نواب عماد الملک کی مدح میں لکھ کر
کاپی بھجوا یا اور صلے میں اس کے انعام تحسین اور آفریں کا بہت سا پایا۔ بالفصل کہ ۱۱۵ھ
ہیں، مرشد زادہ آفاق مرزا سلیمان شکوہ کے سایہ عاطفت میں لکھنے کے اندر اوقات
ساتھ قناعت اور شکستہ پائی کے بسر کرتے ہیں۔ دیوان ان کا زبانِ ریختہ میں مشہور ہے او
کلام ان کا ظرافت اور خوش اختلاط سے معمور یہ اشعار ان کے نتائجِ افکار سے ہیں:
تم جو کہتے ہو ”مجھے تو نے بہت رسوا کیا“
کیا گنہ، کیا جرم، کیا تقصیر میں نے کیا کیا
راز وہ کم بخت کیا تھا، میں نے جو افتا کیا
کس جگہ؟ کس وقت؟ کس دم؟ آپ کا چرچا کیا
جس سی نے آن کر نہ کو اس دُھب کا کیا
اس طرح کا تذکرہ جس شخص نے میرا کیا
موچہ ڈاڑھی کی مولانے اُسے کھوسا کیا
مرد ہو؟ یا حق تعالیٰ نے اُسے خُشنا کیا؟
کون ہے جس نے اجی جلتے مچھیں بجا کیا؟

اسط، باعث، سبب موجب، جہت کچھ بات بھی
کیا کہا؟ کن نے کہا؟ کس سے کہا؟ کب؟ کس گھر؟
کچھ بتا بھی؟ نام اُس کا؟ شکل کیسی؟ وضع کیا؟
گیر ہے وہ؟ یا مسلمان؟ یا نصارا؟ یا جہود؟
شیخ ہو وہ؟ یا مغل ہو؟ یا کہ سید؟ یا پٹھان؟
ہو جواں سا؟ یا وہ امرد؟ یا کہ بوڑھا؟ یا ادھر؟
لو کری پٹنوں میں ہو؟ یا اہلِ حصر وہ غریز؟

کس محلہ میں رہے ہو؟ ہے کہاں کا وہ نصیحت؟
 کذب بہتان، افتراء طوفانِ غلط، بالکل دروغ
 مرجا، شاباش، اے رحمت خدا کی آفریں
 چودھویں تاریخ اک ابرہہ تک ساتھ جورات
 جھلملی سی چادرِ مہتاب، اوپر برق کا
 یوں لگا معلوم ہونے، پس یہ دو پرلیں بہم
 بوئے گل بولی کہ ”آج آپس میں بدل دوڑی“
 کوئی شیطان مجھے گا جس نے ذکر ایسا کیا
 میں تمہارا نام لے لے کب بھلا رویا کیا
 میرے حق میں تم نے باور اور کا گنا کیا
 صبح گلشن میں عجائب سیر میں دیکھا کیا
 وہ دو ٹپا باد نے کاسا جو لہرا یا کیا
 ایک نے گویا کہ سایا دو سری پر آ کیا
 چاندنی بائی نے بی خیلا سے بہنا پ کیا

خود بدولت تو نہ آئے اور انشائات بھر
 آپ بن ریکیا، لٹا کیا، ترپا کیا

گالی سہی، ادا سہی، چین جہیں سہی
 گونا گویں کے کہنے سے مانا ہو کچھ بُرا
 یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
 میری طرف کو دیکھئے! میں نازیں سہی
 آگے بڑھے جو جاتے ہو کیوں کون ہیما
 جوبات تجھ کو کہنی ہے مجھ سے ہیں سہی

منظور دوستی جو تمہیں ہے ہر ایک سے
 اچھا تو کیا مضائقہ انشا سے کہیں ہی

بندہ اُسے جب نظر پڑا ہے بولا ہے ”چل اٹھ کہ ہر پڑا ہے“

ہوئے ہیں خاک سرِ راہ اُس کے ہم انشا
 بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

۳۸۔ اعظم۔ شہیدہ شہد در لکھنؤ پرنس شعل عطاری داشت و او در سرکار
 نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر منسلک بود۔

از دست (۱۸-۱-ب)

ہر قد کے سبب عالم بالا پتری برف رکھتی ہو دماغ اپنا یہ زنجیر فلک پر

پیدا ہوئے جب آہ وزاری میں رہے بجلی کی مثال بے قراری میں رہے
 ہو خانہ خراب ایسے کافر دل کا ہم جس کے سبب ہمیشہ خواری میں رہے
 ۳۹۔ میرا علی علی۔ خلف میر ولایت اللہ خاں مرحوم۔ از نجائے دہلی ست
 ہنگامیکہ نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک از فوج انگلشیہ
 محاربہ داشت راقم حقیر میر مذکور را دیدہ در اں ایام او
 از مسلکان آں سرکار بود و سرے بعیاشی و عاشقی
 داشت۔ ء اشعر (۱۸، ب۔ ۱۹، د)

۴۰۔ امانی۔ دہلوی، میرامانی۔ ”بار اتم آتم آشنا بود“ کوئی
 اضافہ نہیں۔ ۳ ۱/۴ سطر، ۴۳ شعر (۱۹-۲۰)

امانی تخلص، میرامانی نام، خلف میں یہ خواجہ آغی کے، جن کا مذکور اوپر ہوا ہے۔
 ۱۱۸ گیارہ سو ایکاسی ہجری میں داردمرشد آباد کئے ہوئے تھے، اور جناب سید شہدا
 کی تغزیہ داری کا شغل ہمیشہ رکھتے تھے۔ مرثیہ ہندی اپنے کئے ہوئے اکثر ممبر پر کھڑے ہو کر
 پڑھتے، اور مومنین کے تئیں سعادت گریہ کی دولت سے داخل ثواب کرتے۔ ایک شب
 جناب سید الشہداء علیہ السلام کی عین تغزیہ داری میں کہ ۱۱۸۷ گیارہ سو تاسی ہجری ہے
 بیہوش ہو کر سیر کرنے والے روضہ رضواں کے ہوئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ مغفرت کرے۔
 عجب مرد خوش اعتقاد اور دیندار تھا۔ نشہ محبت میں اہل بیت نبوی کے سرشار تھا۔ یہ
 اشتہار یادگار اُس نکو کردار کے ہیں۔

اُس کے کوچہ سستی غبار اٹھا کون سلواں سے خاک را اٹھا
 عندلیبوں بآواب صحرا باغ سے موسم بہار اٹھا
 ہچکیاں لے گلابیاں روئیں بزم سے جب تیرے گار اٹھا

عزم رخصت ہوا جب ہی اُس کا میرے دل سے وہیں تسر اٹھا
 نہیں جو قدرِ اشکِ عالم سے موتیوں کا مگر وقار اٹھا
 شمع سے سوزِ امانی پوچھا تیرا
 اک دھواں اس کے دل سے یار اٹھا

راہ تکتے تکتے آخر جیسے آیا تنگ دل آنکھیں تو پتھر اگیں، پروہ نہ آیا سنگدل
 ہو چکا ہر غم سے خوں، اب جلد بلبے کیں خوفِ یارب! نہ بدلے او بھی کچھ نگدل
 قدر جان اس کی کہ اک عالم سے یہ بیگانہ ہو گر رہا ہے تیرے در پر کھوکھ کے نام و رنگ دل
 فندقِ پاکس کی دیکھی آہ! جس کے غم سے آج قطرہ خوں ہو بنا رشکِ گل اور نگدل
 اپنی آنکھوں آگے کو اس کی گلی میں چڑھا
 پر امانی آپسے ہر سیکڑوں فرسنگ دل

گھیرا ہر مجھے غم نے عجب حال ہے جی کا اے نالہ دل! وقت ہی فریاد رہی کا
 سینہ میں جھرو ہو تر اچھونکے اے آہ ملک دل سے خبردار! کہ یہ گھر ہی کسی کا
 اُس کے کوچے صبا آج اس طرف آئی نہیں دیر ہوئی وہاں مقیموں کی خبر مانی نہیں
 وائے اپنی اس بشارت پر کہ ہر ذرہ میں آہ! جلوہ گر ہے آفتاب اور تاب بینائی نہیں
 کونسا دن ہے کہ مجھ کو یاد تو آتا نہیں کونسا دم ہے کہ آنکھوں بیچ پھر جاتا نہیں
 عشق تیں کس کے امانی مبتلا ہے جس بغیر
 تجھ کو نگارہ گلوں کا ان دنوں بھاتا نہیں

چمن لیلیا تے ہیں پٹے، بادل برستے ہیں شباب آ! سا قیام! ہم بادہ نوشی کو ترستے ہیں
 زمانہ جائے عبرت ہے، چمن کا حال چل دیکھو تجھ جی گلوں کا کل تھا سوئے آج جھڑتے ہیں
 مسادی جانیو خوش طالعی کو بد نصیبی کو
 امانی! منعم و مغلوک سب کے دن گزرتے ہیں

امانی تو ہوا تیغِ تغافل ہی تسی بسمل — بھلا بتلائے کس پر کمر اب آپ کتے ہیں
 ہم ترانہ تک جو رسے جاتے ہیں — یاد آویں گے بہت اتنا کہے جاتے ہیں
 لے گیا کون مری تاب تو اں کو یک تخت — کہ سب ہی عضو میرے آج ٹپے جاتے ہیں
 داسے دا ماندگی اپنی کہ یہ آنکھوں آگے — کارواں وین ہی ہم پیچھے بے جاتے ہیں
 اثر ہونگ میں کیوں کہ ان کو رام کریں — بتوں کے دل ہو تو یارب یہ آپیں کام کریں
 وہ ایک بار بھی تیری نظر پڑے زاہد — صلاح و زہد رہے یہ تو ہم سلام کریں
 کس کے یہ خار مرگاں دل میں ٹپکے ہیں — جو چشم سے امو کے قطرے ٹپک رہے ہیں
 دیکھ تو کیا ہی بت سنگدلی پر نازاں — تجھ میں لے نالہ جانکاہ! اثر ہے کہ نہیں
 یار و گردار پہ منصور نہیں دیکھا ہے — نوک مرگاں پہ مرے تخت جگر کو دکھیو
 صفِ مرگاں آجوشم کا ہوں کشتہ لے یار! — سر تربت پہ چن دیجو مرے خارِ بایاں کو
 زباں پر راز عاشق کا نہ لانا سر کٹا دینا — سر شستہ کس سے ہاتھ آیا یہی یہ سمعِ شبستان کو
 میں نے پہلو سے گم کیا تجھ کو — آہ دل! کن نے لے لیا مجھ کو
 اشک آوارگی سے تو نہ تھا — میں نے آنکھوں میں گھر دیا تجھ کو
 جنگوں سے دل چھو لو کیا سوخت کر رہے ہو — پھوٹو گیس کماں کی آتش میں بھر رہے ہو
 اور میانِ خالی شکر لب پہ تمھارے — بوسہ میں بھی شاید فرہ تل شکر ہی ہو
 اللہ رے صنم! یہ تری خود نمائیاں — اس حسنِ چند روز پہ اتنا غور ہو
 دم بدم اس کی خلش سے اب مجھے آزار ہے — دوستاں یہ دل نہیں پہلو میں میرے خار ہے
 چاہ میں کس کے دل ڈبو بیٹھے — آہ! ہم کیسے دل کو رد بیٹھے
 کیوں امانی گیا نہ آخر دل — کفِ افسوس اب طو بیٹھے
 آہ! اب میرے دم کے ساتھ چھوٹی — بلو پر غم کی برمت چھوٹی

ہم سا جو ناتواں عقب کارواں رہے — جوں نقش پاؤ ہیں کے مجھے پھر جہاں رہے
 مدے جو پڑے ہیں دل پہ غم کے — آنسو نہیں تھمتے چشمِ نم کے
 خوش خواب میں ہیں مگر جواب تک — جاگے نہیں خفتگاں عدم کے
 ہے صبح کو عزمِ رفتن یار — ٹلک نکلیو آفتابِ تھم کے
 آنکھیں نہیں مند تی ہیں عجب جی پہنچے — یارب دل حیراں کو مرے کس کی طلب ہے
 دم لینے نہیں دیتے ہیں پیہم کے یہ نالے — کیا جانے کیا دل کو مرے درد کبڑ ہے
 ہجراں کے شبِ روزِ کامت پوچھ گزرنا — دن کٹ گیا جوں توں کے تو پھر راتِ غم ہے
 مت سے سروکار غمِ حسرتی ہے — کچھ عیش سے تو کام نہ آگے تھا نہ اب ہے
 نامہ بر کیو زمانے کی ترپ تھی تھوبن — شمعِ شب دیکھ مجھے صبحِ ملکِ دی ہے

بارہا منع کیا چھوڑو سبے رحم کی چاہ
 باز نہیں آتا امانی بھی عجب کئی ہے

سیر گلشن کو میں جاتا تھا جو صیاد مجھے دیکھ کر دُور سے بولا کہ ”شکار آتا ہے“
 ۴۱۔ اظہر۔ دہلوی۔ اسمش میر غلام علی آزاد از شاگرد میر شمس الدین
 فقیر مغفور۔ دبغور و خود ستائی مشہور بود۔ چندے
 در مرشد آباد بسر بردہ۔ از طبع ناساز خویش مبراد
 نرسیدہ بہ عظیم آباد آمد۔ و در ۱۱۹۲ ہجریہ بہ عہد شاہ عالم
 بادشاہ وفات یافت۔ در فارسی سخن رس و معنی یاب بود
 دریں اوقات فکرِ رنجیہ می نمود۔ و بار اقم مربوط بود۔ از دست
 شعر (۲۰۔ ب)

کرنا تھا جو کچھ نہ کر گئے ہم افسوس کہ یونہی مر گئے ہم

۴۲- امامی - عظیم آبادی - اسمش خواجہ امام بخش در زمان نواب سراج الدولہ
ابن ہیت جنگ و زگارے داشت۔ و الحال کہ سال نسبت چہاں
جلوس شاہ عالم بادشاہ ست در عظیم آباد بغرب میگزرا ند۔

ازوست (۲۱-۱)

۴۳- میر اولیا - از نجائے قصبہ مہابن توابع لکھنوست - مرد آزادہ و
خلیق حسن پرست و ذہین ست - از مدتے در مرشد آباد
اقامت در زیدہ - بار اقم فقیر آشناست - بر لغات ہندیہ
اقدار بسیار دارد و طبعش در ریختہ رسا ازوست -

۱۰ شعر - (۲۱-۱-ب)

۴۴- احمدی - اسمش شیخ احمد وارث - و مولفش قصبہ زمانہ و نسب آبائش
بحضرت قاضی شمس الدین ہرودی کہ از خلفائے سلطان اسالکین
شاہ شرف الدین بہاری بودی میزند - اما مشارالیمہ از
اسلاف خود بہ شیوہ مانگزار می برگتہ زمانہ و رسالہ داری
اتصاف داشته - از تربیت یافتگان نواب فضل علی خاں
غازی پوری ست - در ۱۱۹۶ ہجریہ از اشعار بسیار خود
قریب یک صد بیت انتخاب زدہ بر اقم آتم فرستادہ معلوم
می شود کہ اشعار خود را بہ سخن رسا نرسانیدہ
۱۰ شعر (۲۱-۲۲)

۴۵۔ انتظار۔ دہلوی۔ ہمیش علی خاں خلف اکبر علی خاں مرحوم نمیکاشت

در زمان امیر بافرہنگ نواب علی وردی خاں مہابت جنگ
دارد مرشد آباد شدہ دران بلدہ سکے اختیار نموده۔ با حکام
آنجا بکام دل می گزراند۔ جوان فہمدہ و خوش تقریر و بارقم
حقیر آشناست طبعش در رنجہ سلیقہ نیکو انجمنہ است
۱۱ شعر (۲۲)

۴۶۔ امین۔ عظیم آبادی۔ خواجہ امین الدین۔ کوئی اضافہ نہیں۔

۵ ۱/۴ سطر، ۱۳۸ شعر (۲۳-۲۴)

امین تخلص، خواجہ امین الدین نام، عظیم آبادی۔ عالم دوستی اور اتحاد میں باقرینہ ہیں۔
علی ابراہیم خاں مرحوم کے یار دیرینہ ہیں شعر فہمی اور سخن رسی میں زمانے کے یادگار ہیں۔
مضمون تراشی اور ادابندی میں نادر روزگار ہیں۔ ذہن کو ان کے بندش کی صفائی
میں نہایت ارجہندی ہے اور طبیعت کو ان کی تالش معانی میں اپنے ہمعصروں سے
بلندی ہے۔ چند مدت نواب میر محمد رضا خاں مظفر جنگ بہادر کی رفاقت میں اوقات انھوں نے
بکیفیت کاٹی ہے۔ بعد اس روزگار کے قناعت اور جواں مردی کے ساتھ خانہ نشینی میں
زندگی بسر کی ہے۔ ایک دیوان چھوٹا سا زبان رنجیہ میں ان کی تصنیف ہے جو منتخب اس کا
میاں لکھا گیا بہت تخفیف سے ہے۔

دنیا میں جو اگر نہ کرے عشق بتاں کا نزدیک ہمارے ہے یہاں کا نہ وہاں کا
ماندہ نگیں آپ سے کاوش میں پڑا ہے مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشان کا
کرتا ہوں امیں میں تو ثنا اس کی ولیکن
تمہ لال ہوا جاتا ہے خلعت سے زباں کا

پرے سے جو وہ شہرہ آفاق نکلتا تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا
 تھا کچھ بھی مناسب کہ نکلا دیا تو نے گر صبح نہ نکلا تھا میں شام نکلتا
 گھر مرے آنا اگر منظور تھا آئے ہوتے لطف سے کیا دور تھا
 گالیاں جو دیں سو دیں بس کیجئے سن چکے ہم جب تک مقدور تھا
 یہ دل خالی نہیں کوئی دم رہے گا تو جاوے گا تری غم رہے گا
 جس کا دل آپ نے لیا ہو گا خاک میں لے ملا دیا ہو گا
 ہم کو کیا، گر ہسار آتی ہے دل وہ غنچہ نہیں کہ دا ہو گا
 گالیاں غیر سے سناتے ہو ہاں میاں! تم سے ادر کیا ہو گا
 مل گیا ہو گا خاک میں جو شک تیری آنکھوں سے جو گرا ہو گا
 بتاں کے واسطے گھر بار کو اپنے ہاں نکلا یہ طفل اشک میرا عاشقی میں بے ہاں نکلا
 وہی مقصود دل ہی اور وہی منظور آنکھوں کا سرورِ سینہ میں اس کو کہوں یا نور آنکھوں کا
 کیا ایک مجھ کو بھاتی ہے برسات کی ہوا کس کو نہیں خوش آتی ہر برسات کی ہوا
 جب آہ سرد بھرتا ہوں کانپے تن میں جوں شیش کو ہلاتی ہے برسات کی ہوا
 خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا مہ چادرِ متاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا
 شور ہے عالم میں تیرے حسنِ عالم گیر کا تو ہی ہو گا گر کوئی ہو گا تری تصویر کا
 عشق کی دولت سراپا، میں طلا کے رنگ ہو اے متوس دیکھ لے نسخہ ہے یہ کبر کا
 چوستای جوں سرپٹاں کو طفلِ شیخوار چابتا رہتا ہر دل پیکان اس کے تیر کا
 گرا راہ نہیں ہے آنے کا فائدہ اس قدر بہانے کا
 خط نے مارا ہر جن پر شبِ خون کیا ہی جھگڑا ہے سوا یکا؟
 سخت کاوش میں ہوں بہ رنگیں ایسی نام آدرسی کا منہ کالا
 دل مرا سینہ سے ہل لیتی ہو وہ زلفِ دوتا اپنے دیوانوں سے کیا کہتی ہیں یہ زنجیر کھینچ

دیکھتی ہے جب مری صورت کو لکھاتی ہر لب
 جس طرح شاخ کو ہوتا ہے ٹرے پوند
 یا لہنی کسی ظالم کے پڑے پنجہ میں
 دیکھ بھال اس دل صد چاک کو لیتے ہیں بنا
 مرتے ہیں ہم تو اس کے لب ابدار پر
 بوسہ دیا تھا، جی میں جو آوے تو پھر لو
 اس سمع رو کے سامنے آتا ہے تو تنگ
 دب نکلتا ہے اگرچہ سب سے ہے بالا پہاڑ
 کھو دیا کہو کن نے جان شیریں کے لئے
 آدیکھے تری زلف گرہ گیر ہوا پر
 ڈرے تھے نالہ بھی نکلتا نہیں لب سے
 اڑتا ہی ہو کے مضطرب اس کے بام در پر
 ہی نہیں جو ہر نمایاں تیغ تیر سزیا پر
 بار کے خرگاہ سے گر پڑتی ہی یوں تیرنگاہ
 دل خال لب میں بے خواب بے آرام پر
 آئی ہوا ہو گئے ہر خار راہ سبز
 شاداب ہی خط اس کے لب ابدار پر
 دل میں ترے خیال ہی کس نو ہنس کا
 یار آیا ہے اب نہ یہ لے چشم
 جس طرح مگر سے لے اگلے کو آتش گیر کھینچ
 کاش نلے کو مے ہوئے اثر سے پوند
 بے طرح پلک کو ہے اس کی کمر سے پوند
 میں نے پیشہ کیا کیا ہی ہنر سے پوند
 گر آب زندگی ہو تو مارے ہیں دھار پر
 اتنا خفا ہو کس لئے اس خاک ر پر
 بھاری ہوئے ہیں کیا تجھے اپنے دوچار پر
 دیکھتا ہے جب ہماری آہ کا کالا پہاڑ
 اس کی فریادیں کا اپنے سر سے تو نالا پہاڑ
 جن نے نہ کبھی دیکھی ہو زنجیر ہوا پر
 ظالم ہے تھے ظلم کی تائید ہوا پر
 نامہ مرا کہاں ہے کاغذی کبوتر
 لکھ رہا ہی نام مقتولوں کا اس تہ دار پر
 جس طرح تردد رکھتی آگے تر وار پر
 رات ہوئی ہی میں بھاری ہر اک ہمار پر
 لیکن ہوئے نہ آہ یہ بخت سیاہ سبز
 رہتا ہے گرد جادہ کے اکثر گیارہ سبز
 لب امیں نکلتی ہے ہر ایک آہ سبز
 دیکھنے دے زرا تو رہ لے چشم

کیا کہوں یا رے اپنی سی کئے جاتا ہوں گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پئے جاتا ہوں
 جی ٹکھتا ہے یہ لب یا د میں ہٹے ہیں تری مرتے مرتے بھی تر نام لئے جاتا ہوں
 چاک سینہ کا مرے لوگ عبت سیستے مر تم تو زخمی ہیں لگا ہوں کے، کوئی جیتے ہیں
 سیل آتی ہے تو آنے دو مرا کہاے گی گھر میں ایک میں ہوں بڑا اور کئی بھتے ہیں
 فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکر معاش غم کو کھاتے ہیں امیں خون جگر پیٹتے ہیں
 سر پہ خوں جوں بال رکھتے ہیں موبو جی کا کال رکھتے ہیں
 سرو پر اتنا بھول مت قمری ہم بھی اک نو نال رکھتے ہیں
 دل تو کیا ہے، امیں جو آوے یار جان آگے نکال رکھتے ہیں
 بتاں مجھ سے کہتے تھے کیا کچھ نہیں ولیکن جو دیکھا، تو تھا کچھ نہیں
 میں بوسہ جو مانگا، تو جھٹلا کے وہ لگا کہتے کیا ہے، کہا کچھ نہیں
 مجھے بے چین رکھتا ہے دل انکار پیلوں وہ سبے کس طرح جس کے رہے بیمار پیلوں
 گرفتاروں کو تیری زلف کے کس طرح خواب ہے لسان شانہ رہتا ہے انھوں کے خار پیلوں
 مجھے تو کبھی عمر بھر غم نہ ہو ملاقات تیسری اگر کم نہ ہو
 میں درگزر صاحب سلامت بھی خدا کے لئے اتنا برہم نہ ہو
 ہم آنے کو مانع نہیں غیر کو پر اتنا بھی خلوت میں ہر دم نہ ہو
 امیں کی غذا آ رہی ہے یہی الہی یہ خون جس کو کم نہ ہو
 ہوئی ہی آشنائی جسے اس نے نوش سے مجھ کو جو صاحب قتل ہیں کہتے ہیں اہل پوش سے مجھ کو
 بھلا تو ہی کہہ لے دل کسی کو یہ توقع تھی نکالے گا وہ صبح عید یوں آغوش سے مجھ کو
 جہائی سے سر پار رنگ میرا زعفرانی ہے کوئی نے کر ملا دے اس بسنتی پوش سے مجھ کو

بھڑکتا ہے جگر میرا دل پر داغ کی دولت
 امیں جلنا پڑا اس آتش خاموش سے مجھ کو

کیا کہیں دودِ آہ کی تاثیر
 گھر کا گھر ہے سیاہ، مت پوچھو
 مفت مارا گیا ہزار افسوس
 تھا میں بے گناہ، مت پوچھو
 جب دکھاتا ہے وہ شرابی آنکھ
 وہ نہیں جانتی ہے گلابی آنکھ
 سخت دل گتہ رہیں ہیں منہاں سے
 ہے مگر خانہ کب سابی آنکھ
 روشن ہیں شبِ ہجر میں یہ دیدہ بیدار
 جوں زلفیں چکنے میں ترے کان کے موتی
 دھڑکے ہے مراد ل کہ کہیں کچھ نہ لگا دیں
 گتے ہیں ترے کان سے جہاں کے موتی
 دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
 عمر کٹنے کو کٹی، پر کیا ہی خواری میں کٹی
 صبح گر صبح قیامت ہو، تو کچھ پروا نہیں
 ہجر کی رات ایسی بے قراری میں کٹی
 تیری آنکھوں کی پرستاری میں دل گہرا گیا
 ہائے اس بیمار کی بیمار داری میں کٹی

اس زمانہ میں امیں مت کر کسی سے دیتی

شمع کی گردن نہ دیکھی دست داری میں کٹی

دل باندھے تو یار کے کاکل سے باندھے
 بلیں کو باندھے تو رگ گل سے باندھے
 دھڑکے ہے دل کمر کو جو کتے ہو لے میاں
 باریک بال سے ہے، تامل سے باندھے
 حلوہ ترے حسن کا کہاں ہے
 یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے
 ہم رہیں دیکھتے اور تیری یہ اوقات کٹے
 اور تو کیا کہوں اے شانہ ترا ہاتھ کٹے
 ایک دم ہو گئی گراؤں سے ملاقات تو کیا
 زندگی کا ہے مزایہ کہ مساوات کٹے
 رنگ پھرے کا زعفرانی ہے
 عاشقی کی یہی نشانی ہے
 کس نے بتیمہ دیں بھلا تجھ کو
 دیکھا یوسف تو تیرا ثانی ہے
 شمع دریاں سے اتنا گرم نہ ل
 ان کی جو بات ہے زبانی ہے

رات دن جیسے ہی جاتا ہے

کیا امیں ایسی زندگانی ہے

خضر نے ایک دم پیا تھا لے کے آبِ زندگی
 مانگتے ہیں اب تک اُس سے حسابِ زندگی
 کیا بھلا اس میکے میں جی کسی کا شاد ہو
 مر گیا آخر کو پی جن نے شربِ زندگی
 معنی آرام کیا ہے، تو نہ کچھ سمجھا میں
 ہم تو مدت سے اُلٹے ہیں کتابِ زندگی
 غیر سے کیوں کہ وہ چھوڑے ملنا
 چھوڑتا ہے کوئی اپنے بانے
 ہم کھڑے تھے سامنے اک پیا فیاروں میں تھے
 ملک تو منصف ہو جے ہم بھی کبھی یاروں میں تھے
 جتنے تھے محفل میں، تھا سب تباہ اور اخلاط
 ایک ہم کم بخت گویا وہاں گمنگاروں میں تھے
 ہاتھ اٹھانا جان سے پیارے پنٹ دشوار ہر
 کیوں نہ دیکھا کل سب ہی تو نابرداروں میں تھے
 بھر عمر گدائی میں بی کرتے رہے شاہی
 دنیا میں جو ٹھانے تھے میاں، ہم نے بنا ہی
 خط کو جو تراشے ہے بھلا فائدہ کیا ہے
 اب چڑھ چکی لے یا سپیدی پر سیاہی
 کیا دین سے غافل ہیں امیں مردم دنیا
 سکہ کو سمجھتے ہیں سدا اپنا الہی

تمہاری آنکھیں جو دیکھتے ہیں، پنٹ ہی لگتی ہیں پیاری پیاری
 پر اس قدر ہیں جو خوں کی پیاسی، یہ کافر آنکھیں ہیں یا کٹاری
 تری نگہ کے جو ہوں گے مارے، نہ مانگا ہوگا انھوں نے پانی
 نہ ایسی دیکھی ہے تیغ ہم نے، نہ ایسی دیکھی ہے آبداری

رباعیات

اظہار نہیں اگر چہ سر کا
 پر بوجھ آثاروں ہوں میں اپنے سر کا
 سائل کو جواب ترش ہرگز مت دے
 بھوکا ہے، کیا کرے گانے کر سر کا

یہ جو روحِ جا یہ بے وفائی کب تک
 بس کیجئے، پاسِ شہنائی کب تک
 کرتا ہے کوئی حسن پر اتنا بھی غرور
 دیکھیں تو رہے ہے غدا کی کب تک

کیا شہر میں آج مجھ پر ہے ہولی
دعویٰ سے کیا کر دے دل خوش گلی
پھرتے ہیں لے بغیر بھر بھر جھولی
ہولی کا قرار تھا، سو یہ بھی ہولی

مثنوی

ایک ہیں آشنا مرے غم خوار
ان کی تعریف کیا کروں میں بیاں
دل ہے ان کا کہیں دماغ کہیں
متھ کو ان کے خدا نہ دکھلا دے
چار پیے کا سیر بھر ٹھہرا
آج دنیا میں ہیں جو کچھ ہم ہیں
دیکھتا ہوں جوان کی میں صورت
گال جڑے سے یوں رہے ہیں لیٹ
تس پہ چمکینے یوں ہے ماری میخ
میں تو کرتا نہیں سخن چینی
آنکھ گرے تو گھر سے باہر ہے
کان ایسے پڑی ہیں دونوں طرف
متھ ہے نڈا سس کی طسج بدبو
ان کے دھارے کو دیکھ کرنی اکال
دیکھ نقاش اس کی پیشانی
کھوڑی سر سے ہے گی یوں اٹکی
توند لٹکے ہے پیٹ سے ایسی
صاف کتا ہوں میں یہ مجبوری

پلیج گو بیوقوف بد اطوار
کستی شرماتی ہے گی منہ میں نہاں
گھر میں ٹھونڈو تو بھونے بھاگ نہیں
گر کوئی دیکھے خاک کیا کھا دے
پی کے رکھتے ہیں جی میں یہ غزا
مالک چار دانگ عالم ہیں
یاد آتی ہے چین کی مورنت
لگ ہے ہوں کواڑ کے جوں پیٹ
جوں جڑی ہوں کواڑ میں گل میخ
ناک ہے جوں کواڑ کی بیسی
حلقہ چشم حلقہ در ہے
جوں ڈھالی کا ہوئے پھونادف
لوگ کرتے ہیں دیکھتے ارخ تمہو
جن کے دیکھے نہ ہو دیں کالے بال
کھینچتا دل میں ہے پشیمانی
جوں کہ چوٹے پہ اوندھی ہو منگی
پیٹتے ہو دے پیٹ سے جیسی
ناف ہے جاضرورگی مورسی

کیا کہوں اس کی اور بد حالی منہ ہے چکنا تو پیٹا ہے خالی

دل یکے زلف اس کی یوں طعنے زن ہے مجھ پر بیٹھا جن میں ہوئے جوں سانپ من کے آگے
بتاں اٹھاتے نہیں ہاتھ میسرے کینہ سے رہنے ہے سنگ کیتیں لاگ آہیگنہ سے
ضرور کیا ہے کہ ہوتا ہے تو بخل ناصح ہماری جیب کو ہے کیا لگائے رہنے سے
نہ اٹھ سکے گامرب لب سے حرف بوسہ کا مٹا سکے ہر کوئی نام کو ٹیگسند سے

امیں ضعیف میں اتنا ہوا بقولِ فعال

ہلکے آہ نکلتی ہے میسرے سینے سے

کیا برا وقت تھا اس شوخ سے جب آنکھ لگی جب تاک جیتے رہے روز نہ شب آنکھ لگی
بزمِ رنداں میں اے دیکھ کے چھپ جاتے ہیں کیا بگو شیخ کی ہے بنتِ عنب آنکھ لگی
میں گزرا یار کے طے سے جاوے جس کا جی چاہے غرض اب شوق سے عاشق کہاوے جس کا جی چاہے
حیاتِ جاوِداں بخشے ہے تیغِ ابدار اس کی اگر باور نہ آوے جا کے کھاوے جس کا جی چاہے
یار بھی اب گلا لگا کرنے یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی

ہاتھ میں اپنا سر لئے رہنا عشق کی پہلی یہ سلامی ہے

دل گرفتار کیوں نہ ہو میرا بر میں جامہ ترے دو دامن ہے

زاہد کبھو تو گرد نہ پھر یو شراب کے یہاں آگ ہے چھپی ہوئی پرچے میں آب کے
کیا چشمِ منعموں سے رکھیں مغفانِ دہر دریائے تو بھرے تھیں کا سے جاب کے
پھر تہا ہے کیوں بھگتا ہے شیخِ ہر طرف تو گستا ہے جس کو کعبہ وہ یار کی گلی ہے
کہا کرتے ہو مجھ کو قابلِ جبر و جہا یہ ہے جو کوئی چاہے کسی کو لے میاں اس کی سزا ہے
برہمنِ دیر کو پوجے ہے اور کعبہ کے تیشِ زاہد پرستش ہم جسے کرتے ہیں وہ نامِ خدایہ ہے
ریشک گلزار ہوا داغ سے سینہ میرا یار کے بھادیں تماشائے تماشایہ ہے

اس راہ رو کے سامنے آتی ہے چاندنی اپنے تئیں اب آپ نہاتی ہے چاندنی
 منہ دیکھو تیرے سامنے آکر سفید ہو مانی میں آبرو کو ملاتی ہے چاندنی
 دو دن کی چاندنی ہے پھر آخرا نہ ہیری آ ساقی پلا شراب کہ جاتی ہے چاندنی

کہ آمد آمد اس میر تاباں کے تئیں اب میں

کیوں چاندنی کا خوش بھجاتی ہے چاندنی

غیروں سے اختلاط ہماری بلا کرے گراشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے

دنیا میں کہنے کو سب ہی کہلاتے ہیں بھلے پر ہے وہی بھلا، جو کسی کا بھلا کرے

۴۷۔ افسوس۔ میر شیر علی۔ خاصہ اضافہ کیا ہے۔

۴ سطر ۱۰ شعر (۲۸)

افسوس تخلص، میر شیر علی نام، والد ماجد ان کے سید مظفر علی خاں، داروغہ توپ خانہ
 نواب میر قاسم خاں عالی جاہ کے تھے۔ سلسلہ سیادت کا ان کی حضرت اسماعیل اعرج کو، کہ بڑے
 بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے تھے، پہنچتا ہے۔ وطن بزرگوں کا خاں ایک مہکا
 ہے، علاقہ میں عرب کے۔ بزرگوں نے ان کے ہندوستان میں آ کے نار نول
 میں سکونت اختیار کی۔ اس سبب سے وطن ان کا نار نول مشہور ہے۔ میر مذکور کے باپ اور
 چچا کو، کہ سید مظفر علی خاں اور سید غلام علی خاں نام رکھتے تھے، نواب عمدۃ الملک امیر خاں
 مرحوم کی رفاقت میں سررشتہ ملازمت کا نہایت اقتدار اور عز و قار کے ساتھ توپ خانہ کی
 داروغگی کے ساتھ سر فرما رہے تھے، اور رسالہ معقول سے حضور میں مختار تھے۔ بعد شہید ہونے
 نواب عمدۃ الملک کے سید غلام علی خاں کو نیابت صوبہ الہ آباد کی بالذات بھی تھوڑے دنوں کے
 آخر خارج بیماری سے انھوں نے سیر روضہ رضواں کی کی۔ ان کی وفات کے بعد سید مظفر علی خاں
 خانہ نشین ہوئے، اور بارہ برس بے روزگار بیٹھے رہے۔ آخر نواب خان عالم بقاء اللہ خاں
 مرحوم نے تھنوں میں انھیں بلوایا، اور سرکار وزیر الملک نواب بیچل الدولہ مرحوم کے مشاہدہ

میں تین سو روپے کا واسطے ان کے درماہہ ٹھہرایا۔ ان ایام میں میر شیر علی افسوس کا سن گیارہ برس کا یا کچھ کم زیادہ ہے، لیکن مولد ان کا دار الخلافہ شاہ جہان آباد ہے۔ یہ بھی ہمراہ اپنے والد ماجد کے لکھنؤ میں آئے، اور طور بود و باش کا ہمیں ٹھہرائے۔ بعد کئی برس کے حسب الامر نواب صادق علی خاں کے، کہ بڑے بیٹے نواب میر محمد جعفر خاں صوبہ دار بنگالہ کے تھے، میر مظفر علی خاں واردمشدد آباد ہوئے اور داروغگی توپ خانہ وغیرہ کے ساتھ مورد عنایت و امداد ہوئے۔ آگے بیان ساتھ تفصیل کے موجب طویل کلام کا ہے۔ غرض جب وزیر الممالک نواب سراج الدولہ بہادر مع صوبہ دار بنگالہ صاحبان عالی شان سے معرکہ آرا ہیں، تو سید مظفر علی خاں بھی ہمراہ رکاب کے تھے۔ بعد میر محمد جعفر خاں کی وفات کے روزگار نواب سیف الدولہ کا انھوں نے نہیں کیا، بلکہ لکھنؤ چلے آئے، اور بعد کئی برس کے حیدر آباد کی طرف گئے، وہیں وصال ان کا ہوا۔ اس ایام میں میر شیر علی افسوس کا سن انیس برس کا تھا۔ شعر و سخن کے ساتھ موانست ان کو ہر شدت تھی اور طبیعت کو مناسبت نہایت۔ چنانچہ صغیر سن سے شعر کہتے ہیں اور اکثر اس شغل میں رہتے ہیں۔ صلاح کا اتفاق ان کو میر حیدر علی حیران تخلص سے ہوا ہے، اور علی ابراہیم خاں مرحوم نے شاگردان کو میر حسن حسن تخلص کا لکھا ہے۔ اس کی سند اپنے تئیں نہیں پہنچی، اور یہ خبر اپنے گوش زدن میں ہوئی۔ ابتدا میں یہ سررشتہ روزگار کا نواب سالار جنگ مرحوم کے ملازموں میں رکھتے تھے۔ اور میرزا نواز علی خاں، جو نواب مذکور کے بڑے بیٹے ہیں، گیارہ برس ان کے متعینہ رہے۔ بعد برہم ہونے اس سررشتہ کے، صاحب عالم علیان میرزا جوان بخت جہاں دارشاد کی عنایت اور قدردانی از بسکہ حد سے زیادہ دیگھی۔ سعادت تو سل کی انھوں نے ملازموں میں اس عالی جناب کے حاصل کی جس ایام میں اس نیز اوج شہر یاری کا خیمہ مغرب کی سمت نکلا، اور کوچ شاہ جہان آباد کو ہوا، تو میر مذکور بسبب بعضے بعضے عواض کے رہ گئے، اور ساتھ نہ جاسکے۔ ایک مدت سے بہ توکل وقاعت ہمراہی میں نواب سرفراز الدولہ بہادر کے دن زندگی کے بسر کر رہے تھے، کہ صاحب الامتاق

عالی شان بارلو صاحب نے مشورہ سے عالی قدر سخن آفریں سطر گلرست صاحب زبانا
ریختہ لکھنؤ سے طلب کئے۔ بڑے صاحب نے لکھنؤ کے کہ نام نامی اس معدن رافت کا ہر صاحب
ہے، بہ عزت تمام ان کو بلوا کے، اور مشاہیرہ دوسروں کا ٹھیرا کے، پانچ سو روپیہ خرچ راہ
دیا، اور کلکتے کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ جب مرشد آباد میں یہ آئے، تو د فور محبت سے اسی دن
غریب خانہ میں تشریف لائے، کس واسطے کہ ان کے نکلنے کی تقریب سے دو مہینے آگے راقم حقیر
لکھنؤ سے نکلا تھا، اور واردمرشد آباد کا تھا، دیدار سے اپنے انھوں نے نہایت خوش و خرم کیا۔
اور چلتے ہوئے وعدہ کلکتے کی سیر کا اس عاصی سے لیا۔ غرض بالغصل کہ ۱۲۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری
میں بلدہ کلکتے میں صاحبان عالی شان کے ساتھ میرزا گور ملاقاتیں بہ عزت تمام رکھتے ہیں اور
گلستان کے ترجمہ کا کپنی کی سرکار سے کام رکھتے ہیں۔ راقم آتم سے ملاقات ایام شباب
ہے۔ فی حقیقت کہ ذات ان کی زمانے کے انتخاب سے ہے۔ عجیب جوان خلیق اور اہل دل
ہیں۔ فروتنی اور انکساری میں فرد کامل ہیں۔ منطق و معانی کے بیان میں صاحب استعداد
ہیں۔ کلیات اور معالجات فن طبابت کے بھی بخوبی یاد ہیں۔ شعر عاشقانہ بہت مزے سے

کہتے ہیں۔ اقسام نظم ہیں۔ ۵

کیوں نہ ہو گمخند اس بت پر غور کو
صبر کسی طرح نہیں اس دلِ ناصبور کو
آس بت بے حجاب کا دیویں ابھی اٹھا نقاب
دیکھ کے گا پر اسے تاب ہے اتنی طور کو
پاتی نہیں فقط، نہیں ڈوبی سب کی زنجیر
دیکھنا آج ہم نشیں آنسوؤں کے دفور کو
سچ ہیں یہ خود نمایاں حتیٰ ہیں یہ لہر زباناں
شعلہ طور بجھ گیا دیکھ کے اس کے زور کو
ناز بھرا وہ منہ اگر دیکھے چو اک نظر تو بھر
سمجھ پہ نہ لائے زاہدا بھولے سے ذکر کو
دو کسو نہ طعنہ زن مجھے ناگسوں کی خوشایہ
میں نے ہی کی نہیں فقط، کرتے ہیں ضرب و زور کو

تو نے افسوس کیا کیا، دشمن جاں کو دل دیا
یہ تیری عسل جل بجھے، آگ لگے شعور کو

سمند گرم جو بیاں اس سوار کا پہنچا غبارِ تافلک اس خاک رکا پہنچا
توسیع بنا کہ تجھے اتنی کیوں ہی بے چینی مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا
ملے ہے پاؤں سے لینے وہ لالہ رد ہر دم یہ مرتبہ تو دلِ داغ دار کا پہنچا
ہے بیاں نلک تو نراکت گلوں کے گھر سے لچکنے بگتا ہے اس گلزار کا پہنچا

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس

حصول کیا ہی جو فردہ ہمسایہ کا پہنچا

جب تک نہ عشق یار و نہ دلِ ناکام تھا اپنے میں کیا چین تھا، اور دل کو کیا آرام تھا
بخشید ہم کو نہمے ٹوکا ہے ہم نے بھول کر درِ دل تیسری بلا ہو وہ تراہنام تھا
اس کے اُٹھتے ہی جی پہ آن ہی دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا

صبح نہ کرتا ہے یہ دلِ شکباری بیش تر ہو سحر کو خانہ ماتم میں زاری بیش تر
دل کے تیس بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار بے دفاؤں سے رہی ہی تجھ کو یاری بیش تر
ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر روتے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر
غیروں سے تو ملے تو ملا کر، وے مجھے کرنی نہیں کسی سے ملاقات تجھ بغیر
بزم میں اس کے نہ ہنتے ہیں نہ ہو سکتے ہیں چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے ہیں

کنا میرا مطلق نہیں مانتا ہے تو جیسا ستا ہے جی جانتا ہے

کوئی دل۔ مے پوچھے جیسا یہ وہ لے نالغ تجھ کو نہ خوش آیا یہ پر مجھ کو تو بہا ہے

۴۸۔ آشفۃ - مرزا رضا قلی - "تأمین تحریریں اوراقِ احوال

معلوم نہ شد۔ ظاہر اور لکھنؤ میگزین "علی لطف نے

بہت کچھ لکھا ہے۔ ۸ شعر (۲۸۔ ب)

آشفۃ تخلص، حکیم رضا قلی خاں نام، والد ماجدان کے حکیم محمد شفیع محمد خاں مرحوم تھے

متوطن اکبر آباد کے۔ بڑے بھائی ان کے میرزا ہجو صاحب، خدا منغرت کرے، ذرا ٹھکھل کرتے تھے۔ عجب ونوے اور ذوق شوق کے ساتھ کر بائے معلیٰ گئے، اور وہیں خاک ہوئے، روبرو ضریح مقدس کے دفن ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ ششربھی ان کا، اور جمیع مومنین کا، جناب سید اہل شہداء علیہ السلام کے ساتھ کرے۔ دوسرے بھائی ان کے، میرزا رضی صاحب، وہ بھی ان سے بڑے ہیں، بالفعل لکھنؤ میں داد طبابت اور معالجے کی دے رہے ہیں۔ بیچ تو یہ ہے کہ جو جو اختراعات فن طبابت میں آئندہ نے کئے، دیکھنے کا کیا دخل ہے، کسی نے نہیں سنے۔ خداقت اور لیاقت ان کے خاندان کی نہیں ہے محتاج تشریح اور بیان کی۔ ہمیشہ بزرگ ان کے معالج سلاطین نامدار گئے رہے ہیں، ازرا امیروں سے بلکہ وزیروں سے سدا ناز و انعام ز کیا گئے ہیں۔ غرض حکیم رضائی خاں آشفقتہ تخلص راقم آتم کے دوستانِ قدیم سے۔ جوان آزاد وضع، اور خوش اختلاط وارستہ مزاج، اور مایہ ارتباط میں محبت، اور یکرنگی میں خلاصے، اور آشنائیوں کے بہت خاصے، سنن پرستی میں خود دلیا و شیریں کی تصویر، اور عشق بازی میں قیس و فریاد کے پیر ہیں، مشورا سخن کا انھوں نے میر سوز صاحب سے کیا ہی، لیکن شاگردوں میں ان کے اتنا کوئی نہیں ہوا ہے۔ میر صاحب مذکور کے طرز ادائیہ میں انھوں نے رنگینی کچھ اور بھی زیادہ کی ہے، بیچ تو یہ ہے کہ رنگین ادائی کی داد دی ہی، چندے انھوں نے رفاقت میرزا محمد تقی خاں کی کی، جو کہ پوتے میرزا یوسف کور کے تھے، اس سبب سے دو اڑھائی برس بود و بخش ان کی فیض آباد میں ہوئی تھی، وگرنہ پرورش انھوں نے لکھنؤ میں پائی ہے، اور کیفیت زندگی کی وہیں اٹھائی ہے۔ مسئلہ بارہ سو اٹھ ہجری میں لکھنؤ سے مرشد آباد میں آئے، نواب مبارک الدولہ ناظم صوبہ بنگالہ مرض الموت میں گرفتار تھے اگرچہ معالج میں انھوں نے رنگ مسجائی کے دکھائے، لیکن قضا و قدر سے لاچار تھے۔ بعد نواب مبارک الدولہ کی وفات کے، خلف الصدق سے ان کے، یعنی نواب عبدالغفار الملک سید پر علی خاں بہادر دلیر جنگ سے، نہایت موافقت آئی، اور صحبت نے بہ شدت یکرنگی پائی۔

چنانچہ سات برس کا اس کی خدمت میں رہے، اور قریب لاکھ روپے کے بنگالہ میں پیدا کئے، لیکن خیر کرنے والے بھی ایسے ہی بلائے روزگار تھے، کہ جس دن مرشد آباد سے نکلے تو قرض دار تھے غرضی جج کو ۱۲۱۲ بارہ سو چودہ ہجری میں، اپنے ہی مزاج نازک ناحق روزگار چھوڑ کھلتے میں چلے آئے، اور زمانے کی بے رنگی کو مطلق خیال میں نہ لائے، بالفضل کہ ۱۲۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری میں، نہ عنت تمام کھلتے میں اوقات بسر کرتے ہیں اور اک رنگ کی محبتوں میں دن رات بسر کرتے ہیں طبیعت ان کی موسیقی کی طرف لڑکپن سے ہو، اور ایک مناسبت بھی بھلی چلی ان کو اس فن سے ہو۔ اپنی آشفۃ مزاجی میں غزلوں کو انتظام نہیں دیا ہے، وگرنہ مدت سے ایک دیوان کا سرانجام ہو چکا ہے۔ یہ اشعار ان کے نتائج افکار سے ہیں۔

جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں یہاں تک انتظار تھا دل میں
آبلہ ہو کے دم میں پھوٹ بہا یہ کہاں کا بخار تھا دل میں
مر گئے پر بھی ہم کو خاک نہ دی آج تک یہ غبار تھا دل میں
کھینچے ہی ٹک اسے گمان پر تیر فرماں دوسار تھا دل میں
دم آخر جو بچکی آتی تھی وہ فراموش گار تھا دل میں
دست لب نزع میں جو ہلتے تھے شوق بوس و کنار تھا دل میں
دم شماری تک بھی آشفۃ

قدموں کا شمار تھا دل میں

فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ ادھر ادھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
نہ پیچ و تاب کو بالوں کے طول و اتنا ہمارا دل ہو پریشان دیکھتے جاؤ
بجائے انکھلتے ہیں پار ہائے جگر تمھارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ
دکھانے آئے تھے دامن کے چاک کی خوبی ہمارا چاک گریبان دیکھتے جاؤ

کیا خرید زلیخانے مصر میں یوسف
 اگرچہ ہو نیکی تصدیق لیکن آشفقتہ
 کوئی گھڑی کلہو مان دیکھتے جاؤ
 وصل اس کا خدا قریب کرے
 دیکھیں تب ہم سے کیا رقیب کرے
 ہجرے قتل، وصل سے اجاڑ
 حب میں جو آوے سو حبیب کرے
 گل کا دیکھا چمک کے چپ ہونا
 شو کیوں کر نہ عنذلیب کرے
 مر گیا ایک صنم پر آشفقتہ
 موت ایسی خدا نصیب کرے!

یہ خرابی تو بڑی مجھ پر ترے جانے سے
 کس طرح قید کروں، یہ تو ٹھہرنا ہی نہیں
 میں سمجھتا ہوں کہ تم جا کے نہیں آنے کے
 شعلہ خوار آگے تو اتنا نہ جلاتا تھا مجھے
 دیکھتے ہی اُسے کل میرے یہ ادا سان گئے
 اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو صدقے تو نہ کر
 مجھ کو کہتا ہے صنم، تجھ کو بھی اب بھاگ گئے
 بوسہ کے واسطے چمٹا، تو لگا کہنے مجھے
 ۴۹-۵۲ - دہلوی - اسمش میر محمدی خلف الصدق میر سید محمد سوز تخلص

شاگرد والد ماجد خوش ست - اشعر

۵۰- احسان - اسمش میر تمس الدین خلف میر قمر الدین منت تخلص
 نظر آتا ہی ملکِ دل ڈالنا اجڑا، جلا پھوٹا
 خدا جانے کہ اس لہجے کو کس بے رحم نے لٹا

حرف الباء

۵۱۔ بیدل - مرزا عبدالقادر احوال آں قادر سخن در تذکرہ فارسی مسطور

علی لطف نے قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ ۲۱۲ سطر ۲ شعر (۲۹-۱)

بیدل تخلص، میرزا عبدالقادر نام، قوم چغتای، لیکن نشوونما انھوں نے ہندوستان میں پائی ہے، جو دینِ ذہنِ سلیم، اور ذکاوتِ طبعِ مستقیم کے باعث تصویرِ نازک خیالی کی بہت نگاہ کی کھینچ کر باریک بینیوں کو دکھائی ہے۔ بیشتر اختراعات انھوں نے زبانِ فارسی میں کئے ہیں، لیکن اہل محاورہ کے مقبول نہیں ہوئے ہیں۔ آسمانِ جاہِ محمدِ اعظم شاہ کے ساتھ توسل رکھتے تھے اور موردِ الطاف و عنایتِ شانِ مزاد عالمِ دعالیاں کے رہتے تھے۔ قوتِ جہانی اور طاقتِ بدنی قادرِ قوی نے اتنی انھیں عنایت فرمائی تھی، کہ اور ان کے معاصرین کے حصہ میں کم آئی تھی۔ چنانچہ اک روز رکاب میں شانِ مزادے کی عین سواری کے دوا دوش میں ایک شیر نکل آیا، اور کئی بیچاروں اہل کے ماروں کو ذائقہ مرگ کا اس نے چکھایا۔ آخر میرزائے مذکور کے ہاتھ سے بکری کی طرح مارا گیا، اور اپنی جان سے بچا رہ گیا۔ دفعتاً ایسے روئیِ خلائی سے یہ بشارت ہو کہ روزِ گارِ پاکشیدہ، اور دنیا داری سے دست بردار ہوئے۔ طریقہ فقر اور گوشہ نشینی کا اختیار کیا۔ دل کو فراغِ یاس اور خونِ مناسے رشک گلزار کیا، لیکن دروازہ ان کا کثرتِ اعتقاد سے مسجود خاص و عام تھا، اور بوسہ گاہِ امیرانِ عظام تھا۔ نواب نظام الملک صوبہ دار دکن کا خط مکرر اور متواتر اس مرکزِ دائرہٴ قناعت کی تحریک میں آیا، لیکن قطبِ آسمانِ توکل نے حرکت کو قبول نہ فرمایا۔ ایک بیتِ فارسی نظام الملک کے جواب خط میں لکھی ہے، اس سے قناعت اور جواں مردی اس شیرِ بیشہ استغنا کی معلوم ہوتی ہے۔ اس بیت کو بہ سببِ زبانِ فارسی کے حاشیہ پر

۱۔ دنیا اگر دہند، نہ جنم زجائے خویش من بستہ ام خائے قناعت بہائے خویش

لکھا ہے، اور ترجمہ اس کا اس طرح داخل کتاب کیا ہے ۵
 کب عوض دنیا کے سرکوں جا سے چھوڑوں ٹھاڈوں کو
 باندھی ہے ہندی قناعت کی میں اپنے پانوں کو

کیات ان کا از روئے نظم اور نثر کے قریب لاکھ بیت کے مشہور ہے، لیکن اہل دنیا
 کی تعریف کہیں ایک مصرع میں نہیں مذکور ہے۔ بحر متدارک اور کامل وغیرہ پانچوں وزن،
 جن کے ناظم مخصوص شعرائے عرب ہیں، اور عجم ان سے احتیاط کرتے سب کے سب ہیں،
 اکثر میرزا نے غزل ان اوزان میں کہی ہے، اور داد نازک خیالی کی دی ہے۔ از بس کہ
 مار دیناے دوروزہ کا فنا پر ہے، ۱۳۳۳ گیارہ سو تینتیس ہجری میں بلدہ شاہ جہان آباد کے
 اندر اس سرے فانی سے عالم باقی کی طرف توجہ فرمائی۔ ان دو بیٹوں نے، زبان رنجیتہ میں
 اس قادر سخن کے نام سے شہرت ہے پائی ۵

مت پوچھ دل کی بات، وہ دل کہاں ہے ہم ہیں اس تخم بے نشان کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
 جب دل کے آستان پر عشق آن کر بکا پرا پردے سے یار بولا، بیدل کہاں ہے ہم ہیں
 ۵۲۔ بہار۔ دہلوی۔ نامش رائے ٹیک چند۔ در عربی مناسبت ۵

در فارسی ہمارت داشت۔ بطور سیاحت ایران رفتہ۔

و در لغات فارسی کتابے موسوم بہ بہار عجم نوشتہ

از یاران سراج الدین علی خاں آرزو بود۔ گاہے رنجیتہ

ہم می گفت۔ ایں ایات رنجیتہ قلم دوست ۵

وہی اک رسیاں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں کہیں تیج کا رشتہ کہیں تار کہتے ہیں
 اگر حلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر۔ سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں نہ نار کہتے ہیں

۵۳۔ **بنیوا**۔ موطنش قصبہ سنام از موزدان عہد محمد شاہ مرحوم معاصر

خان آرزو شاہ آبرو بود۔ ایں دو بیت کہ بے نسبیت

در بیاضے بنام سراج الدین علی خاں آرزو ہم دیدہ شدہ

تم ہو بوس و کنار کی صورت میں ہوں اُمید دہ کی صورت

بنیوا ہوں زکات حسن کی دے ادھیاں مال دار کی صورت

۵۴۔ **شاہ بیچھا**۔ دہلوی۔ درویشے بود از طائفہ آزاداں۔ اشعار

بسیار می گفت وی نوشت (۳۰۔ ب)

دل مرا گرد لب یار کے منڈلاتا ہریشکر خور شکر چھوڑ کہاں جاتا ہر

۵۵۔ **بے قید**۔ دہلوی۔ ہمیشہ فضائل علی خاں ابن میر محمد علی خاں ست

کہ در زمان فردوس آرام گاہ اول بنیابت نواب عمدۃ الملک

امیر خاں و بعد ازیں بالاصالۃ صوبہ دار ٹنڈہ بود۔ بالجملة

مثنوی خان مذکور قریب پانصد بیت ست کہ بزبان قدامداریاں

عشق خود با یکے از ارباب طرب گفتہ۔ اما بے نمک واقع است

ایں چند بیت برگزیدہ آں مثنویست - ۳ اشعر (۳۰۔ ج)

۵۶۔ **بیان**۔ احسن اللہ کوئی اضافہ نہیں کیا - ۳ سطر ۵۵ اشعر (۳۲)

بیان تخلص احسان اللہ خاں نام، شاگردوں میں سے مرزا منظر جان جاناں کے تھا
سکونت دہلی میں اختیار کی لیکن متوطن اگر آباد تھا۔ شاگردوں میں سے میرزا بے نمک کے
عاشق مزاج اور بشیریں زبان تھا۔ زبان ریختہ میں صاحب دیوان تھا۔ یہ اشعار منتخب

دیوان اس سخنور خوش بیان کے ہیں۔

وہ بھی کیا دن تھا کہ ہم آغوشِ ہم سے یا تھا

اس تجاہل پر پڑا میں ریتھتا ہوں گوریں

دیکھ کر تابوت کو بہار داروں سے مرے

کوئی کسی کا بیان آشنا نہیں دیکھا

آکر جہیں ہی قاصد نے لیا نام کسی کا

کیوں آج سمانا نہیں اپنے میں خوشی سے

عالم کو تاج و گوہر تخت دلوا دیا

نہ دین سے اطلاع ہے، نہ دنیا کی کچھ خبر

ایسے ہی میرے بخت جو ماتے تھے یزید کے

کب تلک اس کی شکایت ہو نہ لب سے آشنا

غیر کے کہنے پہ مت بیگانہ ہو کیا رگی

ہم دم نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا

آتا ہے تجھ کو ننگ مے نام سے عبت

اگر اک صبح دم آتا وہ اٹھ کر خواب شیریں سے

جگا با مجھ کو گس کم بخت نے ہائے

تو تو ساقی جام ترسا کر ملا تھا مجھے

دو گر اس سے میں کہا، مرنے ہے یہ بیمار حیف

یہ آرزو دیکھ وہ نامہ بر سے لے کا غد

وہ کون دن ہے کہ فردوس کو خطا نہیں نکھتا

بوسہ شک جاتی مٹی ایسے تک بھی آسکتی نہیں

در کے باہر مدعی جوں صورت دیوار تھا

وہ کہ جن کی خشم کا میں عمر بھر بیمار تھا

پوچھنے لاگا کہ اس مردے کو کیا آزار تھا

سوائے اس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

اس نام کے سننے ہی ہو اکام کسی کا

کیا تجھ کو بیاں پہنچا ہے پیغام کسی کا

لے آسمان۔ بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

اس عشق نے غرض میں سب کچھ بھلا دیا

خوابِ عدم سے کاہے کو مجھ کو جگا دیا

ایک بیگانہ ہے مجھ سے اور سب سے آشنا

دیکھ تو لے شورش! میں تیرا ہوں کب سے آشنا

گردوں مرا یہی ہے تو آرام ہو چکا

لے شورش! اب تو شرمین نام ہو چکا

ہمارا کیا گریاں، ناصحوں کا پیر ہن پھٹتا

مری آنکھوں کے آگے وہ ابھی تھا

یار کی آنکھوں نے مجھ کو کر دیا یکبارست

مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ اس کا کیا علاج

بلا سے چارٹ کے پھر ماتہ میں لے کا غد

قلم کے بن کو گئے آگ! اور بٹے کا غد

رحم آتا ہے بیاں اب مجھ کو اپنی آہ پر

اک بار فوجِ عشق پڑے مجھ پہ ٹوٹ کر
لینا اگر ہے دل کو تو نے بھی اسے کہیں
سینہ میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر
ہم سرگزشت کیا کہیں اپنی کہ مثلِ خار
لے کے قرار و دین و دلی و ہوش لوٹ کر
کیا ایسے سے دردِ دل کو کہئے

میں بس کہ خاک میں تیرے کوچے کی مل گیا
تنتا بادشاہی کی کسی سفلہ کو ہو دے گی
تس پر بھی تیرے دل میں ہی مجھ سے غبارِ
مرے دل میں خدائی کا بھی خطو ہو تو کا فرِ

کافر ہو جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو
مت آئیوے وعدہ فراموش تو اب بھی
اک مختصر سی جاہوں میں ہوں اور تو ہو
جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی

آخر تو شکایت سے مجھے منع کرے ہے
جہاں روؤں تمنائیں تری اے شمعِ رویداد
سی دیکھو تلک ہاتھ سے اپنے مرے لب بھی
اوگے آس کل زمین سے شرمگین لالہ انکار

قمارِ عشق کی بازی بھی کچھ دینا سے باہر ہے
آسے کہتے ہیں عاشق جو کوئی یاں نقدِ جاں ہار
مجھ سے اتنا بھی نہیں کتا کہ کیوں دیگر ہے
یہی دل و محنوں کی یک جا اب تلک تصور ہے

چرخ کی برہم زنی سے یہ عجب ہے کیا
شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے
یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے
مر گیا انتظار میں کوئی

جاکو کوئے یا میں کوئی
وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا
سر رکھے اس کنار میں کوئی
خالم یہ تری نگاہ کیا تھی

جادو تھا کہ سحر تھی بلا تھی
کید مرے کہاں ہی خوشدل تھی
ہم سبھی کھبو تو آشنا تھی
آنا ہے اس کی بزم سے بارِ دگر مجھے

پھر لے چلا ہے یہ دلِ وحشی آدمِ مجھے
تو کیوں نے یہے فلک نے میاں بال پر مجھے
کچھ قفس سوا میری قسمت میں جا نہ تھی
رہا بھی سے کرتی ہوائِ چشمِ تر مجھے

آیا ہوں اس گل سے ابھی دم نہیں لیا
کچھ قفس سوا میری قسمت میں جا نہ تھی
رہا بھی سے کرتی ہوائِ چشمِ تر مجھے
پھر لے چلا ہے یہ دلِ وحشی آدمِ مجھے

تو کیوں نے یہے فلک نے میاں بال پر مجھے
کچھ قفس سوا میری قسمت میں جا نہ تھی
رہا بھی سے کرتی ہوائِ چشمِ تر مجھے
پھر لے چلا ہے یہ دلِ وحشی آدمِ مجھے

تو کیوں نے یہے فلک نے میاں بال پر مجھے
کچھ قفس سوا میری قسمت میں جا نہ تھی
رہا بھی سے کرتی ہوائِ چشمِ تر مجھے
پھر لے چلا ہے یہ دلِ وحشی آدمِ مجھے

تو کیوں نے یہے فلک نے میاں بال پر مجھے
کچھ قفس سوا میری قسمت میں جا نہ تھی
رہا بھی سے کرتی ہوائِ چشمِ تر مجھے
پھر لے چلا ہے یہ دلِ وحشی آدمِ مجھے

جھگڑتے تجھ سے پیارے حجاب آتا ہے دگر نہ بات کا تیری جواب آتا ہے
 پیو شراب جو انو! کہ موسم گل ہے ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے
 اپنے دل سے بھی عداوت ہو گئی ہر اب مجھے دشمن جانی ہے میرا جو کوئی چاہے مجھے
 کوئی جز قیس نہ دیوانہ ہو سکی گا میں تے عہد میں دیکھوں تیں جدھر خجوں
 کیا زلف میں اُس شوخ کے تھی دیکھی صبح یا شام سے پھولی تھی کسی شب کی صبح
 لہک زلف کو میں ہاتھ لگایا کہ اودھر ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

رباعیات

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیں گا عالم کے غضب سے جان کھوتا ہیں گا
 پنچوں کو صبا کہیو کہ آہستہ کھلیں زانو پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیں گا

مت کہیو بیاں جام اجل پیتا ہے یا اُس کے لئے کوئی کفن سیتا ہے
 یارو جو مے حال کو پوچھے وہ شوخ اتنا کہیو کہ اب تک جیتا ہے

سو طرح سے یہ عشق بُھاتا ہے مجھے ہر چیز میں یک جلوہ دکھاتا ہے مجھے
 کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یار ب! ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہے مجھے

کہتا ہوں جناب حق میں ڈرتے ڈرتے مدت گزری دعا ہی کرتے کرتے
 ہے اُس کو یہ قدرت کہ بیاں سا محروم منہ یار کا دیکھ لیوے مرتے مرتے

۵۷ - پیام - دہلوی - سہمش شرف الدین علی خاں - در زمان محمد شاہ
 فردوس آرام گاہ بود از دست (۳۲ - ۱)

دل کے کج کلاہ لڑکونے کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ٹوٹی دالوں نے قتل عام کیا
بات منصور کی فضولی ہم در نہ عاشق کی آہ سولی پر

۵۸۔ بکھاری لعل دہلوی۔ در عصر احمد شاہ بادشاہ ابن

فردوس آرام گاہ بود۔ از دست - (۳۲)

کستا نہیں کہ ہجر میں کوئی یار چاہئے ایک نالہ بس ہی گر مجھے غنوار چاہئے

۵۹۔ بیرنگ۔ نامش دلاور خاں معاصر مرزا محمد رفیع سودا بود گویند

در دہلی حلت نمود۔ از دست (۳۲)

دل کو تجھ عشق میں تسر نہیں اب تلک تجھ کو اعتبار نہیں

۶۰۔ بیکل۔ دولت آبادی۔ نامش سید عبدالوہاب بود۔ استفادہ از میر عبدولی

عزالت تخلص صورتے می نمود۔ راقم حقیر مذکور را در حکومت

نواب سراج الدولہ ناظم بنگالہ دیدہ است۔ از دست -

مرا دل لگر خاں یہ ساتھ لے گئے خاک کی طرح ہاتھوں ہاتھ لے گئے

تری زلفوں نے کسی کسی سچ کھلا دل بے کل کو راتوں رات لے گئے

۶۱۔ بیتاب۔ نامش محمد اسماعیل شاگرد یک رنگ بود از دست

نہ ہوتا اگر کسی سے مبتلا دل تو کیا آرام سے رہتا مرا دل

بنجانوں کس پری رو کی نظر ہے ابھی تو تھا مرا چنگا بھلا دل

۶۲۔ بیتاب۔ نامش سنتو کہ رائے۔ معاصر میں محمد قائم، قائم تخلص

آزادہ مشرب بود۔ ۳ شعر (۳۲۔ ب)

۶۳۔ بیتاب۔ شاہ محمد علیم برادر کتر قاضی مفتی از سلسلہ نجبا۔ و با علوم سمیہ

آشناست۔ ہر چند راقم آثم اور اندیدہ۔ و صفات حمیدہ اور
از زبان بعضے شنیدہ۔ از موزونان عمدہ شاہ عالم بادشاہ

از دست ۷

رفتہ رفتہ بت خوش قدم آفت ہوگا قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہوگا
نگیں کی طرزیہ کیا مجھ کو سخت بھاتی ہے کہ ایک نام کی خاطر جگر کھداتی ہے

۶۴۔ پاکباز۔ نامش میر صلاح الدین پسر سید جمال از بنابر سید جلال است

در دہلی اشعار خود از نظر مصطفیٰ خاں یکزیگ و میر عبد الولی

عزت تخلص صورتی می گزیرانید ۷

مجھے درد و الم رہتا ہر نیت گھیرے میں خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میں صفا

۶۵۔ بقا۔ اسمش بقا واللہ۔ خاصہ اضافہ کیا ہے ۱/۴ سطر ۲ شعر (۲۳۔ ل)

بقا تخلص، محمد بقا نام، بیٹا حافظ لطف اللہ کاشا گردوں میں سے میرزا فخر
تخلص کے تھا۔ فی الحقیقت عزت زکۃ سنج و باریک میں، و معنی بند و سخن آفرین تھا۔ میرزا
رفیع سودا تخلص کے سمجھ اکثر چڑھا، اور اس تنگ بجر معانی کے ہجو میں کچھ کچھ وہاں
کمر بجا، لیکن میرزائے مرحوم نے مطلق اعتناء نہ کی، اور یہ بات کہی کہ میں نے جس کی

ہجڑی، نام اس کا اسی تقریب تمام عالم میں ہوا مشہور ہے، سو تیری ہجڑہ کروں گا، کہ تیرا مشہور کرنا مجھے نہیں منظور ہے۔ غرض اس عزیزے زمانے نے موافقت کبھی نہ کی اور صورت روزگار کی بیچارے نے آئینے میں خیال کے بھی نہ دیکھی۔ افلاس سے تنگ آکر کسی کے کہے سے کچھ اعمالِ نیک کو اکب کے شروع کئے تھے۔ خیال میں اس سوداے خام کے مجنوں ہوئے، اور جب تک جئے سودائی رہے۔ سلا بارہ سوچہ ہجڑی تھی کہ حالت میں سودائی کے یہ بات سوچی کہ تحصیل دولتِ عقبیٰ کی کیجئے اور خاکِ راہ سے کربلاء معلماً اور نجف اشرف کے دیدہ دل میں سرمہ حق نہا دیجئے۔ یہ عزم کر کے جہاز پر سوار ہوئے اور منزل مقصود کی طرف قدم گزاری ہوئے۔ اثنائے راہ میں اس دار فناء سے موافق نام اپنے کے، سفر ملک بھاگایا۔ خوشایہ حال کہ انجام تو بہ خیر ہوا۔

یہ چند شعر اس راہِ رو جادۂ بقا کے گوشۂ خاطر میں تھے، سو لکھے جاتے ہیں۔
 یاد میں تڑپے ہے دل اس اربے خمدار کی آج کچھ ناخن بدل ہے آہ! اس باری کی
 دیکھئے، ہیں منصبِ مجنوں یہ پیلِ اصفیٰ خاک میں ہم کو ملا، کس کو سرفراز کریں
 کیا خط لکھیں اس کو حرکت ہاتھ سے کم ہر خامہ مرے اب ہاتھ میں گشتِ ششم ہو
 کس نے چمن میں رنج کیا عندلیب کو غنچے رہے ہیں انوتوں میں اب اپنی حبیب کو
 اس لبے کچھ نہ چوسے قلع، اور قلع سے ہم تو کیوں ملے سب سے قلع، اور قلع سے ہم
 پاتے ہیں میکدے میں بقا روز فیض سے خم سے سب سے قلع، اور قلع سے ہم

۶۶۔ بیدار میر محمدی۔ کوئی اضافہ نہیں۔ ۳ سطر ۷۵ شعر
 بیدار تخلص میر محمدی نام شاہ جہان آبادی، دوستوں میں سے خواجہ میر دردو
 کے تھے تراکت سے معنی کے بخوبی آشنا، اور زباں دانانِ دلی سے ہمیشہ ہم نوا رہے ہیں
 کہتے ہیں کہ کلام اپنا انھوں نے اصلاح کی تقریب سے خواجہ میر دردو کو دکھایا ہے اور

اُس نقادِ زار معانی سے فائدہ بہت سا اٹھایا ہے۔ زبانِ ریختہ میں صاحبِ دیوان ہیں
کچھ اشعار منتخب ان کے دیوان کے نکلے گئے یہاں ہیں،

تو نے جو مدتوں میں ادھر کو گزر کیا نالے نے آج کچھ تو ہمارے اثر کیا
غیرت نہ آوے تجھ کو شکرِ نزارِ حریف جس دل میں تو مقیم تھا وہاں غم نے گھر کیا
ہم غافلوں کی آہ نہ اودھر نظر گئی اُس نے ہزار اپنے تیس جلوہ گر کیا
اس کھیل سے کہ اپنی قرۃ کو کہانے عالم کو نیزہ بازی سے زبرد زہر کیا
دیوانے کو بری سے پھر کب دیا دو چار لے آنکھوں کیا کیا مے جی کا مہر کیا
کیدھر ہے تو کہاں ہر اجابت کبارا میں نے بلند دست دعا ہر سحر کیا

بیدار لیے رونے سے اماں باز آ

دامانِ وائیں کو تو لو ہو سے ترکیا

آنکھوں میں چار ماہ ہے از بس کہ نور تیرا ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ ظہور تیرا
بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلوہ اُس کو جو تو نہ دیکھے ہیگا قصور تیرا
جب کما میں نے کہ لے سردِ ریا میں خوبی کس کا تو آفتِ جاں ہے تو کہا تجھ کو کیا
کنے کا دلِ گم گشتہ ہے تیرا مجھ پاس جب کہا میں نے کہاں ہے تو کہا تجھ کو کیا

یہ کون ہے شکار نکلا ہر دل ہو اُمیدوار نکلا

جینے کی نہیں ہے آس مجھ کو تیرا کس جگر کے پار نکلا

ہم خاک ہی ہو گئے پر اب تک دل سے نہ ترے بخار نکلا

جب بام پہ بے نقاب ہو کر وہ صبح کو ایک بار نکلا

اُس دُشمنِ مقابل اُس کے خورشید نکلا بھی تو شرمسار نکلا

نالہ ہر چند ہم نے کر دیکھا آہ اب تک نہ کچھ اثر دیکھا

آج کیا جی میں آگیا تیرے تبستم ہو جو ادھر دیکھا

بے بیدار کی آنکھوں سے ساقی اشکِ شرحِ ایسے _____ مے گلگون کا کوچ میں گویا تیرے سب کو ٹٹا
 تہنہ خطِ تیرے عارض پہ نمودار ہوا _____ جیسا اس آئینہ صاف پہ رنگار ہوا
 آج آتا ہے نظرونِ مری آنکھوں میں سیاہ _____ رات اس زلف میں دل کس کا گرفتار ہوا
 کیچنچ کر زلف کی تصویر کو خط میں بھجوں _____ تاکہ معلوم کرے حالِ پریشان مرا
 لے شانہ کھولیں گہر زلفِ سوچ کر _____ دل سیکڑوں میں اس میں گرفتار دکھنا
 ہم چشمِ ابر دیدہ تر گرچہ ہو سکا _____ لیکن غبارِ غم سے دل سے نہ دھو سکا
 جواب کے چھوڑے مجھے غم تری جدائی کا _____ تمام عمر نہ لوں نامِ آشنائی کا
 اُگے ہے پنجہ مر جاں مزار سے اُس کے _____ شہید ہو جو کوئی اُس کعبِ حنائی کا
 مرے قدم سے ہے سرسبز بوستانِ جنوں _____ ہر ایک آبلہ گل ہے برہمنہ بانی کا
 کہو تو کس سے میں پوچھوں نشانِ خاکِ نہ دوست _____ کہ آشیانہ عفا ہے آستانہ دوست
 حالِ تن سن کے ہنس دیا میرا _____ کچھ تو آیا ہے مہرِ بانی پر
 آج ساقی دیکھ تو کیا ہے عجب نگیں ہوا _____ سخن نے کالی گٹھا اور سبز ہے مینا کا رنگ
 اُس سے دو چار ہو گئے ہم _____ سو جی سے شمار ہو گئے ہم
 فزاک میں باندھ خواہت باندھ _____ اب تیرے شکار ہو گئے ہم
 آئری گل میں مر گئے ہم _____ جی تھا سو شمار ہو گئے ہم
 خاکِ عاشق ہے جو ہوتی ہی شمارِ دہن _____ لے مری جان تو مت بھارِ غبارِ دہن
 خلشِ غبارِ رِ عشق سے اب لے ناصح _____ نہ رہا ایک بھی ثابت مرا تارِ دہن
 ہم ترے اس دلِ نازک سے خطر کرتے ہیں _____ در نہ یہ ناپے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
 شبِ ہجر میں نہ پوچھو کہ میں کیا کرتا ہوں _____ صبح تک شمع کی مانند جلا کرتا ہوں
 صورتِ اُس کی سا گئی دہن میں _____ آہ کیا آن جا گئی دل میں
 تم کو کہتے ہیں کہ عاشق کا فغاں سنتے ہیں _____ یہ تو کہتے ہیں کہ باتیں ہیں کہاں سنتے ہیں

اٹھ گیا ہم سے گو مکدر ہو
 اس سے بیدار بات تو معلوم
 خوش رہے وہ جہاں ہو حیدر ہو
 دیکھنا بھی کیس میسر ہو
 دیکھ کر مٹا ہے نگاہوں میں شکار
 دیکھ کر مری آنکھوں کی بہار
 نہ پڑے شمع پہ ہرگز نظر پروانہ
 شام کتے ہیں جسے ہے سحر پروانہ
 دیکھو بے بزم نشیناں ہنر پروانہ
 رشتہ شمع سے باندھ ہے ہر پروانہ
 دووں ہاتھوں سستی بیاسی بلائیں شانہ
 ہاتھ اٹھایوں نہ کرے جھکدو عائن شانہ
 دیکھ لے کاکل مشکیں کی و فائیں شانہ
 سحر وصل کو مدت ہوئی ہوتے ہوتے
 کون سی شب کہ نہ گزری مجھے روتے روتے
 بلس زار سے کیوں کر کہ گستاں چھوٹے
 جو ترے ہاتھ ہے ناصح مراد اماں چھوٹے
 تو مشک چین کو بچہ دلدار نہ ہووے
 وہ مست قیامت کو بھی ہشیار نہ ہووے
 ممکن ہے کہ معشوق دل آزار نہ ہووے
 لے ستمگر یہ کیا قیامت ہے
 دل صد چاک کی کنایت ہے
 اٹھ گیا ہم سے گو مکدر ہو
 اس سے بیدار بات تو معلوم
 دیکھ کر مٹا ہے نگاہوں میں شکار
 دیکھ کر مری آنکھوں کی بہار
 نہ پڑے شمع پہ ہرگز نظر پروانہ
 شام کتے ہیں جسے ہے سحر پروانہ
 دیکھو بے بزم نشیناں ہنر پروانہ
 رشتہ شمع سے باندھ ہے ہر پروانہ
 دووں ہاتھوں سستی بیاسی بلائیں شانہ
 ہاتھ اٹھایوں نہ کرے جھکدو عائن شانہ
 دیکھ لے کاکل مشکیں کی و فائیں شانہ
 سحر وصل کو مدت ہوئی ہوتے ہوتے
 کون سی شب کہ نہ گزری مجھے روتے روتے
 بلس زار سے کیوں کر کہ گستاں چھوٹے
 جو ترے ہاتھ ہے ناصح مراد اماں چھوٹے
 تو مشک چین کو بچہ دلدار نہ ہووے
 وہ مست قیامت کو بھی ہشیار نہ ہووے
 ممکن ہے کہ معشوق دل آزار نہ ہووے
 لے ستمگر یہ کیا قیامت ہے
 دل صد چاک کی کنایت ہے
 اٹھ گیا ہم سے گو مکدر ہو
 اس سے بیدار بات تو معلوم
 دیکھ کر مٹا ہے نگاہوں میں شکار
 دیکھ کر مری آنکھوں کی بہار
 نہ پڑے شمع پہ ہرگز نظر پروانہ
 شام کتے ہیں جسے ہے سحر پروانہ
 دیکھو بے بزم نشیناں ہنر پروانہ
 رشتہ شمع سے باندھ ہے ہر پروانہ
 دووں ہاتھوں سستی بیاسی بلائیں شانہ
 ہاتھ اٹھایوں نہ کرے جھکدو عائن شانہ
 دیکھ لے کاکل مشکیں کی و فائیں شانہ
 سحر وصل کو مدت ہوئی ہوتے ہوتے
 کون سی شب کہ نہ گزری مجھے روتے روتے
 بلس زار سے کیوں کر کہ گستاں چھوٹے
 جو ترے ہاتھ ہے ناصح مراد اماں چھوٹے
 تو مشک چین کو بچہ دلدار نہ ہووے
 وہ مست قیامت کو بھی ہشیار نہ ہووے
 ممکن ہے کہ معشوق دل آزار نہ ہووے
 لے ستمگر یہ کیا قیامت ہے
 دل صد چاک کی کنایت ہے

جس دن تم آکے ہم سے ہم آغوش ہو گئے ——— تنکو بے جودل میں تھے سوزِ امون ہو گئے
 کہاں ہو تو کہ میں کھینچوں ہوں راہ میں تیری ——— بزرگِ نقشِ قدم انتظار آنکھوں سے
 اب تک مرے احوال سے وہاں بخبری ہے ——— اے نالہ، جاں سوز یہ کیا بے اثری ہے
 فولاد دلاں چھوڑ پور زہنسا رہ نہ مجھ کو ——— چھاتی مری جوں سنگِ شزاروں بھری ہے
 کس باغ سے آتی ہے بتا مجھ کو کہ یہ آج ——— کچھ اور ہی بوتھ میں نسیمِ سحری ہے
 لبِ رنگیں میں ترے رشکِ غفیتِ یمنی ——— زیب دیتی ہے مجھے نامِ خدا کم سخن
 ہار پہنستے تھے جو پھولوں کے نشاں ہر رنگ ——— ختم ہے گلدنوں میں تری نازک بدنی
 نشہ میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے ——— اتنی رخصت دیجئے بندہ نوازی کیجئے
 زاہد اس راہ نہ آست ہیں میخوار کئی ——— ابھی بیاں چھین لئے جبہ و دستار کئی
 کفِ پا میں ترے صحرا کی نشانی بیدار ——— مر گیا تو بھی پھپھو لوں میں رہے خار کئی
 میرِ مجلسِ رنداں آج وہ شرابی ہے ——— خونِ دل جس سے مر بادۂ گلابی ہے
 ترے اے پری پیکرِ سینہ پر نہیں پتاں ——— طاقِ حسن پہ گویا شیشہ، جبابی ہے
 دوستو جانے دو اب ہاتھ اٹھاؤ ہم سے ——— یہ ہے وہ زخم کہ بہ ہو نہ کسی مرہم سے
 مہرباں خیر تو ہے کس پہ یہ غصہ کیجئے ——— آج آتے ہو نظر کچھ تو مجھے برہم سے
 جو کچھ چاہیے آپ فرمائیے ——— یہ غیروں کی باتیں نہ سنوائیے
 ڈراتے ہو کیا قتل کرنے سے ہم کو ——— اگر یوں ہی جی میں ہے آجائیے

رباعی

بیدار رواں ہے اشکِ دریا دریا ——— بتلا تو کہ ہے دیدہ تر دریا دریا
 رونے سے ترے تمام خانہ ہے خراب ——— حیراں ہوں میں اس میں ہے گمراہ دریا

۶۷۔ پروانہ۔ مراد آبادی۔ اسمش سید پروان علی درین زماں کہ عہد
عالم شاہ است شیندہ شد ترک دنیا داری کردہ لباس فقہ
پوشیدہ از دست ۵

الفت جو کہ ہے تم نے میاں اس کا ساتھ دو
یاد دل جو لے گئے ہو مرا میرے ہاتھ دو
اپنا قد و زانو سے اب اتنا تنگ ہے جو دم ہے زندگی کا سوشیشہ پہ سنگ ہے
۶۸۔ پروانہ۔ اسمش راجہ جنوت سنگہ پسر مہاراجہ بنی بہادر و شاگرد
لالہ سرپ سکھ دیوانہ تخلص ست۔ بحال کہ سال بیت و چہارم
جلوس شاہ عالم بادشاہ است در کھنوی گزرا ند۔ موزنی
طبع شعر فارسی و ہندی می گوید۔

یوں آگ دی جگر کو میں اس کی داغ کرتے ہیں جوں چراغ کو روشن چراغ سے
بیل زرا تو دیکھ کہ گلچیں چمن میں آج بو کر رہا ہو گل کے تئیں کس داغ سے
۶۹۔ بسمل۔ حاشیہ معلوم نیست (۳۲-۱) ۵

باشد نام عشق کا ہر گز نہ لیجئے
سب کیجئے یہ ایک محبت نہ کیجئے

۷۰۔ بسمل۔ اسمش گدا علی بیگ۔ درین زماں کہ عہد شاہ عالم بادشاہ است
شیندہ شد در فیض آباد میگزرا ند مشنوی دینوک نامہ

صیاد فائدہ ہے رہائی سے کیا مجھے اڑنے سے جب مرا پر پرواز ہی رہا
 سدا نکلا ہی کرتا ہے گھل کر آتش غم سے سرشک آنکھوں سے میری روغنِ بادام کی صورت
 خدا ہرگز نہ دکھلا دے کسی کو غیر بس کے تمہارے خجھر مڑگانِ خوشِ آشام کی صورت
 تیرنگاہ بسکہ لگی جھوٹ جھوٹ کر چھاتی مشبکہ وار ہوئی پھوٹ پھوٹ کر
 یہ داغِ عشق مثل نے نئے نواز کے نکلتے بند بند سے اب پھوٹ پھوٹ کر
 پہلو میں رکھوں میں دلِ ناشاد کہاں تک لے درد کروں نالہ و فریاد کہاں تک
 در آج قفس کا ہے کھلا کیجئے پرواز لے ہم قفساں خاطرِ صیاد کہاں تک
 زلنے سے نرے ہیں جگر افکار کہتا ہوں کہ لوگ ابرو جسے کہتے ہیں میں تروا کہتا ہوں
 جز یاد حق نہ ہو ترے دل میں کبھو گرہ لے سجھ دار مٹنے پہ اگر اپنے تو گرہ
 ہر دم نمود قبضہ ششیر کی طرح رہتی ہے ابروؤں میں ترے تند خو گرہ
 دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی کیا مہربانیاں ہیں مرے مہربان کی
 دردِ دوالم سے منزلت دل پر بس بند یعنی کیس سے ہے گی بزرگی مکان کی
 لے خانہ اس غلام ارشاد کیجئے گو کام کا نہ ہوئے تو آزاد کیجئے
 کوئے بتاں تلک تو رسائی محال ہے جب تک یہ مشتِ خاک نہ برباد کیجئے
 پیارے یہ وضع چشمِ مروت سے دور ہے دل لے کے اس طرح بھی نہ آنکھیں چھائیے
 رو برو تیرے ہی گرفتارم نہ یہ دل کیجئے پھر اس آئینہ کو جا کس کے مقابل کیجئے
 اٹھتا ہے وہ غبار ہمارے مزار سے مگر لیا کرے ہے جونت کو ہمارے
 آوارگی سے بات کروں آہ کس طرح دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے
 گر یہ افزا اس قدر اعضا مرے سارے ہو ہر بنِ موجودش سے آنسو کے قوارے ہو
 پیش آئی ہمارے وہ جو کچھ کہ تمہی پیش آئی اب یہ دردِ دولت ہی اور اپنی یہ پیشانی
 عشق کی بازی میں بسمل دل جلتے درکار ہے کس لئے تو اس قدر مٹھا ہے جی ہلے ہو

تیری ہی یاد ذکر ہی تیرا ہر آن ہے۔ گویا کہ اس لئے مرے مٹھ میں نہاں ہے
 عمدہ پیمانِ بتاں بسکہ بہ سالوسی ہے۔ ایک اُمید تو سو باعثِ مایوسی ہے
 داغِ آتے ہی دیئے عشق نے تیرے کہ تمام۔ مومبوتن پہ مرے جلوہ طاؤسی ہے
 آئیے جلد کہ بسملِ مجروحِ ہنوز۔ ہر لبِ زخم سے مشتاقِ قدیموتی ہے

رباعی
 دُکھ درد کو کب تک حکایت کیجئے دوراں کی کہاں تک شکایت کیجئے
 اس کشورِ دل پہ فوجِ غم کا ہے ہجوم یا شاہِ نجف میری حمایت کیجئے

حرف التاء

۷۲۔ تانا شاہ - بہت کچھ اضافہ کیا ہے - ۲ سطر، اشعر - (۳ - ۱)

نام نامی، وراسم گرامی اس بادشاہِ عشرت دوست کا ابو الحسن تانا شاہ ہے۔ سلاطین
 نامدار اور خواتین عالی مقدار دکن سے تھا اگرچہ شہرِ اعیش و نشاط کا اور آوازہ مسرت و
 انبساط کا اس میں مجسم کے ماہ سے ماہی تک مشہور ہے، لیکن کچھ تھوڑا سا احوال اس سرورِ آرا
 بارگاہِ عیش و کامرانی کا بیاں لکھنا ضرور ہے جس ایام میں کہ عالم گیر خلد مکان نے عادل شاہی
 اور نظام شاہیوں کو زیرِ دُزبِ کیا اور صوبہ دکن کو بعدِ بیت سی خرابی کے لیا، تو ابو الحسن
 تانا شاہ بھی نظرِ ہندی میں آئے اور فلکِ نیرنگ بانے بدنے اس عیش و عشرت کے
 اور ہی رنگ دکھائے۔ سامانِ عیش سب برہم ہوا، اور مجمعِ اربابِ نشاط حلقہ قائم ہوا۔
 خلد مکان نے جس قدر تلکی ان کی اوقات میں چاہی، انہوں نے قبول کیا، لیکن حقہ کے
 مقدمہ میں بہت سماجت کے ساتھ اتنی بات کہلا بھیجی کہ اس کا شوق مجھے نہایت ہے،
 جو رعایت کہ اس کے سامان میں ہوگی وہ عین غنایت ہوگی، از بسکہ یہ بادشاہ

عشرت دوست آٹھ ہر شیشہ عیش میں غمور رہتا تھا، حقہ ایک دم منہ سے نہیں چھٹتا تھا اور یہ بھی معمول تھا کہ بعد ہر حلیم کے ایک شیشہ سے گلاب کے حقہ تازہ ہو دے، پھر ایک شیشہ میں بید مشک کے حقہ بردار نیچے کو جھگوڑے، شعل میں عیش و نشاط کے از بسکہ دن کو کم سوتے تھے، سیکڑوں شیشہ گلاب خالص اور عرق بید مشک کے دن رات میں خرچ ہوتے تھے۔ یہ سب احوال مفصل غلام مکان کو معلوم تھا۔ علاوہ اس کے بادشاہ نے اس عجز سے کھلا بھیجا۔ بارہ سولہ شیشہ گلاب کے اور آٹھ شیشہ بید مشک کے حکم فرمائے۔ سبحان اللہ! یا تو حقہ آٹھ ہر منہ سے نہیں چھٹتا تھا اور ان کے دو دھخل کے رشک سے دھواں حد کا حقہ سر آسمان میں گھٹتا تھا، یا بیچے فلک حقہ باز کی آٹھ چلیں دن رات میں یہ پیتے تھے اور گھونٹ گھونٹ کر عجب بیچ و تاب کے ساتھ جیتے تھے۔ اس میں بعد کئی دن کے حضرت غلام مکان نے فرمایا کہ سولہ شیشہ گلاب اور بید مشک کے ہر روز حقہ کے مصرف میں آنے اسراف ہے، اور امورات شرعی میں پاس خاطر بیجا بیجا، اور تکلیف رسمی معاف ہے۔ آٹھ شیشہ ہر روز یہاں سے جایا کریں۔ ایک شیشہ سے بعد ہر حلیم کے حقہ تازہ کر کے آٹھ چلیں دن رات میں پیئیں جب حضور سے ہر روز آٹھ شیشے آنے لگے، تو یہ دن رات میں لاچار چار چلوں سے دل بہلانے لگے۔ یہ ماجرا سن کر غلام مکان نے صندوق کے مارے چار شیشوں کی اولہ تخفیف کی۔ انھوں نے اپنے حقہ بردار کو دو چلوں کی پروا نہ کی دی۔ بعد کئی دن کے جب دو شیشے اور کم ہوئے تو ایک حلیم دن رات میں یہ پیا کرتے تھے۔ جس دن ان دونوں شیشوں کا بھی آنا موقوف ہوا، اس دن انھوں نے عرض کیا۔ جہاں پناہ کی دولت سے اتنا کچھ بعد خرچ کے جمع کیا ہے کہ دس چلیں روز اسی خرچ کے ساتھ سالانہ سال پلا سکتا ہے، امید ہے کہ بھٹی خانی کے خرچ کا غلام کو حکم ہو دے کہ نہال نمک حلال کا زمین میں سرخروئی کے ہو دے ارشاد فرمایا کہ حضرت آٹھ

کو امورات شرمی کا بہشت شدت و حیان ہے، اگرچہ مسجد کا کھود ڈالنا، خزانہ اُس کے نیچے
گڑا سُن کر نہایت آسان ہے، 'توجہ ہمارے مصرف بیجا کا کیفل ہوتا ہے ابھی ایک دم میں
جمع پونجی سر پر ہاتھ دھر کے روتا ہے۔ غرض اُس دن سے پھر حقہ نہ پیا، جب تک کہ ان کی
نظر بندی میں رہے اور اس سرائے فانی سے عالم باقی کو تشریف لے گئے۔ بسمان پٹنہ
چشم حقیقت میں سے اگر کوئی دیکھے تو دنیا جائے حسرت ہو، بلکہ خانہ رحمت ہے۔

کدھر ہیں خسرو و جم لطف کی قباد کدھر کہاں سکندر و دارا کہاں ہے کیا کدھر
جو مست جاہ ہیں گمیں و چشمِ عبرت کچھ ان کے ساتھ گیا غیر حسرت و اسوس
اگرچہ ملک گیری اور کشور کشائی کے معاملہ کو سمجھنا شاہانِ عالی تبار پر ختم ہوا ہے،
گدائے گوشہ نشین کو دخل ان امورات میں کیا ہے۔ لیکن بعضے دانشمند کہتے ہیں کہ غلط محال
استیصال بادشاہانِ دکن کا جو اس محنت سے کیا اور مکہ مسجد کھدوا کے وہ کچھ مظلمہ اپنی
گردن پر لیا، خدا جانے اس حرکت کا کیا مفاد ہے۔ تحصیل حاصل سے بھی اس میں کچھ کیفیت
زیادہ ہے۔ کس واسطے کہ پیش از تسخیر دکن کے بھی خراج و باج اس طرف چلا آتا تھا اور
بادشاہانِ ہندوستان کا شہنشاہ کہتا تھا۔ مال اس مشقت کا عجوبہ نظر آیا، کہ اس
حسن تردد نے شاہنشاہ کو بادشاہ کر دکھایا ہے

واقف رموزِ ملک ہیں شاہ و شہزاد

ہے تو گدائے گوشہ نشین لطف کچھ نہ بول

غرض شاہ عالی جاہ ابوالحسن تانا شاہ کی طرف لوگ اس مطلع کو منسوب کرتے ہیں
اور باعتبار محاورہ دکن کے اور بندشِ قدیم کے کہ اس مطلع میں ہے، ابراہیم خاں مجوم
بھی گھٹکوپر لوگوں کی گوشش دل کو دھرتے ہیں۔ مطلع یہ ہے :-

کس درکوں جاؤں کہاں، مجھ دل پہ پھل بھرا ہے

اک بات کہ ہوئے سخن، یہاں جی ہی بارہ باسک

۳۔ - تاباں - اسمش میر عبدالحی جو ان رعنائے منظورِ ناظرانِ عامہ مفتون

سیلماں نامی بود در آوانِ جوانی زمانِ فردوسِ آراہ گاہ
انتقال نمود بجالست با مرزا منظر و مرزا محمد رفیع سودا داشت
زیبائی اور روشن تر از سخن سرائی او بود از دوست

(۶۰ شعر)

تاباں تخلص میر عبدالحی نام، شاہ جہان آبادی۔ نہایت عزیز خوب صورت اور صاحبِ حال تھا، ایسا کہ دلی سے شہر میں بے مثال تھا۔ ہندو مسلمان ہر گلی کوچہ میں ایک نگاہ پر اس کے لاکھ جان سے دین و دل نذر کرتے تھے اور پرے کے پرے عاشقانِ جانناز کے یاویں اس لبِ جاں بخش، میساجدِ مہر کے مرتے تھے۔ تخلص یہ ہے کہ اس رعنائی اور دل ربائی پر خود بدولت بھی دل کو کھو بیٹھے تھے اور ہنستے ہنستے بے اختیار صبر اور اختیار کو رو بیٹھے تھے۔ اس بے دردی اور شیریں ادائی پر مانند فرہاد کے چاشنی درد سے آگاہ، اس سرد مہر اور نیکیِ صفتی پر مانند مجنوں کے ہمیشہ سرگرم ناہ و آہ تھے، یعنی ایک سلیمان نام لڑکے کو چاہتے تھے اور اُس کے دردِ محبت سے باوجود وصل کے آٹھ پہر کراہتے تھے۔ وہی سلیمان کہ بالفعل شاہ سلیمان کر کے معروف تھا اور ادا کرنے میں راہ و رسم درویشی کے بہ شدت مصروف، اس موضعِ ضعف نے عالمِ پیری اُس کا سن ۲۰ بارہ سوا ایک ہجری تھے کہ بلدہ لکھنؤ میں دیکھا۔ اگرچہ پریش سیف اور قد خمیدہ رکھتا تھا لیکن اس کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کسی وقت میں بڑے بڑے گردن کش، سوئی کے ناکے سے نکالے ہوں گے۔ غرض میر عبدالحی تاباں تخلص۔ میرزا جان جاہاں مظہر سے اور مرزا رفیع سودا سے ہمیشہ محبت رکھتے تھے، بلکہ میرزا رفیع سودا بنا براک نظر توجہ کے کہ اُن کے حال پر حق اکثر اشعار کو ان کے اصلاح کرتے تھے۔ عینِ مشہاب کے عالم اور جو بن کے عروج میں کہ

زمانِ زمان فرمائے محمد شاہ فردوس آرام گاہ کا تھا اس ماہِ تابانِ حسن نے جامہٴ زندگی کو
ماندگیاں کے چاک کیا ہے۔ یہ منتخب ان کے دیوان کا ہے ۵

بہ بہرِ خط سے دونا ہو احسن یا رکا آخر خزاں نے کچھ نہ اُکھاڑا بہار کا
اکثر جو اس زمین کو ہوتا ہے زلزلہ شاید گڑا ہے جسم کسی بے قرار کا
کس کس طرح سے دل میں گزرتی ہیں حسرتیں ہے وصل سے زیادہ فرا انتظار کا
اُکھر کو چھپا رکھ میں میں دیکھ کے سمجھا — تاباں تو نہ خاک بھی جلتا ہی رہے گا
کوئی دوسرا مجھ سا تاباں نہ ہوگا — کر دل دے تجھے پھر پشیمان ہوگا

جفا سے اپنی پشیمان نہ ہو ہوا سو ہوا تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
نہ پانی خاک بھی تاباں کی ہم نے مغفلام وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا
بتابیوں کی عشق کے کرتا ہے کیا علاج — تاباں یہی جو دل ہے تو آرام ہو چکا
آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا
میں بہت جامہٴ زیب پر ہم نے کوئی دیکھا نہیں یہ چپ ڈھب کا
یاں پلک بھی نہ ہم سکیں چھپکا — ایسا قاصد تو جانتو لپکا
دیا ہے جی میں اپنا دیکھ کر سچ جس کے جامہ کی اُسی کالے کے دامن کچھو یا رو کفن میرا
لیا تھا دوستی سے جن نے دل ہائے — وہ اب دشمن ہوا ہے میرے جی کا
مجھے ترسا کے اس کا فرنے مارا — نتیجہ کیا یہی تھا عاشقی کا
ہو نہٹوں پہ تیرے ظالم مستی کی یہ ٹھری — یا اُن کے تئیں کسی نے مل لیا ہے نیلا
اکیلا صنم باغ میں کل گیا تھا — اے دیکھ کانٹوں پہ گل لوٹا تھا
لیا چاہ سے کچھنچ یوسف کو اپنے — ترا عشق تاباں قیامت رسا تھا
نغاں نے مرا منہ پھر آکر کھلایا — ابھی روتے روتے ہی چپکا رہا تھا

مری لوحِ تربت پہ یار دکھانا نہ اُس سنگِ دل سے کوئی جی لگانا
 ترے غم سے نیاں ہے یاں تلخے جھکو ادھر بات کننا اُدھر بھول جانا
 گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کنے کہ کچھ چل نہیں معنے کا ساری عمر بٹھیا
 صبا میرا پیغام اُن تک تو لے جا کہ تجھ بن رہیں ہم کہاں یہ کیلجیا
 کسی بات کا میں نہ شکوہ کروں گا ترے جی میں آوے سو مجھ کو کہے جا
 ایسے کے تیس کوئی سر پر بھی چڑھاتا ہے؟ کھینچے ہے تری زلفیں کیا شوخ ہی شانہ
 تمہارے بچر میں رہتا ہے غم ہم کو میاں صفا خدا جانے جیسے گے یا مرے گئے ہم میاں صبا
 مرا بس ہو تو ہر گز خط نہ آنے دوں سے لیکن لکھا قسمت کا کوئی بھی ٹٹا سکتا ہے کیا قدرت
 غیر کے ہاتھ میں اُس شوخ کا دامن ہے آج میں ہوں اور ہاتھ ہے اور میرا گریبان ہر آج
 لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر بیمار عیادت کرے بیمار کی کیوں کر
 کہتے ہیں اثر ہوگا گریہ میں ہیں یہ باتیں اک دن بھی نہ یار آیا روتے ہی کیسے باتیں
 سُن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آیاں ہیں کیا بلبلوں نے دیکھو دھو میں مچائیاں ہیں
 بیمار ہے زمین سے اٹھتی نہیں عصا بن نرگس کو تم نے شاید آنکھیں دکھائیاں ہیں
 قسمت میں کیا ہے دکھیں جیتے رہیں کہ مر جائیں قاتل سے اب تو ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
 آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ صبا چلے ہے پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں
 شب کو پہرے وہ رشکِ باہ خانہ بخانہ کو بکو دن کو پھروں میں داؤ خواہ خانہ بخانہ کو بکو
 گئے نالے ترے برباد جوں باگِ جرجرت اتر دکھا تری فساد میں دُن ہم نے جس چپے
 سلیمان کیا ہوا اگر تو نظر آتا نہیں مجھ کو مری آنکھوں کی تپلی میں اتری تصویر بھرتی ہے
 بتاں کے شہرِ ناپساں میں کب کوئی داؤ کو پہنچے مگر میاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے
 تو بھلی بات بھی میری خفا ہوتا ہے کیا بھلا چاہتا ایسا ہی برا ہوتا ہے
 تیرے ابرو سے مراد دل نہ چھٹے گا ہر گز گوشتِ ناخن سے کہوں کوئی جدا ہوتا ہے

ترے پاس عاشق کی غرت کہاں ہے تجھے بے مروت، مروت کہاں ہے
میں شکوہ کروں جو ظالم سے لیسکن مجھے آہ و نالہ سے فرصت کہاں ہے
بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی مجھے بات کہنی کی طاقت کہاں ہے

جو اُس کی کمر میں نے رکھی تہا بیاں

رگِ گل میں اسی نزاکت کہاں ہے

جو کرتا ہوں فریاد میں اُس کے آگے تو کہتا ہے تہا بیاں تو جاتا نہیں ہے
ابھی بست ہو جاگا لاتوں کے مارے ترا ستور کچھ مجھ کو بھاتا نہیں ہے

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی بے خود ہو چکا رہتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجھ کو خمار شب کا لامع ہوئی شیشے میں جو کچھ کہے ہو باقی ساقی

مختصر

بیاں میں کیا کروں دیوانگی کا اپنی افسانہ نہ میرا گھر میں جی لگتا نہیں بھاتا ہر دیرانہ
خوش آتا ہے مجھے گلیوں میں سانچے دکھانا ارے ناصح عبت ہے یہ ترا بہودہ سمجھانا

پری رد ہو جہاں کا سو ہو کیونکر نہ دیوتا

عبث مت بکنیں میں ماننا کہنا ترا ناصح مری آہ و فغاں کرنے سے بتلا تجھ کو کیا ناصح
میں اپنے جی ہی سے بیزار ہوں مت قوت ناصح بھلا چاہے تو اپنی آبر و کو لے کے جانا ناصح

مجھے بے طرح آتا ہے تری باتوں پہ جھنجھانا

تو کیوں بہودہ بکتا ہے نصیحت کے سخن اکثر سنوں کیوں کر تری بابتیں کہ میرا حال ہے ہر اثر
رہوں آرام سے بے یارے ناصح بھلا کیونکر کہ میری زندگی اہر موت ہی موقوف اس جا پر
اگر آوے توجی جانا دگر جاے تو مرجانا

کبھی راتوں کے تپس کرتا ہوں گھر میں رو افغان
کبھی پھرتا ہوں صحرا بیچ میں وحشت سے ہو غریب
کبھی ہوتا ہوتا ہاں ساتھ میرے محشر طفل
مٹے میں اس طرح سے دیکھ کر سب خوار و سرگرداں
کوئی کہتا ہے سودا کی کوئی کہتا ہے دیوانہ

۴۔ - تمکین دہلوی۔ آتش میر صلاح الدین در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ
در لباس آزادہ حلال می زلیست۔ از دوست ے

حسن اور عشق کو جس روز کیا دیکھا
مچھلکے دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا
۵۔ - تقی دہلوی۔ آتش سید محمد تقی معروف میر گھاسی۔ گاہے فکر نخت
می نماید از دوست ے

تجدد ہجر میں بے لشکر خدایاں کے شاہ
سینے پر میرے غم سے یہ ہر حالت آہ
جیسے رکتی ہوئی پہ دریا کی بھڑ
پچھے کو نہ پھر کے نہ آگے کو راہ
۶۔ - تصویر۔ تہا تحریر اوراق معلوم نہ شد کہ گیت و کجائیت۔
شعر بسیارے از دے بہ نظر رسیدہ۔ این بیت

از آن جلد است ے

دیکھے جو تری چشم نیست کو کچا۔ پھر حشر تلک وہ کبھی ہشیار نہ ہو
۷۔ - تصویر۔ مرشد آبادی۔ شاہ جواد علی۔ دردیشے ست نوشق
از کردہ از تقریر سخنواراں بردارد ممکن است کہ کلامش

صورتے پیدا کنند از دوست ے

قد و قامت اس بیت مغرور کا ایک جھمکا ہو خدا کے نور کا
 ۷۸۔ تمنا۔ عظیم آبادی۔ اسمش خواجہ محمد علی خلیفہ خواجہ عبداللہ تائید جو ان
 سعادت مند و از حجاب را تم آتم ست طبعش اشعار آبدار را
 طالب گاہے بنظم ریختہ راغب ست این اشعار آں ستودہ
 اطوار ست۔ ۶ شعر (۴، ب)

حرف الثاء

۷۹۔ ثاقب۔ اسمش شہاب الدین۔ در دار الخلافہ دہلی زماں محمد شاہ
 فردوس آرام گاہ، معاصر مرزا محمد رفیع سودا بود۔ از دست۔
 قتل کا کس کے ہے اب قصد تھائے دل میں
 کیوں دکھاتے ہو میاں سان پہ تر دہار کتیں
 ۸۰۔ ثابت۔ اسمش شجاعت اللہ خان اصلش پانی پت و از شاگردان
 مرزا جعفر علی حسرت دہلیار نواب دلیر خان ست از دست۔
 آتے ہو تم تو دل میں کئی بار اس طرف
 پر دیکھتے نہیں کبھی اے یا ر اس طرف
 ۸۱۔ ثابت۔ اسمش اصالت خاں۔ قوم افغان۔ از بدتے و عظیم آباد

سکنی گزیدہ۔ متبع زبان اُردو نمودہ۔ عمرے در ریختہ کوئی
 بسر بردہ۔ درینو لاکہ ۱۲۹۵ ہجریہ باشد باستصواب مرزا
 محمد علی فدوی تخلص فکر اشعار می نماید۔ ایں ابیات از افکا
 اوست۔ ۱۰ شعر (۳۱)

حرف ابجیم

۸۲۔ جہاندار۔ مرزا جواں بخت علی لطف نے وہ ذکر چھوڑ دیا ہے
 جس میں علی ابراہیم نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ جب جہاندار
 بنارس آئے تو علی ابراہیم وہاں حاکم تھے اور جہاندار
 کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی عنایتوں سے بہرہ ور ہوئے
 تھے (وغیرہ) اس حذف کو درگزر کرنے کے بعد علی
 کے بیان میں بعض مفید اضافے نظر آتے ہیں۔

۱۳۔ ۱۰ سطر ۹ شعر (۳۲۔ ۱)

جہاندار تخلص، میرزا جواں بخت جہاندار شاہ نام، خورشید آسمان بلند اختر سی
 اور سر فرازی کا ولی عہد شاہ عالم بادشاہ غازی کا، رونق دینے والا بارگاہ جہاندار
 اور جہان بینی کو زینت بخشے والا مسند ملک گیری اور کشور ستانی کو، ہر خط جہان دار
 کا اس کے واسطے روشن کرنے عالم کے، مانند خطوط شعاعی آفتاب کے دور کرنے والا
 تاریکی فداکت کا تھا اور دوست دریا نوال اس کا افراط جو دو کرم سے مانند یہ بیضا کے

روشن کرنے والا خوش ناموسی امارت اور ایالت کا بخشش نے اُس کی، دشمنی آسمان کے دل سے فلک زدوں کی نکالی، اور بہت نے اُس کی گروہ برطانی کی پیشانی سے بدبختوں کی کھول ڈالی۔ جس ایام میں کہ ناموافقیت سے اُمرار دولت کی نشان کیونشان اس فلک جناب کے دار الخلافہ دلی سے بیچ حرکت کے آئے، تو ۱۹۰۵ء گیارہ سو اٹھانوے ہجری تھی، کہ خود بدولت و اقبال لکھنؤ میں تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے جو مراتب و آداب خدمت گزاری کے تھے، سب ادا کئے خواہی میں بیٹھنے کے سوا گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہے۔ باوصف اس ناز پروری کے کہ کبھی پیادہ چار قدم کاہے کہ چلے تھے۔ پانچوں ہتھیار باندھے ہوئے ایک الاٹچی اور گھوڑی کی بخشش پر دس دس مرتبہ حجرہ گاہ پر سے جا کر آداب بجالاتے تھے۔ غرض اس شہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی، کہ مینے میں دو مرتبہ بنا مشاعرے کی اپنے دولت خانہ میں ٹھہرائی تھی۔ شعرائے باوقار کو اپنے چوب دار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے۔ چنانچہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا، تو اس ہیچمداں نے یہ عذر کہہ بھیجا کہ ”کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بسکہ ان صحبتوں میں مناظرہ ہی کو یاد رکھنا عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے، اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن بندگی میں حاضر ہوں اور اس تخم ناکاشتہ بے مغز کو موافق ارشاد کے زمین عرض میں بوؤں“ پزیرا نہ ہوا، پھر چوب دار آیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ ”تیرا حاضر ہونا مشاعرے میں نہایت ضرور ہے، مناظرے کا مطلق ہمارے ہاں نہیں دستور ہے“ غرض اہما سے نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا اور شرف سعادت ملازمت کا حاصل کیا۔ کرر غزلیں اس دن ازراہ تفصیلات کے پڑھوائیں اور ہر شعر پر کیا کہوں کہ کیا کیا عتابیں فرمائیں۔ پھر اپنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا، اور سامعین کو مورد عنایت و امداد

فرمایا۔ سلسلہ بارہ سو ایک ہجری میں بلدہ بنارس کے اندر اس سرسبز آرائے بارگاہ
شوکت و اجلاں نے تخت نشینی ملک فنا کی چھوڑ کر دنگ آرائی کشتور بقا کی اختیار کی۔
یہ اشعار منتخب اس سلطان عالی تبار کے ہیں۔

نہ پوچھو دہریس کیا کر چلے ہم اسی ہی آرزو میں مر چلے ہم
رہے اک شب جو اس نام کدے میں بسانِ سمع و رو کر چلے ہم
اکیلے تھے ہم اب اک فوجِ غم ہے ترے در سے معشکر چلے ہم
نہ تھے جوں گل کبھی اور اقِ دل جمع کہ اس مجلس میں گرا ہر چلے ہم

رہے درِ بیتاں کے تم جہاندار
خدا حافظ تمھارا گھر پہنچے ہم

جدا ہو تجھ سے صنم سخت بے قرار ہوں میں یہ دیکھ آئینہ سا چشم انتظار ہوں میں
بسا ہی میرا سراپا جو عطرِ فتنہ سے یہ کس کی زگرے قاتل سے دوچار ہوں میں
نہ جو رہے فلک جیلہ گر سے گھر اک کر مثالِ ابرہاری کے آشکار ہوں میں
نظر پڑا ہے وہ آدیزہ گھر جب سے صدف سے چشم کی تب سے گمشار ہوں میں
ہے آفتاب کا سر پر مے جو پر تو مہر

بسانِ ماہِ جہاندار آشکار ہوں میں

ہیں بکہ جزوتن مرے طاؤس وار داغ رکھتا ہے ایک ایک عجب ہی بہارِ باغ
رعنائی تیری دیکھ کے لے سروِ باغِ حسن جوں لالوں پہ کھاتے ہیں سب گلخوارِ داغ
آتشِ پیسے کر دں کے جہاندار چوں سپند

چاہوں جو تمھارے کرنیں سکتا قرارِ داغ

۸۳۔ جرأت۔ شیخ قلندر بخش۔ اضافہ کیا ہے ۶۱ ۱/۲ سطر ۸۲ شعر (۴۵-۱)

جرأتِ تخلص یعنی امان قلندر بخش نام، بیٹا حافظ امان کا شاعر شیریں کلام ہے۔ ظاہر

بزرگ طائر تصویر میں ہم باغ حیرت میں
 نالہ و آہ فغاں بھی مراد م بھرنے میں
 لے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں
 کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ
 کہتے ہیں آپس میں ہمسایہ مری فریاد سے
 کیا کیا میں نے گناہ جو اپنے لوگوں سے یہ تم
 آنے کی خبر ہے اس کے لیکن
 اُس کے آنے میں اب جو دیر ہو کچھ
 جب نہ تب غول مرا ہی پتیا ہے
 آتا نہیں اعتبار دل کو
 یہ بھی قسمت کا ہیر پھیر ہے کچھ
 غم بہت اس کا مجھ پر شیر ہے کچھ
 تھایہ جرات ہی اس کے کوچ میں
 وہ جو اک خال کا سا ڈھیر ہے کچھ

جاتے ہیں اُس کے در سے پہ جانا محال ہے
 رونے میں اور آتش الفت بھڑک اٹھی
 کیا قہر ہے کہ بزم میں اُس شوخ کی مجھے
 جا بیٹھتے تھے در پہ جو اس کے وہ دن گئے
 جس با قدم پڑے اٹھانا محال ہے
 اب اس لگی کا دل سے بھانا محال ہے
 سب کہتے ہیں کہ تجھ کو بٹھانا محال ہے
 اودھر کو اب تو آنکھ اٹھانا محال ہے
 دھیان تو رہتا ہے تھارا مجھے
 کس کی سنوں بات میں لے مڑاں
 غم بہت دنیا میں ہے پر عشق کا غم اور ہے
 گر کسی ڈھب سے کوئی مجھ کو ہنسا دیتا ہے
 سب کو ٹنگ خواب جو آتا ہی تو ٹانگ اُس کا خیال
 نخت دل کی مرے یہ اشک داں میں جہاں
 گھر سے وہ جا دے جہاں میں بھی ہو تیج جو

سخت تجھ بن قلق اس دل کا سنا ہے مجھے — گہ بٹھاتا ہے یہ اور گماہ اٹھاتا ہے مجھے
 دل بھڑکے ہے ملک مصحف، دجان دکھا دے — سر گر مہ ہے آتش اسے قرآن دکھا دے
 رہنے کی جا جان میں ہم خوب پاس لگے — جوں درد اہل درد کے دل میں سما گئے
 ہم گلشنِ جہان میں جوں آتشیں انار — اک دم کی زندگی کا تماشا دکھا گئے
 جوش گل چاکِ نفس سے دمدم دکھا گئے — سب نے یاں لوٹیں بہا رہیں اور ہم دکھا گئے
 شب بزم یار میں ہم بیٹھے تھے پر اس کی — چوں سے تھا یہ ظاہر یہ شخص ہاں سے نکلے
 عزیز و صل میں بھی ہم جو درد و کر نہ سوتے تھے — سواذیشہ تھار و زجر کا اس دن کو روتے تھے
 کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شب وصل کدھر تھی — ملک زلف سے جو رخ پہ نظر کی تو حسرتی
 ترے بن بستر اندوہ پر کچھ یاد میں کر کے — پڑا روتا ہوں پہروں یاد منہ پر آستین دھر کے

۸۴۔ جوان دہلوی نامش کاظم علی۔ کمال کے ۹۶ھ ہجری ست

در لکھنؤ می گزرا ند۔ در سنہ مذکور اشعار ایشاں

از لکھنؤ بہ بنارس طلبیدہ تحریر پزیرفت۔ از دست۔ ۸ شعر

۸۵۔ جوش۔ شیخ محمد روشن۔ کوئی اضافہ نہیں۔ ۶ سطر، ۲۰ شعر

(ورق ۵۳)

جوش تخلص شیخ محمد روشن نام، وطن ان کا عظیم آباد ہے، خوش یاقتی ان کی
 جو کچھ کہئے اُس سے زیادہ ہے طبیعت ان کی نظم ریختہ میں نہایت رسا ہے اور معنی بیگانہ
 سے بہ شدت آشنا ہے۔ چاشنی درد کی کلام سے ان کے ظاہر اور علم عروص سے یہ

بخوبی ماہر ہیں شیوہ اختیار انھوں نے میر درد کا کیا ہے اور اس طور کو بہت خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ ”جس ایام میں یہ تذکرہ لکھتا ہوں تو شیخ مذکور نے اشعار اپنے مجھ کو بنارس بھیجوائے، تاکہ نام اُس کا اس تذکرہ میں لکھا جائے۔ نہایت پسند آیا مجھ کو اسلوب ان کے بیان کا، چنانچہ اس طرح لکھا گیا انتخاب ان کے دیوان کا ہے کس طرح سے اوصاف ہو خلاق جہاں قدرت نہ قلم کی ہے نہ مقدور زباں کا عاشق کو ہے کب جلوہ معشوق کی طاقت مہتاب کو دیکھے نہیں مقدور کتاس کا اس گلشن بہستی سے نکل راہِ مہم لے نیرنگ نظر آوے ہر کچھ رنگ یہاں کا عفا کی طرح گو کہ نشان دہ نہیں رکھتا مہتابے پتا نام ہی سے اس کے نشان کا

اس دل کو دکھاتا ہوں میں بازارِ محبت
خطرہ نہیں جو شش مجھے کچھ سود دزیاں کا

ہم چشم کیوں کھوں میں اسے شعلہ زار کا
سرمہ کار بے خودی کا یہ مختار کار ہے
پیتا ہے گر تو بادہ عشرت سمجھ دے
بزم میں یک شب بھی نہ زما نہ دل گلگیر کا
دہم آلودہ رہنا خون سے عاشق کے
دیکھ کر رنگ صنم تیری جھاکاری کا
چشم پر آب ہے لب خشک داغ آشفہ
مسکراتا ہے مجھے دیکھ رقیبوں کے حضور
جی سیر میں گلزار کی تن کنج قفس میں
گر کوئی کاٹ بھی لے سر تو دے دیوانے کا
عالم ہے کچھ جدا ہی دل داغ دار کا
کیا اختیار ہے دل بے اختیار کا
جو شش بڑا ہے درد سراں کے خار کا
فائدہ لے شمع اشک واہ بے تاثیر کا
جو ہر ذاتی ہے یہ جو ہر تری شمشیر کا
کو کھن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا
زور عالم ہے غرض دل کی گرفتاری کا
یاد ہے اس کو عجب طور دل آزاری کا
یہ صید گرفتار ادھر کا نہ ادھر کا
پر یہ سودا تو کبھو سر سے نہیں جانے کا

کیوں نہ مضطرب ہوں اُسے دیکھ کے دکھو تو
 ہاتھ اٹھاتا ہی نہیں بار جو سلجھانے سے
 شمع کے سامنے کیا حال ہے پروانے کا
 دل تری زلف میں اُجھالے نگر شانے کا
 سر اُس کی تیغ سے جتنا کہ جدا نہ ہووے گا
 کسی طرح سے حق اس کا ادا نہ ہووے گا
 کل اُن نے بیٹھ کے غیروں میں کی نگہ چھپر
 یہ تیر کس کے جگر میں لگا نہ ہووے گا
 دل دگر یہ ہی آفت نہیں فقط جہش

جو ہے یہی ترا ونا تو کیا نہ ہووے گا

غیروں پر تو ستم کرے گا
 ہم سا ہی وہ ہوگا سادگی میں
 ہم پر جو کبھی کرم کرے گا
 باور جو تری قسم کرے گا
 جوشش مت رو دل دگر کو
 کس کا کس کا تو غم کرے گا

دیکھ کر حسن گلزاروں کا
 دیکھیں گے اس کی چشم پر فن کو
 خانہ ویراں ہوا ہزاروں کا
 ہوش اڑ جائے ہو شیروں کا
 اُس کی آنکھوں کو پھیلے جوشش
 منہ تو دیکھو شراب خواروں کا

ہو چشم جاب دار دیکھا

جوں شیشہ ساعت اس جہاں میں

ہم مہر ہی گئے پہ تو نہ کیا

اس ادا کا تری ہوں دیوانا

آج ہے جاں لب ترا جوشش

یاں مڈمی اپنا کسے لے یا نہ دیکھا

سو توں کو جگیا مرے نلے نے عدم کے

کل بزم میں سب پر نگہ لطف دکر مٹھی

جر چشم تباں میکدہ دہرین جوشش

دیکھنا مجھ کو اور چھپ جانا

جی میں آدے ترے تو آ جانا

ہے کوئی جسے تیرا طلب گار نہ دیکھا

پر طالع خوابیدہ کو بیدار نہ دیکھا

اک میری طرف تو نے ستر گار نہ دیکھا

ہم نے تو کسی مست کو ہیار نہ دیکھا

کتا ہے ایک عالم انصاف کو ہمارا سنا نہیں کسی کی بیدار گہوارا
 اوروں کی عیب جی اپنا ہنر نہیں ہے اپنی ہی عیب جی ہے یہ ہنر ہمارا
 سرگشتہ اس جہاں میں جس گردِ باد میں ہم تھک کر جہاں کہہ گئے وہی ہو گھر ہمارا
 اپنا تو کچھ گناہ نہ آیا ظہور میں کیا بات ہو گئی کہ وہ ہزار ہو گیا
 جہاں میں بادِ عشرت پیایا نہ پایا سلوکِ بخت نے ہم سے کیا کیا نہ کیا
 مجھ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے سلام آنے ہمارا لیا لیا نہ لیا
 جب عشق میرا شہرہ آفاق ہو گیا اک عالم اس کے حسن کا مشاق ہو گیا
 کس سے ہوئی ہے دوستی اسی کا ان لوں آنا ہمارا دل پہ ترے شاق ہو گیا
 ہوا ریگِ دواں کی طرح جس جاگہ گزرا اپنا بجز آواز کے کوئی نہ تھا دواں ہم سفر اپنا
 لگا دی دل میں آگ لے آہ سوزاں کیا کیا تھنے جلا دیتا ہے اپنے ہاتھ سے بھی کوئی گھر اپنا
 شبِ فرقت ہے بیتابی دل پر دردِ پہلو میں نظر آتا نہیں ہم کو تو پہنچتا سحر اپنا
 تعلقات جہاں سے خبر نہیں رکھتا ہزار شکر کہ میں دردِ سر نہیں رکھتا
 خفا ہوں جان سے دل کھول کر میں دنا ہوں تری گلی میں کسی کا میں ڈر نہیں رکھتا
 تجھ سے ظالم کو اپنا یا رکھا ہم نے کیا جبر اختیار کیا
 اٹھ لے طیب جا مجھے آرام ہو چکا مرتا ہوں کوئی دم کو مرا کام ہو چکا
 اب بھی کہیں اٹھاوے گا چہرے سے زلف کو معمور تو مشکار سے یہ دام ہو چکا
 دینا تھا اس کو دل سولیا ان نے نامہ بر اب میرے اس کے نامہ و پیغام ہو چکا
 تنہا یہ عشق میں نہ دلِ ناتواں جلا مانند نخلِ شمع ہر اک استخواں جلا
 نہ دل رہا نہ چشم رہی نہ جگر رہا لے اشک تیرے ہاتھ سے کیا کیا مکاں جلا
 وہ کیا ہوا زمانہ رونے میں جو اثر تھا یہ چشمِ خوں نشاں تھی یہ دلِ ہی جگر تھا
 غش آگیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا مجھ کو وصالِ یارِ میسر کہاں ہوا

بے طاقت اس قدر یہ دل ناتواں ہوا حرفِ تواں بھی اُس کی زباں پر گراں ہوا
 سر پر کھڑا ہے کھینچے ہوئے تیغِ کنگشاں جلا دمیسری جان کا یہ آسماں ہوا
 ہزار پیا کرے گا ہزار چاہے گا مری طرح نہ کوئی تجھ کو یا چاہے گا
 کوئی اس غم کدہ میں اپنے غمخواری نہیں کرتا دیا ہے ایک کو دلہ بھی لدا رہی نہیں کرتا
 جو ترے سامنے آئے ہیں سو کم ٹھہرے ہیں یہ ہمارا ہی کیلجا ہے کہ ہم ٹھہرے ہیں
 ایک عالم کی جاں خراش ہے یہ آہ ہے یا قلم تراش ہے یہ
 رویئے ناموسِ بزرگشتِ اُمید اب تردد ہے یہ تکاش ہے یہ
 دیدہ ترکِ دوست رکھ جو شش بہت تحفہ گلابِ پاش ہے یہ
 اپنی وہ بے ثبات ہستی ہے کہ سدا نیستی کو ہستی ہے
 نام سننے ہو جس کا دیرانہ وہی سودا یوں کی بستی ہے
 جی میں جس وقت کہ مضمون کم آتا ہے بگہ نازک ہر مجھے باز دھتے ڈراتا ہے
 چشمِ تراہ بہ لبِ خستہ جگرِ یوں جوش بے طرح حال مرا مجھ کو نظر آتا ہے
 شبنم کی طرح سامنے اُس آفتاب کے ہونے کو تو ہوئے تھے لیکن نہ ہو سکے

رباعی

کچھ کام نہیں ہیں وفا سے تو ہاتھ نہ کھینچو جفا سے
 کل سب سے گلے گلے ملے تھے تمہیں ہم بھی تو صورتِ آشنا سے

چشم سے غافل نہ ہوا چاہیے اس کے مقابل نہ ہوا چاہیے
 دل کا ضررِ جان کا نقصان ہے اب کہیں مائل نہ ہوا چاہیے
 فرما دیدہ بے فائدہ خارا شکنی ہے گھر کیجئے کس دل میں یہی کوہِ کنی ہے
 نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مرادِ دشمن ہے ایک یہ دل ہی غرضِ دوست ہی یادِ دشمن ہے

قطعہ

ایک دن کا اجرا ہے میں اٹھا تھا سیر کو
برہنہ کتا بہت خانے میں جڑت خدا

اس میں جو شش بول اٹھاسنتے ہونے لگے

جلنے دو اپنی طرف دیکھو یہ کیا لگا رہے

مکن نہیں کہ دیکھے روئے شگفتگی
جب تک بزرگ غنچ گریباں نہ پھاڑے

جاہ و حشم کی خواہش دولت کی آرزو ہے
دو دن کی زندگانی نس پر یہ جستجو ہے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینہ کے
جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے رو برو ہے

کتا ہوں رو دوں تو وہ کتا ہے کیا مجھے
چپ رہے بس زیادہ نہ باتیں بنائے

لاکھوں ہی کے قتل گنگار بھی سے
رہتی ہے مڑی اک تری تلوار بھی سے

کوئی سوائے شانہ وہاں چھوٹا نہیں
دیکھو تو کوئے زلف میں کیا بند و بست ہے

کشورِ عشق میں رسوا سر بازار ہوئے
اُس کے ہاتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے

میں آنہ سکوں اوصبا جا کے رہی ہے
کوچہ میں ترے یا رعب باد بھی ہے

جی چاہے تو ملے جو نہ چاہے نہ ملے
دل میں تو ہمارے نہ می ہے نہ وہی ہے

جو شش تو بیاں تک ہوا سوائے خلافت
جو حنیچھے ہے کتا ہے یہ دیوانہ وہی ہے

دل میں بھری ہو آگ اور آنکھوں میں آبی ہے
مانند شمع حال ہمارا خراب ہے

دیکھا ہے جب زلف کو شانے کے ہاتھ میں
جو شش تلے دل کو عجب پیچ و تاب ہے

لے عشق مجھ خوار کیا کیا کیا تو نے
رسوا سر بازار کیا کیا کیا تو نے

جس طرح دل کا داغ جلتا ہے
اُس طرح گلب چرخ جلتا ہے

اُس پرغ صاف کے آئے جو کبھی آتا ہے
آئینہ اپنا ہی منہ دیکھنے لگ جاتا ہے

ہوئے صحرائیں شریف لادے جس کا چہرہ تھا
درو دریاں نہیں رکھتے ہیں آئے جس کا جی چاہا

گرہ میں غنچوں نے نافے کے تلخے بانہ لے
چمن میں کھس جو گئی زلف مشک بو تیری
مرنا تو بہتر ہے جو مر جائے
جی سے کسی کے نہ اُتر جائے
سوئے حرم یا طرف بت کدہ
الغرض لے شیخ جدھر جائے
نت نے عذر ہیں نہ آنے کے
ہم دیوانے ہیں اس بھلنے کے
قطرے میرے آنسو کے ہیں اک بخت شر سے
کیا اگ بستی ہے مے دیدہ تر سے
آشنا جب ہوئے اُس بُت ہر جانی سے
در بدر خاک بسر پھرتے ہیں سودائی سے

رباعی

گر جان دے کوئی پر نہ اس کے ہونگے
جی شوق سے یس گے اس کا جس کے ہونگے
جوشش نہ رکھ ان تبوں سے ہرگز اُمید
یکس کے ہوئے ہیں اور کس کے ہونگے

۸۶ - جو ہر - اسمش مرزا احمد علی مولد کش دہلی ست واصل آبالش

از ایران بود۔ در دہلی بیاس خاطر دوستی بمعزہ خانہ جنگی
کشتہ شد۔ اکثر شعر فارسی و گاہے ریختہ می گفت۔ از دست۔

آتش دہ چمن ہو یا برقی آشیاں ہو

اے مرغِ نالہ کچھ ہو یک شب تو پر فتاں ہو

شاید کہ پہنچے تجھ تک دامنہ کوئی ہمسایہ

آوارہ بیاباں اے گردِ کارواں ہو

۸۷ - جو دت - مرشد آبادی - نامش ہر دیرام - صلش از کنگ و سلسلہ

از مسلمان نواب ملا والدولہ سرفراز خاں مرحوم است

بار اقم آشا بود۔ در بلدہ مذکور بعد شاہ عالم بادشاہ انتقال نمود

سوائے ایں رباعی بیتے ازوے نرسیدہ از دست -

واعظ تیری بات دل سے کہنے کا نہیں

پتھر کی چوٹ شیشہ سہنے کا نہیں

جازا بد خشاک تو ہی جب تک مرے پاس

لو ہو میری چشم تر سے بہنے کا نہیں

۸۸۔ جرأت - نامش میر شیر علی۔ گویند معاصر مرزا محمد رفیع سودا بود

از دہلی بدکن رفت دیگر احوال معلوم نیست۔ از دست
ناپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں رہیے۔

بہار آئی ہے کیونکر خانہ زنجیر میں رہیے

کیا اُس کے بیاہاں کو اس اس کی پروا ہے

گریستی مجنوں کے تر دامن صحرا ہے

۸۹۔ جولان - اسمش میر رمضان علی۔ در عہد محمد شاہ فردوس آرام گاہ بود

از دست -

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن جیونیکے ہم سے شخص کیا تجھ بن

۹۰۔ میاں جگنو - خالہ زاد شیر افکن خاں باسطلی تخلص در عہد محمد شاہ

فردوس آرام گاہ بود۔

ایسے مریضِ عشق کو آزار ہی ہبلا

چنگا ہو تو ستم ہو یہ بیمار ہی بلا

۹۱۔ جانِ عالم خاں - برادرِ زادہ نواب روشن الدولہ - از قلمِ از ملائذہ

میر سید محمد سوزِ تخلص ست - از دوست

چھوڑ عارضِ دل نے گمراہِ زلفِ مشکیں فام کو

صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

لگا خوابِ نوحہ سے یہ ملنے گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں میں دل نے

۹۲۔ جنوں - گویندازِ مردمِ دہلی و دوستانِ خواجہ میر دردِ بدودہ - بہر تقدیر

سلامتِ گفتار از اشعارِ پیداست

کبھی گرتا تھا قدم پر کبھی ہوتا تھا نثار

کیا بھلی موت ہوئی رات کو پروانے کی

میں نہ کہتا تھا پیارے مجھے کم دے تو شراب

آج سے مجھ کو قسم ساتھ تیرے آنے کی

میں بھی بہکوش ہوں در تو بھی نیٹ بیجو دگر

طرح اب کس سے میاں پوچھے گھر جانے کی

۹۳۔ جنوں - الہ آبادی - اسمس شیخ غلام مرتضیٰ ابن شاہ تیمور بہسرامی

از قلمِ از ملائذہ مولوی محمد برکت مرحوم ست - بدستِ کہ چشمش

از مبنائی مائل گشتہ۔ درالہ آباد بانزوامی گزرا نڈ باس
 خاکسار آشنا۔ و ذہنش در فہم معانی رسامت۔ از دوست
 وجود اس جہاں کا دم دیکھتے ہیں مجب اب ہی یہ جو ہم دیکھتے ہیں
 مٹے سے تمہی پہنچ واپس دل کا جب بس لطف کا بیج و خم دیکھتے ہیں
 آفتِ جاں ہو گئی آخر یہ مبنائی مجھے جو بلا کہے سوانِ انگھوں نے دکھلائی مجھے
 دل مرا ہر شب اکھٹا ہر صدم کی زلف سے ایک دم کب چین دیتا ہی یہ سودائی مجھے

حرفِ الحاکم

۹۴۔ حاتم۔ دہلوی۔ ایک لفظ بھی اضافہ نہیں کیا۔ ۳ سطر ۴۷ شعر۔
 (دورق ۵۶، ب)

حاتم تخلص شاہِ جہان آبادی مشہور ریختہ گوئیوں میں سے دہلی کے تھا۔ ہم عصر شاہ
 نجم الدین آبرو اور میرزا رفیع سودا کا۔ شاعر خوش بیان تھا۔ صاحب دو دیوان تھا ایک
 دیوان میں نہایت خنج ابہام کیا ہے اور دوسرا بطور متاخرین کے سرانجام کیا ہے۔ جامع ہے
 طور متاخرین اور طرز ابہام کا ہے

گلشن اُس گل بن مری نظروں میں دیران ہو گیا جھاڑ جھاڑ اور بوٹا بوٹا دشمن جاں ہو گیا
 ایک نے پانی نہ اب تک نبض کی رفتار حیف در میرا تھمتہ مشقِ طبعیاں ہو گیا
 اشکِ خوں آلودہ میرے اس قدر جاری ہو کر جا بجا علوں سے ہندوستان جٹاں ہو گیا
 شور دریا تک ملاحت کا تری پہنچا ہی شور بے نمک گے ترے لب کے نکلاں ہو گیا
 فیضِ صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہند میں طفلِ کتب تھا سو عالم بیچ تاباں ہو گیا

سجن نے یاد کرنا نہ لکھا اور ہم رہے غافل
 بجائے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر
 ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی — کہ کہیں سب جہاں وصال ہوا
 مثالِ بحرِ صوفیوں مارتا ہے — لیا ہے میں نے اس جگہ کیا را
 بائے پن سے مجھے سودا ہی تھے گیسو کا — بالِ بازو حامیاں بندا ہوں تھے گیسو کا
 مجھے درکار نہیں مشک و عیر و صندل — ہوں دیوانہ میں پری رو کے چونکے لو کا
 زورِ حیرا ہے مرے دل کا گہو تر حاتم — بہت کرتا ہے جب اڑتا ہے اُسی کے کو کا
 ہر اک سخن ہوا ہے ہمارا مثالِ قند — شیریں لبوں کے جب تھی بو سے لئے پنیم
 ترے رُضار و قد نے دھوم ڈالا گلستان میں — آدھر بلبل سسکتی ہے آدھر قمری بلکتی ہے
 دو چار بجھے کیوں کر تھے ہم پستی کے دعوے — کہ نرگس کی چمن میں دیکھ کر گردن ڈھلکتی ہے
 پری ہم جان کر اُس کو چھپائے شیشہ خالی میں — یہ تو بھی دخترِ رز پردہ مینا سے تکتی ہے
 جبے تمھاری آنکھیں عالم کو بھائیاں ہیں — تب سے جہاں میں تم نے دھوئیں مچائیں ہیں
 زلفوں کا بل بتانا آنکھیں چرا کے چن — کیا کج ادائیاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں
 حاتم کے بن اشارے سے سچ کہہ دیشیم و ابرو — کس سے لڑائیاں ہیں کس پر چڑھائیاں ہیں
 تمھارے پنجو لیکے شوق میں گلشن کی سب کلیاں — چمن میں سن خبر آنے کی استقبال چلیاں
 لگن میں تجھ ستر کے عجب مجلس میں غم گزرا — شمع رو رو کے ساری رات سرتاپا کھڑی چلیاں

۹۵۔ حشمت - میر محترم علی خان دہلوی ولد میر باقی - برادر میر ولایت صاحب

بھلیہ خوبی آراستہ - از مشاہیر شعرائے دہلی ست شعر فرمایا
 نیکومی گفت و ترکیب بند ریختہ از دہے بسیار شہرت دارد
 باعتبار اہلکار و اسوئگی دل نشین مردم افتادہ است
 بنا بریں چند بیت و دوسہ بند آں دریں مقام ثبت افتاد

ارتجاش در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ است۔

۹۶۔ حشمت۔ اسمش محمد علی۔ از دوستان میر عبدالحی تاباں بود خود را

بزینت زناں می آراستہ۔ اما ہمت مردانہ داشت

چنانچہ ہمراہ قطب الدین خاں در مراد آباد کہ محاربہ

با پسران محمد علی خاں روہیلہ رودادہ بود بدلیسری

کشتہ شد۔ گویند استاد تاباں بود و سلیقہ نظم رنجیہ

داشت۔ از دست

خط نے ترا حسن سب آڑایا یہ سبز قدم کہاں سے آیا

جیہا خزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل تب عندلیب رو کے چکاری کہ ہائے گل

۹۷۔ خمریں۔ دہلوی، اسمش میر محمد باقر۔ کوئی اضافہ نہیں۔

۳ سطر ۱۹ شعر (ورق ۵۸) ن

خمریں تخلص، میر باقر نام، متوطن شاہ جہان آباد شاگردوں میں میرزا جاجا بابا
منظر کے تھے، دل سے جب جدائی آنھوں نے لاچار کی، تو عظیم آباد میں بود و باش اختیار
کی۔ رفیق تھے نواب باقر ہنگ سید احمد خاں صولت جنگ کے، زندگی بسر کی ہے انھوں
ساتھ رعایت نام و ننگ کے۔ بہت فہمیدہ اور آشنائے درست، دوستوں میں نہایت
چالاک و چست۔ زبان رنجیہ میں صاحب دیوان ہیں، خلاصہ اشعار ان کے دیوان کے
لکھے گئے یہاں ہیں۔

غم نے آباد کیا خانہ دیراں میرا ابر فرگاں سے ہوا سبز بیاباں میرا

یہ کہہ کے باغ سے رخصت ہوئی ببل کہ "یا قیامت! لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوڑیں شیشیاں اپنا
گوارا ہو گیا دل پر ہمارے جو ریا را آخر ہیں رنج و الم سے ہو گئے صحبت برا آخر
غم نے کیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
فصل گل آخر ہوئی، کیا دیکھ ہو گئے شادوم کچھ کر لے صنیا، اب ہو گئے نہیں آزاد ہم
رحم آتا ہے مجھے اس مشتِ خاک اپنی پہلے! خودویوں کی ہوا میں ہو چکے برباد ہم
اُس بے وفا کے ہاتھ سے کچھ مجھ کو جس نہیں پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دست رس نہیں
ویراں ہوا خزاں سے چین یاں تلک کہ اب چاہیں کہ حل مرین تو کہیں غار و خس نہیں
کچھ کہا شاید اُن نے قاصد سے دل پہ میرے وہ اضطراب نہیں
آوے نہ کیوں کہ رشک مجھے برگِ پان لیتا ہے کیا مزہ وہ سخن کے بیان سے
نہ وصل میں اُسے راحت نہ ہجر میں آرام کسی طرح سے حزن میں دل کے تئیں قمار نہیں
تو نہ ڈر، ملک اٹھا نقاب کے تئیں میں سمجھاؤں گا اضطراب کے تئیں
کیوں کہ خاطر خواہ دل کے دد کی تقریر کب یہ معنی لفظ میں آتے ہیں کیا تحریر ہو
کچھ گئی بھریں کچھ وصل میں گریاں گزری کیا مری عمر کی اوقات پریشان محزوری
خواباں کے درد و غم نے کیا ناتواں مجھے یاں تلک کہ مو بھی تن پہ چائے ہیں اُن مجھے
کیوں کہ کردں جفا کی شکایت میں اُس ستی کرتا ہے وہ وفا میں کھو اُمحساں مجھے
وفا میری اگر جو ر و جفا تجھ کو نہ سکھاتی تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹھاتی
خزین میں درد دل کا کس طرح ظاہر کروں اُس سے
مجھے کہتا ہے "تیرا دل کہاں ہے" قیامت شوخ! میرا بدگماں ہے
مجھے کہتا ہے "تیری بات مجھ کو خوش نہیں آتی"

۹۸- حیدر - آتش غلام حیدر - احوال معلوم نیست ایس بیت بنام او دیدہ شد -

تمہاری یاد میں اے گلبدن آنکھوں کے لوہو سے
مرہ کے ہاتھ میں یا قوت کے دانوں کی مالا ہے

۹۹- حیدر - دکنی - آتش میر حیدر علی شاہ - در شمشیر زنی ہمزور و

بانکہ و زبان آور بود - اما دلاور نہ بود - در حکومت نواب
شجاع الدین محمد خاں شجاع الدولہ مرحوم از دہلی وارد
بنگالہ شدہ بانواب علاؤ الدولہ سرفراز خاں خلف
نواب مذکور بسرمی برد و اشعار بطور قدما می گفت بطرز
خاص کہ موجب تماشا ئے مردم بود اشعار می خواند
تمام دیوان ولی دکنی را مخمس کردہ و غزلیات دیوان حافظ را
تضمین نمودہ اما جہولنہ را نیکو می گفت - عمر شش قریب
بصد سال رسیدہ - در عہد احمد شاہ ابن محمد شاہ فردوس

آرام گاہ در صوبہ بنگلہ ارتحال نمود - از دست

چلے ہیں بن کئی محبوب بن بن کر آج

خدا پناہ دے جس طرف کو یہ ڈھارا جائے

۱۰۰- حبیب اللہ - احوال معلوم نیست - ایس بیت بنام او

گوش خورده ۱

سوزباں سے موبو کتا ہوں میں شانے کی طرح
ہاتھ میں تھجہ زلف کے ہر دل کے اُبھانے کی طرح

۱۰۱۔ حیرت۔ مراد آبادی۔ آئش مراد علی۔ از موز و نان محمد شاہ

عالم بادشاہ است از دست

کیا قافلے یاروں کے آگے کہیں ٹھیرے ہیں
فریادِ جرس کم ہے یا کچھ ہمیں بہرے ہیں

۱۰۲۔ حسرت۔ دہلوی۔ مرزا جعفر علی۔ کچھ اضافہ ہے۔ خلیل نے

یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے ۱۱۹۶ھ میں ان اشعار کو
لکھنؤ سے بنارس طلب کیا۔ ۳ سطر ۲۲ شعر (ورق ۵۹)

حسرت تخلص، میرزا جعفر علی نام، متوطن شاہ جہاں آباد کے، بیٹا میرزا ابو الخیر کا تھا
صاحب قعات و دیوان ہے اور سرتعلقہ موز و نان خوش بیان ہے۔ اکثر نو مشق لکھنؤ کے مع
جرات دم شاگردی کا مارتے ہیں، اور یا استاد کلمہ کے پکارتے ہیں۔ نجاس کے اندر
دکان عطاری کی یہ عزیز رکھتا تھا اور اوقات اسی وجہ حلال سے بسر کرتا تھا۔ ۱۲۱ھ
بارہ سودس بھری میں تختہ بند کر کے دکان وجود کو سیر بازارِ عدم کی ہے۔ خدا بخشنے اس
عاقبت محمود کو۔

اتنا سودا یہ دل زار ہوا، کچھ نہ ہوا
کاشکے عشق جاتا نہ میں اس کو حسرت
کچھ بھی یہ عشق سے بیزار ہوا، کچھ نہ ہوا
میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہوا
کہ آئینے میں شکل اپنی جو دیکھی مجھ کو ڈر آیا
بجا تجھ کو مرین عشق سے ملے حذر آیا

رقیبوں کے حوالے کر کے خط کو نامہ بر آیا
 غزیرہ کیا کہوں قاصد تو میرا کام کرایا
 نہیں غنچوں شبنم اس دہن کے صفت اُن کو
 یہ لذت دی کہ پانی منہ میں ہر غنچے کے بھرا آیا
 اسی جہان میں رکھتے ہیں ہم جہان جدا
 جاب دار ہے اپنا بھی آسمان جدا
 تری فزت میں ہے شام و سحر جھکو عجیب شکل
 جو شب کاٹی تو دن مشکل، جودن کا تو شب مشکل
 کرم سے کھولی جو عقدے پڑے ہیں کام میں میرے
 تھے آگے ہیں سب آسائیں مے آگے ہیں سب مشکل
 مجھے ہم بت کے بندے، برہمن راہ کرتے ہیں
 حرم کے مہنے والو! تم سے عشق اللہ کرتے ہیں
 جملے جوں شمع ابنے دیک ہو خاموش ہو جاو
 یہ افسانہ سنا کر قصہ ہم کو تاہ کرتے ہیں
 تصور نے ترے ظالم یہاں تک تفرقہ ڈالا
 کہ ملنا ہو گیا دشوار اب مڑ گاں سے مڑ گاں کو
 برنگ آبلہ اے وائے یہ کیا زندگانی ہے
 کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیدا کر دو گے
 تاراج کیا صبر و دل و جاں پھر اب آگے
 ترے بن کس طرح پیارے مری اوقات گزری
 کیا راہ میں غیروں سے ملاقات لگائی
 آٹا جو زمانہ ہے تو اس صید نے دل کو
 اس زلف میں جاو فات پائی
 اس دل نے عجب ہی رات پائی
 ہمارے کام پہ ہر خند آسمان پھرے
 مجھے قسم ہے! جو تو اس طرف کو آن پھرے
 چلا تھا شکر غم چڑھ کے گھر پہ بچنوں کے
 مجھے جو دیکھا تو دوہیں ادھر نشان پھرے

رباعی

دل دردِ بتاں سے آہ کیونکر نہ کرے
 پر آہ تو بت کرے جو اس سے نہ ڈرے
 وہ شکل ہی جیسی دشمنوں میں گھائل
 دم لیوے تو سر کٹے، نہ دم لے تو مرے
 لے اہل سودہ میں اسی طرح اٹلا کھا ہے ۱۲
 لے یہ معرہ جرات کی طرف بھی منسوب ہے ۱۳

۱۰۳- حیران - دہلوی میر حیدر علی - خاصہ اضافہ کیا ہے۔

۲ سطر ۱۰ شعر (۵۹ ب)

حیران تخلص، میر حیدر علی نام۔ ساکن شاہ جہان آباد کے۔ شاگرد رائے سرپ سنگھ دیوانہ تخلص استاد کے۔ علم شعر سے تو بخوبی آگاہ نہیں ہیں، لیکن اشاران کے سب سے بچپ اور شیریں ہیں۔ بندش شعر کی ان کے استادانہ ہے۔ استاد جانتا ان کو ایک بانہ ہے۔ نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خاں مرحوم کی امارت میں، اگرچہ نوکر وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مغفور کے تھے، لیکن رائے میکوصل سے کہ مالک و صلباتی کا تھا، توسل رکھتے تھے بعد رائے مذکور کے مرنے کے ایک آدھ برس تو تنخواہ کی طرف سے اذیت اٹھائی، پھر تو ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ مرحوم سے کچھ ایسی موافقت آئی کہ پچاس کے سو روپے اضافہ کیا اور سو سوار کا رسالہ بالفعل کہ ۲۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، مع رسالہ تنخواہ لکھنؤ میں لیتے ہیں اور داد عیش کی دیتے ہیں۔ یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے ہیں گریہ وضع ہے اور یہی ہیما نصیب! تو ہمیں ہو چکی بس اس سے ملاقات نصیب! ہم لب گور ہوئے خوں جگر اس غم سے کرنی اس غنچہ دہن سے نہ ہوتی بات نصیب! صبح ہر روز اسی غم میں ہیں ہوتی شام آہ جاگیں گے مرے کون سی اب رات نصیب! کچھ ہمیں شکوہ نہیں جو رے تیرے ہر گز ہم ہمیشہ سے میں لے جان کچھ آفات نصیب!

مسجدوں میں پھرے نت سجد پھرتے حیران

شیخ جی پر نہ ہوئی تم کو کرامات نصیب!

ہو نہ ہم کو کبھی سیر باغ و کشت نصیب کریں گے زیست کا کیا یاد ہم سے زشت نصیب
دل شمر دہ کا آج پوچھتے ہو حال غم فراق سے کب کا ہوا ہشت نصیب

۱۵ اس فقرہ میں قافیہ کی پابندی سے سخت تعقید پیدا ہو گئی ہے مطلب یہ ہے کہ سرپ سنگھ جن کا تخلص

دیوانہ ہے اور جو استاد ہیں۔ حیران ان کے شاگرد ہیں ۱۱

اپنے جانے کا وہاں دن کو ہر نہ رات کو گھبراہٹ
 درد دل غیر کے ہونے سے نہ کہنے پایا
 دیکھئے کیسے بنے آن پڑی بات کد طعب
 کل مسیر ہوئی حیراں کو ملاقات کد طعب
 کسے ہے ہوش بجا، دل کدھر حواس کہاں
 تمہیں اب آنے کی فرصت ہمارے پاس کہاں
 ہوا ہے اب تو نئے دوستوں سے ربط و
 کیجا بھن گیا، کب تک کر دگے ہائے بیداری
 اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
 سن کے تیوری بدل لگا کہنے
 دیکھو اختلاف کی خوبی
 مجھ کو کتا ہے میرے گھر چلے

۱۰۴- حیدری - دہلوی اسمش شیخ غلام علی - پدر بزرگوارش دیشیہ

عالمی مصروف و بصلاح و سرا د موصوف بود - بہ سبب
 برہمی اطوار روزگار ترک وطن قدیم ساختہ اقامت
 در عظیم آباد انداختہ - نوشق است - اما طرز گفتار شش
 روانی دارد - از دوست

یہ دل اسیر زلفِ گرہ گیر ہی رہا

مجنوں ہمارا بستہ زنجیری رہا

۱۰۵- میر حامد - در سلسلہ مزیدان حضرت میر نصیر کہ جانشین خواجہ

باسط مغفور اندر - انسلاک دارد - در لکھنؤ بخدمت میر

موصوف بسر می برد - شخصے است آزادہ حال و نیکو حصال

شوق بسیار بجمع اشعار دارد از دوست :

دنیا نے دنی کو جو کہ فانی سمجھے وہ قصہ عمر کو کہانی سمجھے
 دیئے حقیقت کو وہی جاو پیر جو مثلِ حبابِ ننگانی سمجھے
 ۱۰۶۔ حضور۔ دہلوی۔ ہندو سیت شنیدہ شد در دہلی میگزرائند
 از دست:

زبانِ شمع سے روشن ہوا یہ اہل مجلس پر
 کہ بیانِ محمد گزرتا ہی ترقی میں منزل ہے
 ۱۰۷۔ حسرت۔ عظیم آبادی۔ شاید ہی اضافہ کیا ہو۔

۷۔ سطر ۳۴ شمع (درق ۶۲)

حسرت تخلص، ہیبت قلی خاں لقب، ساکن عظیم آباد کے۔ شاگرد میرزا جاناں منظر
 کے تھے چند روز انھوں نے رفاقت نواب شوکت جنگ کی، کہ خلف نواب صولت جنگ
 ناظم پرگنہ کے تھے، کی ہے اور کچھ دنوں ان کو خدمت عرض و معروض کی نواب سراج الدولہ
 ناظم بنگالہ کے حضور میں رہی ہے۔ ۱۱۹۵ گیارہ سو پچانوے ہجری کے اند نواب مبارک لڑو
 میر مبارک علی خاں بہادر صوبہ بنگالہ کی رفاقت میں نہایت غربت اور پریشانی کے ساتھ
 اوقات بسر کرتے تھے۔ ۱۲۱۰ باب سو دس ہجری میں اس سرائے فانی سے سفر کر گئے۔
 بڑے ہی لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے، بذلہ گوئی اور علم مجلس میں انتخاب تھے۔ قریب
 دو ہزار بیت کے دیوان اس عالی دودمان کا ہے۔ یہ انتخاب ان کے دیوان کا ہے۔

رات کا سچ ہوا یہ خواب مرا مل گیا صبح آفتاب مرا
 تیرے کوچہ سے باز نہیں آتا یہ دلِ خانِ خراب مرا

۱۱۔ اس لفظ کو قدما کے لہجے کے موافق بہ وزن نہ پڑھنا چاہیے۔ درنہ مصرع ناموزوں ہوگا ۱۱

نہ جانوں کرے کیا حنا کا لگانا لہو پانی کرتا ہے یہ پان کھانا
 عجب طرح کا عشقِ حسرت ٹھکانا کبھی اُس کے کوچہ نہ آنا نہ جانا
 بسکہ دکھ دیتا ہے میرے دل کو وہ بغیرِ دل کل نہیں پاتا ہے مارے درد کے پہلو مرا
 دل ہوا غم میں آب کی سی طرح پر جلے ہم شراب کی سی طرح
 ہاتھ میں جام لے لیا مجھ سے صبح کو آفتاب کی سی طرح
 چھپاؤں اشکِ گلگوں کی سی طرح ہائے! گریباں ہو رہا ہے جا بجا سرخ
 اشک پر اشک چلا متصل آوے باہر یہاں تک دئے آنکھوں سے دل آدے باہر
 بعد مرنے کے ہماری خاک کو برباد کر دے گئے کو کو لے مجھوں کا گھر آباد کر
 ترے جہاں گیر سے بنے کیوں کر میں ایک تیرا دیوانہ ترا نرار میں دل
 زلف و رخ یار دیکھتا ہوں کیا میل و نہار دیکھتا ہوں
 پھر یار سے ان دنوں میں بارے صحبت کو برا ر دیکھتا ہوں
 آپ ہی اپنے یار تھے، جانا نہیں غیر میں بھولے تھے، پہچانا نہیں
 ہم نہ ہوں تو ہو، تو سب چرچا کریں ”سمع ہے محفل میں، پروانہ نہیں
 کعبہ بھی ہم گئے، نہ گیا ان بتوں کا عشق اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں
 مر گئے انتظار کے ہاتھوں کیا کہیں! اپنے یار کے ہاتھوں
 پھر سیجا دمی کرے تو اٹھیں سو کماں روزگار کے ہاتھوں

رباعی

فریاد سے ہم سہری کرے کون سرکس کا پھرا ہے یوں مرے کون
 چل کش کش جہاں سے حسرت ہوتا رہے نت ورے پرے کون
 سدا بارش ہی میں رہتی ہیں میری چشم تر ساد تو ایک دو دن برس کر ہم سے آسکتا ہے بر ساد

اُڑا لے دے دلنے! شورش سوداے رُخ کو — بہار آئی، تو کیدھر دیکھتا ہے پھونکے گھر کو
 مجھے افراطِ رقت میں بجا نہیں بات کہ آئی — کہہ کر سکتا نہیں ڈوبا ہوا نقسہ بر پانی میں
 سنا ہی آج میخانہ میں عالم بے پستوں نے — لٹایا دین دنیا دونوں ہمت اس کو جتنے ہیں
 ہم دو اون کے نہیں عشق میں گھر جلتے ہیں — اس محبت میں پرندوں کے بھی پر جلتے ہیں
 دیکھ اس لب کے ترے، آگ میں نعل دیا قوت — تیرے ان دانتوں کی جھلکی سے گھر جلتے ہیں
 ان پتنگوں کی میں جرأت پہ مواجبات ہوں — بے کلجے میں یہ کجخت، قمر جلتے ہیں
 تو جو لب گر میاں کرتا مہیگا مجھ سے ہر دم — دیکھنے والوں کے حسرت سے جگر جلتے ہیں
 نہ جی لگا ہو آس سے جو دمنوں نہ ہو — کسی کا دل کسی ظالم کے پائے بند نہ ہو
 گودل بروں کے ماہ سے رخ پر نقاب ہو — پوشیدہ ہو سکے ہی جو کوئی آفتاب ہو
 لبِ بام آ کے یہ تیرا کھڑے رہنا تو آفتاب — سوائیز بے یہ گویا آفتاب آیا، قیامت ہے
 داغ دل چھیرے نازگی پہ ہوئے — اب شگوفہ ہمارا کرتا ہے
 ترا غور مرے عجز کے مقابل ہے — ادھر بہار، ادھر ایک شیشہ دل ہے
 پلا شراب ہوئے شراب آتی ہے — گھٹا بھی اپنا جھکڑا کھڑی دکھاتی ہے
 لے آڑا کام اپنا پروانہ — ہائے ہم باں و پر نہ رکھتے تھے
 جیسے بھٹکے پھراکے حسرت — یار کے دل میں گھر نہ رکھتے تھے
 نفس ہی میں ہیں رہنے دے صیاد — کہاں اب آڑا لگیں جب بال و برگ گئے
 تجھے کچھ بھی ہے حسرت فکر دل کی — کہاں کھویا آسے تو ہائے بھونکنے لگے
 ناصح عبثِ سامت ہیں متبلا کسو کے — کچھ دل بھی گیا چہرے ہی چہرے سے کیا کسو
 یہ گل ہزار اپنے جامے میں پھول بیٹھے — ویسے کھلے نہ دیکھے بن ببا کو کے
 جدائی کی ہوا دہکا گئی اب آگ سینے کی — لگے اُڑنے بھوکے آہ کے، کیا طرح جینے کی

رباعیات

ناشاد کا میرے حال جیسے نہ گیا جی بکھین یا طلال جی سے نہ گیا
یہ لوحِ مزار پر ہماری لکھنا ہم گئے پتہ ترا خیال جی سے نہ گیا

زاہد جو نہیں ہے میرے دل سے آگاہ کتاب ہے کہ "کافر ہے تو لے روئے سیاہ
ہوں جس کی پرستش میں کہوں کیا یا رد آتا ہے وہ بت، دیکھو اللہ! اللہ!

کب شہر کو چھوڑے، جو سیانا ہوگا صحرادیکھے گا، جو دوانا ہوگا
ہم دونوں میں سیر کر کے دیکھا حسرت رہنا تو وہاں، جہاں کہ جانا ہوگا

مینخانہ میں کیا پھرے ہے مثلی مثلی زاہد واعظ سے دور، بھٹکی بھٹکی
قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے ہرگز یہ دخترِ رزہ ہے، جس سے اٹلی اٹلی

۱۰۸۔ حضور۔ اس مش شیخ غلام محیی۔ از اعزہ عظیم آباد یگانہ عالم و
دورست بآئکہ خود را بہ شاگردی کسے ندادہ طلعتِ موزو

وسلم افتادہ است۔ در اوائل حال مختصرات متداولہ صرف
و خوراز عمیری مولوی محمد باقر تحصیل کردہ من بعد پدیشہ
روزگار در آمد۔ درینو لا تعلیل تجارت معیشت می کنند

از اجاب موقوفِ حقیرست۔ ہنگامِ تدوینِ اس تذکرہ
منتخب کلام خود را دادہ کہ دریں صحیفہ انضمام یابد۔ جلا

آرامیدہ اطوار دایں اشعار نخبہ افکار آں
دوستدارست (۶۰ شعر)

۱۰۹- حسن - دہلوی آتش میر محمد حسن از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا بود
از دست :

قاتل اگر کہے کہ سسکتا بی چھوڑیو
خجر تو ایک دم کے لئے مٹھ نہ موڑیو

۱۱۰- حسن - آتش میر محمد حسن - غالباً ہماں میر حسن دہلوی مذکور باشند
تفریق احوالش تا تحریر ایں ادراک بر اتم فقیر نہ رسیدہ
این ابیات نسوب بہ میر حسن ست - (۱۱ شعر)

۱۱۱- حسن - دہلوی - خواجہ حسن کوئی اضافہ نہیں - ۹ سطر ۴۰ شعر (۶۶)

حسن تخلص، خواجہ حسن نام، متوطن شاہ جہاں آباد کے بیٹے خواجہ ابراہیم بن غیاث الدین
بن محمد شریف بن ابراہیم کے ہیں۔ جو کہ مشہور خواجہ کھار کر کے تھے۔ چشتی اور ساکن پناہ گنج
ہیں۔ بڑے ہی لطیفہ گو اور بذلہ سخن ہیں۔ علم موسیقی ہندی سے بخوبی ماہر اور استعداد اس
علم کی ان تصانیف سے ظاہر علم نجوم میں بھی دخل بجا چکا رکھتے ہیں۔ اور فقر و درویشی میں
تو آدھا لکھنؤ معتد اپنا رکھتے ہیں۔ علوم متداولہ سے بھی خوب آگاہ ہیں خصوص علم تصوف کے
بادشاہ ہیں۔ توسل اموات دنیا میں ان کو نواب سرفراز الدولہ میرزا حسن رضا خاں سے ہے
اور یوں ملاقات تو ایک جہاں سے ہے۔ بخشی نام ایک رنڈی ارباب نشاط سے ہے اُس پر
مرتے ہیں اور اکثر نام اُس کا مقطع میں غزل کے داخل کرتے ہیں۔ زبان ریختہ میں صاحب یونہ
ہیں۔ کچھ اشعار منتخب ان کے کلمے گئے یہاں ہیں۔

حال دل اپنا میں ہر ایک سے گواہ دیکھا
وقت نگارہ نہ روکتے تھے لے چہم تجھے
وہاں کسی ڈھب سے پہ ہوتے نہ پزیرا دیکھا
شدتِ گریہ سے اے خاک نہ سو جھا دیکھا
ایک عالم نے آپ کو گھورا دیکھا
کیا غضب ہو گیا اگر میں نے بھی دیکھا دیکھا
دیکھنے سے مرے کا ہے کو غضب ہوتا ہے

تب اس جلیہ گر کو نہ کچھ کام ہوگا
یہی شورِ ششِ عشق ہے تو الہی !
رہی بے قرار سیڑ کی یونہی
موتے ہم تو پر بے قرار سیڑ ہی ہے

اگر نزع سے جان بخشی حسن کو
تو اس میں تمہارا بڑا نام ہوگا

جو بندہ خانے میں آئے گا، فقیر تم کو دعا کرے گا
عالم آس حور کی جو جلوہ گری کا دیکھا
کسی کے دل کو جو خوش کرو گے خدا تھا اچھا
پھر یہ جلوہ نہ کسی حور و پری کا دیکھا
پہنچے وہاں کچھ جب تیں پیغام ہمارا
یہاں تب تیں آخر ہی ہوا کام ہمارا
دل دلاسوں سے کرے ہوا زاری بہتر
خانہ ماتم میں جو پرے سے زاری بہتر

بھلا میں دو انہ سہی پر یہ نا صحیح
میں تھک کے بیٹھو ہو کیا راہ میں تم
مرے ساتھ بکنا ہے عاقل کو دیکھو
چلو راہِ روا اپنی منزل کو دیکھو
ٹمک جلا دے ہمیں گویا ہوتا
میں تو سب طرح سے تیرا ہوں مینا
ماںوں تب وعدہ فردا اے یا
اے مرے اشک سر مرگاں پر
تو جو ڈھونڈے ہر حسنِ خلعت کو

اے لبِ یار مسیحا ہوتا
پر جو تو بھی کہیں میسر ہوتا
جب ترے وعدے کو فردا ہوتا
قطرہ کیا ہوتا ہے دریا ہوتا
عین خلوت میں اکیلا ہوتا

سرگریباں میں جھکا دل میں بیٹھ ————— مونہ دھلے آنکھ کو تنہا ہوتا
 چلنے سے کب اٹک ہارتا ہے ————— دریا ہے کہ جو خش مارتا ہے
 آکر بلا سے قتل ہی کر جائے مجھے ————— صورت اسی بہانے سے دکھائیے مجھے
 غم نے ایذا جو لے صنم بخشی ————— یہ بھی سرکار کی کرم بخشی
 حقیقت کہیں کیا ہم اُس انجمن کی ————— نہ تھی واں خیر اپنے ہی تن بدن کی
 اگر جاں کنی میں وہ جاں بخش آوے ————— تو ہونوع سے جان بخشی حسن کی
 یہ تو نے مجھ سے نالہ شبگیر کچھ نہ کی ————— یہاں دُل جلایا اور وہاں تاثیر کچھ نہ کی
 کیوں تم خفا ہو، کب میں کسی بات پر میاں ————— موجب تھا کہ قویں کے تقریر کچھ نہ کی
 کچھ اور تو ہوا نہیں ہے ساری عمر میں ————— تقصیر یہ ہوئی کہ میں تقصیر کچھ نہ کی

مرنے جاں کنی میں حسن حیف تم نے رات
 اب اُس کی جان بخشی کی تدبیر کچھ نہ کی

بلک اپنا یہ رونے پہ اگر دھیان لگا دے ————— سادون کی جھڑی دیدہ گریان لگا دے
 شمشیر نگہ تیز ہے آگے ہی جو چاہے ————— اور سنگ سے سرمہ کے زراں لگا دے
 دل رات مری تجھ سے دعا یہی یارب! ————— اُس بت کا مجھے آٹھ پہر دھیان لگا دے

کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانے سے رہے ————— پر ٹکلیا ہوا کہ یہ دل تمللانے سے رہے
 ہم نے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی ————— بے سبب باپ جو ایدھر کے آنے سے رہے
 آہ کس کس بے وفائی کا میاں کیجے شمار ————— اور تو سب یک طرفہ مجھ بھی دکھانے سے رہے
 اُس نے کس کس طرح ٹالا ہم کو اپنے در سے پر —————
 دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے

۱۱۲۔ حسن دہلوی۔ میر غلام حسن۔ کوئی اضافہ نہیں خلیں نے انہی حالات کو جو تلف نے اپنی طرف سے پیش کئے ہیں میر حسن ہی کے قلم سے لکھا ہے کیوں کہ انھوں نے لکھنؤ سے خود حالات بھیجے تھے۔ میر حسن نے اپنے متعلق جو الفاظ لکھے تھے ان میں سے علیٰ ابراہیم حسبِ یل نقل کئے ہیں :

”از سائر اقسام اشعار ابیات مدونہ من قریب بہشت ہزار
بیت است و تذکرہ در ریختہ نوشتہ و اصلاح سخن از میر ضیا
گرفتہ ام و مدتیت از دہلی وارد لکھنؤ گشتہ با نواب سالار جنگ
خلف ایشاں ملقب بہ مرزا نوازش علی خاں بہادر سردار جنگ
می گزرا نم“

حسن تخلص، میر غلام حسن نام۔ شاہ جہان آبادی۔ بیٹا میر غلام حسین ضاحک تخلص کا اولاد ہے میر امامی ہروی کے دلی کے پرانے شہر میں بود و باش رکھتے تھے۔ صغیر سن سے وارد لکھنؤ میں ہوئے۔ نواب سالار جنگ اور خلف ان کے میر نوازش علی خاں سردار جنگ کی رفاقت میں اوقات انھوں نے ساتھ عزت اور غربت کے بسر کی ہے، اور اصلاح سخن کی میر ضیا الدین ضیا تخلص سے لی ہے۔ اقسام علم سے تو جمیع علوم میں انھیں افسار و سنجہ مافی ہے، ہاں مگر اشعار میں ان کے البتہ ایک صفائی اور روانی ہے۔ قریب آٹھ ہزار بیت کے انواع نظم میں دیوان ان کا ہے اور ایک تذکرہ بھی ہندی گوئیوں کی زبان ریختہ میں لکھا ہے۔ بے نظیر اور بدستیر کے احوال میں کیا خوب شنوی لکھی ہے۔ اور ۱۲۰۵ء بارہ سو پانچ ہجری میں سیر روضہ رضوان کی کی ہے یہ اشعار منتخب دیوان

ان کو کردار کے ہیں ۵

گر کیجئے رقم کچھ تری وحدت کے بیان کا
تو چاہیے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا
چھوٹا نہ وہاں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یہاں یہ اضطراب جاں کا
نہ رہتی تھیں آپس نہ تھمتے تھے آنسو
حسن تجھ کو کیا رات غم تھا کسی کا

ایسی ہی آہ! باتیں اُس بے وفائے چھری
روتے ہی روتے جس میں دُور وصال گزرا

کچھ تو صدا ہے آہ! تر خاک بھی، کہ جو
اُدھر کو لگ رہا ہے حسن و شش نقش پا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا
جیسے کوئی بھولا ہوا پھر تا ہے کچھ اپنا

چھوڑ دے کوئی کسی کے لئے جس طرح سے کچھ
ہم نے منت میں تری کون مکاں چھوڑ دیا

اپنی جاگہ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیسا
تری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجھ کو کیا

وہ ملک دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا
سو ہو گیا ہی تجھ بن اب وہ مقام ہو کا

دامن صحرا سے اٹھنے کا حسن کا جی نہیں
پانوں دیوانے نے چھلایا، بیاباں دیکھ کر

اب جو چھوٹے بھی ہم نفس سے، تو کیا
ہو چکی وہاں بسا رہی آخر

اُس شوخ نے پھینکا ہے مگر تیر ہوا پر
جاتا ہے جو دل کا مرے نچر ہوا پر

دیکھا جو وہاں نہ اُس کو لگاں سو طرف گیا
آئے نہ ہوتے کاش کہ ہم کوئے یار تک

آن کر غمکہ دہریں جو بیٹھے ہم
شمع سا اپنے تئیں آپ ہی رو بیٹھے ہم

اس کی جنبش سے ہم بچ کے بے تنگ آتے ہیں
اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

حسن میں جنبش گرمی نہ ہو، جی دیئے کون
شمع تصویر کے کب گرد تنگ آتے ہیں

اپنے دل سے تو کبھی ہم ترا شکوہ نہ کریں
ہو کر آرزو تم ایسے ہی تو بولا نہ کریں

ترسے بن باغ میں جس وقت غنچے دل کے کھلتے ہیں
خراش ناخن غم سے جگر کے زخم چھلتے ہیں

نہایت اس طرح تمہ پر زلف کو کبھرا کے اظالم
زرا آٹھ بیٹھ تو اس دم کہ دو نو وقت طے ہیں

ہے نرادل کی جوز لغزوں کے گیا پہرے میں
شب کو کیوں نکلا اکیلا جو پھنسا پہرے میں

کتاب ہے تو کہ ”تجھ سے میں ہی نباہتا ہوں“
 مجھ پر ہی تیرا یہ ستم وجہ رکھ نہیں
 دھکا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسن
 صیاد کی مرضی ہے یہ اب گل کی ہوس میں
 وہ اور زمانہ تھا کہ خواہاں میں تھی آفت
 دم رکتا ہوا آنا ہے لب تک تھے غم سے
 دل اپنا اسی باتوں سے اٹھ جاتا ہے تجھ سے
 تیرے ہمنام کو جب کوئی پکارے یہ کہیں
 غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
 دیکھنا زلف و رخ تھیں ہر وقت
 کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی
 جان و دل میں آداس سے میرے
 ساتھ دیکھوں ہوں کسی کے جو کسی دلبر کو
 کیا چھڑے پوچھے ہے کہ ”گھر تیرا نہیں ہے؟“
 سیر ہے تجھ سے مری جان جدھر کو چلے
 جب میں چلتا ہوں تیرے کوچہ سے گھر کے کبھی
 نغمہ عشق سے ہیں سجود ز تار ملے
 دن توقع ہی توقع میں کمان تک گزرے
 جی تو ایسا ہی خفا تھا کہ نہ ملے گا گھو
 گر بخت اپنے جاگیں تو اک کام کیجئے
 اب میں بھی بے قراری پر اپنی یا قرار

تو بھی کہیں ہوشیا میں یوں ہی چاہتا ہوں
 لیکن ترا ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں
 یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے، اور کچھ نہیں
 نالے نہ کریں مرغ گرفتار نفس میں
 ایسا نظر آتا نہیں اب ایک بھی دس میں
 عقدے پڑے ہیں بسکہ مرے تار نفس میں
 جابیٹھے ہے تول کے جو نرکس و کس میں
 جی دھڑک جاتا ہے میرا کہ کہیں تو ہی نہ ہو
 کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو
 شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو
 پر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی
 اٹھ گیا کون پاس سے میرے
 میں بھی جی رکھتا ہوں مجھ کو بھی ہوس آتی ہو
 کہنے کو تو گھر یہاں ہے، یہ جی اپنا دین ہے
 تو ہی جب ساق نہ ہوئے تو کہہ کر کو چلے
 دل مجھے پیر کے کتاب ہے ”ادھر کو چلے“
 ایک آواز یہ دوساز کے ہیں تار ملے
 مر گئے پھر ہیں، بس اب تو کہیں مار ملے
 پر ترے ہنس کے لپٹ جانے میں ناچار ملے
 سایہ میں اُس کی زلف کے آرام کیجئے
 بس خیر! آپ شوق سے آرام کیجئے

بھولے سے نام لے کے مرا ہٹ بتا گیا — پیاری لگی یہ مجھ کو تری بات آج کی
 کئی دن تیرے چپ رہنے میں اٹک لکھوں برسا — نکل خوشید مدد گھر سے کہ عالم خوب ترسا ہے
 ترا ہر چند دل تیرے بھی کچھ سخت ترسا ہے — لیکن سخت اگر کہئے، تو کب میرے جگر سا ہے
 گریباں چاک اور خاموش مجھ کو دیکھ کتا ہے — ”کہوں کیا بات اس سے یہ تو کچھ دیوار درنا ہے“
 بہنے نہ دے گا اس بن یہ دن تو ایک دم بھی — کیوں روٹھ کر ہم اپنا کھودیں بٹ بٹ ہم بھی
 دریا میں ڈوب جلے، کہ یا چاہ میں پڑے — اے عشق پر نہ کوئی تری راہ میں پڑے
 آج اکیں شتاب! کہ مانند نقش پا — تکتے ہیں راہ تیسری سر راہ میں پڑے
 یوں غیر کچھ نہیں، تو بلا کو بُری لگے — تو کچھ نہ کہ، کہ ہم غراب کو بُری لگے
 کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے — دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
 رہے جس میں خطرہ سدا نیستی کا — بس لے زندگی! ایسی ہستی سے گزرے
 آنکھوں کو اس کی دیکھا تو ہستی نظر پڑی — پھر ساتھ اس کے بادہ پرستی نظر پڑی
 سارا جہاں خراب تھا آنکھوں میں تجھ بغیر — باسے وہ آج آیا تو بستی نظر پڑی
 جو چاہے آپ کو تو اسے کیا نہ چاہیے — انصاف کو تو، چاہیے یہ یا نہ چاہیے
 مجھ سے نہ تجھ کو چاہا تو چاہا باعجب نہیں — تجھسا جو مجھ کو چاہے، تو پھر کیا نہ چاہیے
 مرگاں سے جھاڑتے ہیں جو اس گلی کے تنکے — رہتے ہیں ہم دوانے روز ازل سے تنکے
 یعنی ان کے

رباعی

دنیا داری میں اور نہ دین داری میں — چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری میں
 حیرت کدہ دہر میں تصویر کی طرح — سویا کرتے ہیں عین بیداری میں

رباعی

ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے — ہر لحظہ نیا شوق دلا جاتے تھے
 کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو؟ — اب تک تو کئی بار تم آ جاتے تھے

مثنوی درجہ کھنڈ و تعریف فیض آباد

نہیں یہ کھنڈ ہے یہ زمانا
 زبں یہ ملک ہے پتھر پہ بستا
 کسی کا آسماں پر گھر ہوا میں
 زمیں گنجان ہے یہ شہر یا ہم
 سیہ گل سے گلی یوں تر رہے ہی
 فراغت سے یہاں کس کا مکاں ہے
 کنواں بھی یوں ہی پھر اس تنگ گھر میں
 کنواں کہنا ہے عقل سے دور
 کہوں کیا میں امت اس مکاں کی
 ہزاروں راہ اس میں پیچ در پیچ
 جو اس کے زیر سایہ آن نکلے
 جو کوئی رات کو بھولے یہاں گھر
 نہیں امکاں جو گھر اپنا وہ پاوے
 زبں کو نے سے یہ شہر ہم عدد ہے
 چڑھے ہے گو متی جب گرد آکر
 رکھے ہے پار ہو سکنا تب امکاں
 سوائے قندیاں دیکھا نہ کچھ اور
 چلا میں یہاں سے دل اپنا اٹھا کر
 عجب معمورۂ آباد پایا

زمانے پر عبث رکھنا ہوتا
 کہیں اونچا، کہیں نیچا ہے رستا
 کسی کا جھوپڑا تحت اثری میں
 سما سکتا نہیں ہے غیر کا دم
 بغل جس طرح زنگی کی بے ہی
 ہر اک گھر خس کا سادل یہاں ہے
 پڑے پتلی کا تل جیسے نظر میں
 کہ ہے اس گھر کی چھاتی کا وہ سو
 پڑی بنیاد بعد اس کے جہاں کی
 و لیکن مثل زلفِ رشت رویہ پیچ
 رُکے دم اور اس کی جان نکلے
 پھرے گلیوں میں ٹکراتا وہ درد
 بلا خورشید کو جب تک نہ لاوے
 اگر شیعہ کے نیک اس کو بد ہے
 حباب آسا ہے پھرتے ہیں سب گھر
 چڑھے جب آدمی پر آدمی یہاں
 سو ہے رو پوش وہ بھی دیکھ یہ طور
 کہ کیجے سیر فیض آباد جا کر
 مثالِ گل ہر اک دل شاد پایا

کھلا بازار اور رستہ کشادہ
 دورستہ راستے میں اتنا رستا
 وہ جی ہے شہر کا ترپو لیا یوں
 ادھر کو جو ہری، ادھر کو بڑا ز
 روپے اور اشرفی دیکھے برستے
 یہ فرنی اور فالودے کا عالم
 ملا شربت میں جو اس کو تباوے
 ملائی دودھ کی دیکھو تو گویا
 بلند می پر ہے حلوائی کی دُکّاں
 دھری ہیں گولیاں اور یوں اندر سے
 مٹھائی کی کروں تعریف تا چند
 ہزاروں خانگی اور کبھی آکر
 چمک امن کی دکھلایوں چلے ہے
 وہ سبزہ کان میں زیب بنا گوش
 شعاع اس کی یہ اور منہ کا سپنا
 کوئی کرتی پہن جالی کی سادہ
 کیا اس دام میں تیکہ کو یوں صید
 بیاض جدولی جیسے ہو سادہ
 کسی کے آج تک دیکھا ہے بتا
 کہ جیسے تین رو صیں جسم میں ہوں
 ادھر صراف اور ادھر طلا ساز
 دیئے تختوں پہ چون کرکس کے دستے
 کہے تو چاند اور تارے ہیں باہم
 شب مکہ کا سما پانی میں پاوے
 اُسی میں ماں حلوائی نے کھویا
 ستارے گرد ہیں جیسے چراغاں
 کہ گویا چاند اور تارے ہیں برے
 قلم کی ہو گئی اب تو زباں بند
 کریں ہیں سیر لالہ دل لگا کر
 کہ بجلی اپنے ہاتھوں کو ملے ہے
 کہ جس کو دیکھ طوطی کے اڑیں ہوش
 ہے گویا پھول پر شبنم کا مینا
 گریباں کر کے چھاتی تک کشادہ
 سحر کے جوں گریباں میں ہو خورشید

مسافر اس طرف جو آن نکلے

نہ نکلے وہاں سے غیر از جان نکلے

۱۱۲- حیف - اسمش موتی محل - ولد لالہ بت سین قوم کا تھہ - اپن
 شاگردان میر سوزست - الحال کہ ۱۱۹۶ھ ہند

در لکھنؤ می گزراند۔ اشعارش در سال مذکور از انجا
طلبیدہ تحریر یافت (۸ شعر)

حرف النخا

۱۱۴۔ خاکسار۔ دہلوی۔ محمدا یار۔ کچھ اضافہ ہے ۳ ۱/۲ سطر ۶ شعر (۱۱)

خاکسار تخلص۔ محمدا یار نام، شاہ جہان آبادی قدم شریف کے خادموں میں سے تھا
بڑا ہی مشتاق زبان ریختہ کا۔ ہمیشہ محمد تقی میر تخلص سے نوک جھونک کرتا رہا ہے اور ان کے
اشعار میں مشاعروں کے اندر اکثر تصرف کیا گیا ہے۔ صاحب دیوان اور شاعر خوش بیان
تھا۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ”شعرا س غزنیہ کے میرے ہاتھ نہیں لگے ہیں“ اس
جست سے اشعار اس کے داخل اس تذکرے کے کتر ہوئے ہیں۔ یہ اشعار طبعزاد
اس کہن استاد کے ہیں۔

ہم نے بھی تجھ سے توبے مرنہ کی جان غزنیہ	تھا زینجا کو جو جاں سے مہ کغان غزنیہ
بولا لوگوں سے یہ تھا مرد مسلمان غزنیہ	کل مجھے قتل کر اس دشمن دین کا فرنیہ
کس مسلمان کو نہیں دین اور ایمان غزنیہ	کیوں نہ وہ مصحفِ دو جاں سے مجھے ہو دینا
آپ میں آذرا اپنے تئیں بچپان غزنیہ	خاکسار عرش سے بھی دیکھا ہے تیرا مزاج
لے خانہ خراب کیا کیا تو	دن شیفہ کر کے کیا یا تہ
مجھ کو یک سر ہزار سودا ہے	تیری زلف سیہ اے پیارے

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے
 رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی اس غامباں خراب کو چکا خدا کرے !
 کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے سے آہ! جوں شمع ہر راحت مجھے جل جانے سے

۱۱۵۔ خلیق دہلوی۔ امش مرزا ظہور علی خلیف مرزا ہوشدار۔

در موسیقی ہندی و مرثیہ خواندن بغایت مهارت دارد
 بعضے از کتب عربیہ را خواندہ۔ جوان آرامیدہ و خوش
 ذہن ست۔ گاہے رنجتہ می گوید۔ و با وصف نوشمتی
 بعضے شعرش دل نشین می افتد۔ از عہد محمد شاہ فردوس
 آرامگاہ حسب الطلب نواب نوازش محمد خاں شہامت جنگ
 وارد مرث را آباد شدہ۔ در اں بلدہ سکنتہ اختیار کردہ
 تا حال کہ ۱۱۹۹ھ ہجریہ باشد در سرکار نظامت بنگالہ
 منسلک و بار اقم آشناست۔ از دست۔

آئی بہار کیوں دل افسردہ ہے خلیق
 مانند گل کے تو بھی گریباں کو چاک کر

صحبت زندہ دلاں ہے باعث آرام جاں
 ہمیشہی مردہ دل کی ہے عذاب زندگی

۱۱۶۔ خادم۔ غلام آبادی۔ نامش خادم حسین خاں خلیف حاجی

احمد علی قیامت تخلص۔ از منصبداران و علم زادگان موثق
 اوراق ست۔ بہ نسبت اجداد پوری از شیوخ بنی ہاشم
 و بہ نسبت اجداد مادری از سادات حسینی ست آمیدہ و
 سنجیدہ اطوار۔ گاہے بہ موزونی طبع ریختہ می گوید۔ از دست
 رات دن فرقت میں اس کی اس قدر ناشاد تھا
 آسمان نامے سے اُس کے آسیائے باد تھا
 بے پری جب تھی مجھے تب فکر آزادی نہ تھی
 خوب تھا آرام جب بے رحم وہ صیا و تھا

حرف الدال

۱۱۷ - درو۔ خواجہ میر درد دہلوی۔ بعینہ ترجمہ ہی صرف
 تاریخ وفات کا اضافہ کیا ہے۔ ۲۰ سطر

درد تخلص، خواجہ میر نام مینوطن شاہ جہان آباد کے، خلف الصدق حضرت ناصر دہلوی کے
 ثابت قدمی میں اس قطب آسمان استقلال کی اور زاویہ گزینی میں اس مرکز دائرہ فضل و
 کمال کی یہ نقل مشہور ہے اور زباں زد جمہور ہے کہ جس ایام میں معمورہ شاہ جہاں آباد کا
 اور ہر ایک کو چہ اس خجستہ بنیاد کا، مجمع اہل کمال سے اور کثرت منتجبان عظیم المثال سے
 رشک ہفت اقلیم اور غیرت جنت انعم تھا، تو معموری پر شہر کی عرصہ ربع مسکون کا تنگ اور
 وہ خراب آباد تیشیم سے ہفت اقلیم کی تنگ تھا۔ جب کہ متواتر نزول آفات کے باعث

اور کمرور و دہلیات کے سبب خراب ہوا، اور صدرِ عقوبت و عذاب ہوا تو ہر ایک ریشہ گوشہ نشین نے اور ہر ایک صابرِ زاویہ گزین نے اور ہر تو نگر مالدار نے، اور ہر امیر عالی قدر نے، فرار کو غنیمت جانا اور بھاگے اُدھر کو جدھر پایا ٹھکانا۔ مگر وہ سید والا بتا کہ نام نامی اُس کا خواجہ میر درد تھا، اُس قطبِ آسمان استقلال نے خیال بھی جگہ سے سرکنے کا نہ کیا، محلِ بلاؤں کے اور حالِ جفاؤں کے ہوئے، اور شاہِ جہان آباد کو چھوڑ کر ایک قدم اپنے کنجِ غلت سے نہ گئے۔ اگر شیخِ فرید شکر گنج اُس کو محل کو دیکھتا، تو چاشنیِ فقر اُس کی حیران ہو کر مانندِ نیشکر کے انگشتِ تحیر کو کاٹتا۔ اور اگر سید حسین خُنگ سوار پنج اس عرصہ کے ہوتا، تو زینِ پوشِ خدمت کا اُس کے کاغذ پر ڈال کے دوڑتا۔

غرض اس مجمعِ فضل و کمال کی اتنا طبعیت طرفِ نظم کے نہ واسطے شہرت اور نام کے ہے بلکہ واسطے گرامے افسردہ دلانِ خام کے ہے۔ اُس شہسوارِ معرکہِ سخنوری کے تو سنِ تند خرامِ قلم نے بیچِ قلم و معنی آفرینی کے ایک گام بے راہی نہیں کی اور اُس کی تازہ عرصہ مضمون تراشی کے ست رنگِ آسمان سیرِ خام سے بیچِ میدانِ بلند مقامی کے ایک قدم کو تا ہی نہیں کی تعجب نہیں ہے اگر اُس عنذیبِ گلشنِ معنی کے کلامِ معجزِ نظام کی تحریر سے صفحہ کاغذ کا ہم رنگِ بزمِ گل ہو، اور نغمہِ زبانِ قلم کا ہم آہنگِ صغیرِ لبس ہو۔ اگرچہ دیوانِ ان کا بہت مختصر ہے، لیکن سراپا درد و اثر ہے۔ زبانِ فارسی میں بھی اکثر غزلیں کہیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی خالی کیفیت سے نہیں ہیں۔ رباعیوں کی طرف مسائلِ تصوف میں بیشتر طبعیت آئی ہے اور شرح بھی اُس کے مشکل مقاموں کی آپ ہی فرمائی ہے۔ طریقہ فقر میں بہت بڑے کاسب اور شاعری تھے، اور راہِ طریقت کے طالبوں کے واسطے رہنمائے کامل تھے۔ ۱۲۵۶ء بارہ سو دو ہجری میں اُس لبسِ گلشنِ آزاد نے دامِ ہستی سے نکل کر شاخِ خار کو چہنِ عدم کے آباد کیا۔ یہ

منتخب ان کے دیوان کا ہے

مقدور کسے ہے ترے وصفوں کے رقم کا
حقاکہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
بستے ہیں ترے سایہ میں بسبج و برہن آباد
تجھی سے تہے گھر دیر و حرم کا

مانند جاب آئیکہ تو اے درد کھلی تھی

کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

اہل زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا
پر اب جو کچھ ہے یہ تو کسی نے سنا نہ تھا

باور نہیں ابھی تجھے غافل پہ عنقریب
معلوم ہو دے گا کہ یہ عالم فانیہ تھا

یک بہ یک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اُس کے آگیا ہوگا

محل و گلزار خوش نہیں آتا
باغ بے یار خوش نہیں آتا

جان پہ کھیلا ہوں میں، میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یار ہے، مجھ کو آدھر دیکھنا

ذکر وفا کیجئے اُس سے کہ واقف نہ ہو
کہتے ہو کس سے یہ تم ”ملک تو ادھر دیکھنا“

باہر نہ آسکی توفیقِ خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت! دیکھا شعور تیرا

بھٹکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف ہوا
جی میں سمار رہا ہے از بس غرور تیرا

ہم نے چاہا بھی، پر اُس کو چپ سے آیا نہ گیا
وہاں سے بھول نقش قدم دل کو اٹھایا نہ گیا

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر جنم
”ہمارے باغ گویوں بھی ہے، لیکن کہ حشر جنم“

تیری خون آشامیاں مشہور ہیں اے تیغ یار
ایک قطرہ چھوڑے تو پیوے ہمارا ہی ہو

اس سہی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
لے نشہ ظہور! یہ تیری ترنگ ہے

نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ہو دو بدو کینے سے

مجھے یہ ڈرنے دے زندہ تو نہ مر جاوے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

لے اس مضمون کو شیخ ابراہیم ذوق نے اس طرح بانٹا ہے: کہ ہے اس سے دم نفع یہ لہو میرا، کمی جو
مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا۔ لیکن درد کی بندش کو نہیں بچتا ۱۱

جو ملتا ہے مل، پھر کہاں زندگی
کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی
عجب خواب درپیش ہے پھر تو سب کو
سنا لو ملک اب اپنی اپنی کسان
۱۱۸۔ دانا۔ تخلص دہلوی مشہور شاہ دانا۔ اسمش شیخ فضل علی

از معتقدان شاہ برہان الدین و از شاگردان میاں مضمون
دہلوی ست پیشتر در لباس دنیا بود و چندے در سرکار
نواب سراج الدولہ ناظم ہنگالہ انصلاک داشت احوال
کہ سنہ یک ہزار و یک صد و نو و چہار ہجری باشد۔
در لباس فقر و ارستگی و مسکن در ہنگالہ بسر می برد۔
ہنگام تدوین این تذکرہ اشعار خود را بہ توفیق حقیر داد کہ
در تذکرہ ارتسامیادہ کفارش با طوار مضمون مذکور

بطرز ایہام ست۔ این ابیات از دست ۱۶ شعر (۹۰-۱)
۱۱۹۔ در و تخلص ۱۔ اسمش میر کریم اللہ خاں ۱۲ از اقربائے نواب
عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم ست۔ گوئی بسیار دلاور
و گرم جوش و زبان آور بود۔ بعد حمد شاہ ابن محمد شاہ
فردوس آرام گاہ ہمراہ میر علی اصغر کبری در معرکہ مرہٹہ
شہید گردید۔ ۵ شعر (۹۰-۲)

۱۲۰۔ در و مثنیٰ۔ فقیر صاحب۔ لطف نے یہ چھوڑ دیا کہ ”غظیم آبادی
بہ خالوی این خاکسار موسوم بہ زائر حسین خاں مرحوم

اختصاص داشت ... بار اقامت مجتہ داشت

۱۲۵ شمر

دردمند تخلص، فقیر صاحب نام۔ دکن ان کے بزرگوں کا وطن ہے۔ بلکہ ان کا بھی
 ولد دکن ہے۔ لیکن تربیت انھوں نے شاہ جہان آباد میں پائی ہے اور خدمت سے میرزا
 جان جاناں مظہر کی کیفیت آداب فقر کی اٹھائی ہے۔ مرید بھی مرزائے مذکور کے تھے
 چند مدت تعلیم آباد میں بود و باش کی ہے اور رفاقت میں نواب غلام حسین خاں اور نواب
 اعظم خاں کے بیٹے کی گزراں معاش کی ہے۔ بعد اس کے پھر دلی گئے اور چند مدت وہاں رہے
 پھر نواب نذرت خان محمد خاں شہامت جنگ بھتیجے نواب علی وردی خاں مہابت جنگ کے بلائے ہوئے
 شاہ جہان آباد سے مرشد آباد میں آئے اور طور بود و باش کے وہیں ٹھہرائے۔ رفاقت
 میں نواب مذکور کی البتہ ایک۔ فادہ احوال ہوا۔ آخر سلاطین گیارہ سو چھتر بجری میں بلوچ
 مرشد آباد کے اندر انتقال ہوا۔ سلیقہ سخن رسی میں استاد تھے، اور طریقہ مصاحبت و
 اخلاط کے ماہر حد سے زیادہ تھے۔ فارسی دیوان ان کا صاحب نظروں کا منظور ہے۔

اور ہندی میں تو یہی ساقی نامہ مشہور ہے

پری اُس کی خوبی کی از بکے عوم	لیا ماتہ قدرت کا صانع نے چوم
ارے ساقی اے جانِ فضل ہمارا	یہی تھا ہمارا وسیعہ قرار
ہمارے پسر نے کی یہ فصل تھی؟	فراموش کرنے کی فیصل تھی؟
تم ہی جان کی سون غنیمت ہوں میں	سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں
مری عقل میں کون انباز ہے	ارسطو مرا اک دوا ساز ہے
فلک چہچہ مارے گا گرسد ہزار	نہ لاوے گا مجھ سا کوئی رہ بکار
نظر تو کر دیکھ چمن کی طرف	شکوہ نہ کر آیا ہے مستی سے کف
چمن میں بھرا ہے نشہ یاں تاک	کہ جاتی ہے نرگس کی گردن ڈھلک

تجھے باغ کے رنگ و بو کی قسم
 تجھے اپنی پنہاں غصہ کی قسم
 نشہ سے بہکنے کی تجھ کو قسم
 تجھے اپنے مینا کے سر کی قسم
 تجھے خود پرستی کی اپنے قسم
 قسم ہے مرے نام کے ننگ کی
 میں دیتا ہوں تجھ کو قسم پر قسم
 تجھے بچوں کی شرافت کی ہوں
 تجھے اپنی سو گند کھانے کی ہوں
 تجھے بقراریوں کی ذمت کی ہوں
 تجھے اپنی مندی کے پاؤں کی ہوں
 تو اتنا کرے ظالموں کے امام
 مرے خون کو اپنے اوپر حلال
 گر جیونا میرا بھاتا، نہیں
 زبیاں خوب نیس اپنی سرکار کا
 تری مہربانی کا مجھ کو گمان
 نکل جائے جی نا آمیدی کے سارے

تجھے جان گل کے لہو کی قسم
 تجھے جام کے چشم ترک کی قسم
 ادا سے لہکنے کی تجھ کو قسم
 تجھے جام صہبا کے سر کی قسم
 تجھے نازِ مستی کی اپنے قسم
 قسم ہے تجھے بے سبب جنگ کی
 ارے بے وقابے مروت صنم
 تجھے دخترِ رز کی حرمت کی ہوں
 تجھے وعدہ گر بھول جانے کی ہوں
 تجھے ناتوانوں کی طاقت کی ہوں
 شبِ عید کے تجھ کو چاؤں کی ہوں
 جو تو نے کیا ہے کو مجھ پر حرام
 کہ تو سرکش سے نہ کر پائمال
 تجھے رحم مجھ پر کچھ آتا نہیں
 نہ توڑ آئینہ اپنے خردِ ارا کا
 یقین جانیو گر نہ ہو ایک آن
 تو صورت نہ پکڑے ہماری بیات

رباعی

غم سے رقیبوں کے مرادِ ناشاد
 زیر کے شیش خانہ عشرت پر
 اس دھڑکے سے جاتے ہیں سخی بیش یاد
 ننگ آیا دیکھ سخت کہا نسر ہاد

۱۲۱۔ دوست۔ تخلص۔ آسمش غلام محمد و موش صوبہ بہار ست

بار اتم حقیر در مرشد آباد ملاقات کردہ عاشق مزاج

بہ نظر آدہ۔ از اشعار خود قریب صد بیت و انموندہ۔ این

چند بیت از انجاست۔ ۳ شعر (۹۵-۹۶)

۱۲۲۔ دل تخلص۔ شیخ محمد عابد۔ لطف نے یہ چھوڑ دیا ہے۔ ”بہ سبب

یہ ہے کہ بار اتم آخر دارند ہنگام تالیف میں مجموعہ منتشر ہو گیا

خلاصہ دیوان خود را در مرشد آباد ۱۲۹۳ھ تحریر فرمادہ

علی ابراہیم نے تقریباً ۷۰ شعر نقل کئے ہیں تعجب

علی لطف کو ایک بھی نہیں ملا۔

دل تخلص۔ شیخ محمد عابد نام۔ میوطن بلدہ عظیم آباد کے بے مثل اور بے نظیر عالم محبت

و داد کے۔ شیخ محمد روشن جو شش تخلص بڑے بھائی ہیں، جن کی خوبیاں باب انجم کے اندر

بیان میں آئی ہیں۔ غرض دونوں بھائی سنجیدہ اطوار اور حمیدہ خصال ہیں، طریقہ یک رنگی

میں بے مثال ہیں یہ ابیات دل خراش اس اہل دل کی تلاش سے ہیں

تیری زلفوں میں پھنسا دل یہی تقصیر ہوئی نقد جاں لیجے حاضر ہے گنگاری دل

تکے ہی سدا بھر بھرون عمر کے بھرتے ہیں ہیں خرم میں ہم تجھ جن جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

جوں آئینہ یہ ستم رسیدہ رہتا ہے دہام آب دیدہ

تمہارے درد پر جو درباں نے آتشیں کپڑی برنگ نقشِ حتم ہم نے بھی نہ میں پگھڑی

۱۔ اصل کتاب میں غورہ کلام نہیں تھا معلوم نہیں مصنف ہی کو نہیں ملا یا جس نسخے سے ہم نے نقل کیا ہے اس کے

مقابلے میں چھوڑ دیا ہے۔ یہ سندرجہ بالا چار شعر ہم نے حتیٰ شعرا، معتصم، عبد الغفور خاں، سناخ سے نقل کئے ہیں ۱۱

۱۳۳- دیوانہ - رائے سرب سکھ - کچھ اضافہ کیا ہے تاہم نچ وفاق وغیرہ کا - (۳ شعر)

دیوانہ تخلص، رائے سرب سکھ نام، رشتہ دار راجہ ہمانزین کا تھا۔ نہایت پرگو۔
اور وضع مغلیت پر مرقا تھا۔ دودیوان زبان فارسی میں اس نے لکھے ہیں، اور اکثر رنجیت کو
لکھنؤ کے، مرزا جعفر علی حسرت، اور میر حید علی حیراں، اس کے شاگردوں میں سے ہیں۔
بارہ سو چار ہجری میں لاچار گرم رومی راہ عدم میں کی اور آتش فایکرو وجود کو دی۔ فارسی
منظوم اس کا دس ہزار بیت سے زیادہ ہے۔ یہ ہندی اس کا طبع زاد ہے:

جب تب سننے تو کرتا ہر وہ قرار بغیر گفتگو ہم سے اُسے پر نہیں انکار بغیر
بزم میں رات بہت سادہ و مہینے وے گرمی بزم کہاں اُس بیت عیت بغیر
دیکھ بیمار کو تیرے یہ طبیبوں نے کہا نہ ہو چکی اس کو شفا شربت دیا بغیر
جان پر آہنی ہم مری خاموشی سے بات کچھ بن نہیں آتی ہر اباظہار بغیر
جس کی خاطر کے لئے یار سب انکار ہو

کیونکہ دیوانہ بھلا رہے اب اس یار بغیر
دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل جائے رسم کا کیا اجر ہے جو زہرا گچھ نہ جائے

رباعی

وے یار کہاں کہ یار باشی کیجے وے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے
اک گوشہ میں بیٹھ کر دیوانہ تنہا اب ناخن غم سے دل خراشی کیجے

۱۔ مصنف نے جس خاص استعاروں میں رائے سرب سکھ دیوانہ کے انتقال کو بیان کیا ہے ان میں
ایک خاص جھلک پائی جاتی ہے، جو مصنف کی فراخ دلی پر مشعر ہیں ۱۲

۱۲۳۔ داؤد تخلص۔ اسمش داؤد بیگ۔ از موز و نان عہد محمد شاہ

فردوس آرام گاہ بود از دست - (۹۷-ب)

زلفِ دبستہ بھگو سودا ہے لوگ کہتے ہیں تھگو سودا ہے

۱۲۵۔ دل تخلص۔ اسمش شاہ فتح محمد معاصر شاہ آبرو بود۔ از نبایر

محمد غوث گوالیار سیت از دست :

کیا نیکی تیز تر دیکھیں ہیں فرگاں یار کی

ہم نے سیتاں بھی نہیں دیکھیں کس اس سار کی

۱۲۶۔ درخشاں تخلص۔ اسمش منکو بیگ از موز و نان عہد شاہ عالم بادشاہ
بود۔ شینہ شد مدیت در فیض آباد رحلت نمود۔ از دست :

یاد اداں وداع عمر کو ہجراں کی رات ہے

مانند شمع میری سحر کو وفات ہے

حرف الذال

۱۲۷۔ ذہین تخلص اسمش میر مستعد۔ میر محمد علی در تذکرہ خور نوشتہ کہ از

دوستان من بود۔ (۲ شعر)

۱۲۸۔ ذاکر تخلص مراد آبادی۔ اسمش حسین دوست۔ از سادات

مراد آباد بود از دست - (۹۸-ا)

جو چاہو سو کو مختار ہو عہد کو وے حسین دوست کے دشمن کہیں یزید کو

حرف الرا

۱۲۹۔ رند۔ تخلص دہلوی۔ سمش شاہ حمزہ علی۔ جوان خوش روے بود

مدتے باعلی نقی خاں انتظار تخلص و محمد تقی خاں پسران
علی اکبر خاں، میکباشی مرحوم در زمرہ سپاہیان معاش کرد
بچندیں لباس برآمده۔ آخر بجزبہ باطن ترک علائق ظاہر نمود
در مرشد آباد سرو پا برہنہ بانگ و کلیم می گشت۔ و در مجمع
معرکہ حاضر شدہ بر زمین یا صیف پائیں می نشست و اشعار
می خواند۔ و زار زار می گریست۔ راقم آثم را کمر بر آں
آزادہ حال نظر افتادہ خالی از حالتی و استقامتی بندد۔

الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و نو و چہار ہجری ست
شنیدہ شد بغایت و استگی و عظیم آباد بر وضہ شاہ ارزانی
و بمکان درویشان دیگر بلا تعین زندگانی نمی کند۔ کلاش
مربوط ست و اکنون بشنیدہ شیفنگاں گاہے درویشانہ
ریختہ می گوید۔ ایں اشعار آں ستودہ اطوار ست۔ (۲۲ شعر)

۱۳۰۔ راعب۔ دہلوی۔ سمش محمد جعفر خاں برادر زادہ نواب بطف اللہ

خاں صادق پانی پتی تقریب سلسلہ ایشان پیش سلاطین
ہندوستان عیان ست۔ راعب مذکور از چندے مسکن و

مادی در شہر عظیم آباد اختیار کردہ بغرب و اعتبار میگزرا ند
 طبعش چون راغب بگفتن اشعار فارسی ست ریختہ را
 بہ بے پردای میگوید و بار اقم آشناست - از دست
 شعر (۹۹-۱)

۱۳۱- رفعت - شیخ محمد رفیع اصل موطنش الہ آباد است - اما سکنے
 در عظیم آباد اختیار کردہ - مدتی از مسلکان نواب علی جاہ
 میر محمد قاسم علی خاں مرحوم بود - الحال از چند سال بخدمت
 مالی آں صوبہ روزگارے باعتبار دارد - بسیار دل جو و
 شگفتہ رو - آشنائے قدیم اس خاکسار ست - گاہے طبع موزون
 رہنمون نظم ریختہ می شود - از دست : شعر (۹۹- ب)
 ۱۳۲- رسوا - متاب رائے گویند در ایام سلطنت محمد شاہ فردوس آں لنگاہ
 اسلام اختیار کردہ برمنوں نامی عاشق شدہ - از افراط
 محبت کارش بر سوئی کشیدہ عریاں می گشت و باہر کہ
 دو چار می شد میاں گفت و میگزیست و آخر کار
 در دہلی بہاں عہد ازین جہاں در گزشت از دست
 شعر (۱۱- ب)

۱۳۳- رسائی - اسمش و احوالش ہنگام تحریر این اوراق معلوم نہ شد

اشعارش مرقوم است۔ ۲ شعر (۱۰۰-۱)
 ۱۳۴۔ **نخشاں** - محمد چاند گویند در زماں احمد شاہ ابن محمد شاہ بادشاہ
 بہ زعفران نامی عاشق شدہ زار و ضعیف بود از دست۔

یہ دل تپ بھر میں تری جیا ہے
 مرا ایک عمر جب لہو پیاسے
 ۱۳۵۔ **رضا** - عظیم آبادی میر محمد رضا ابن میر جمال الدین حسین جمال تخلص
 از قربت بیان میر حبیب اللہ مرحوم بود۔ از فیض صحبت سخنوران
 عظیم آباد راغب گفتن رنجیہ گردید۔ نوشقست ایں
 ابیات از دست۔ ۶ شعر (۱۰-ب)

۱۳۶۔ **رضا** - مرزا علی رضا از دوستان لالہ سرب سکہ دیوانہ۔ و
 بروہب علی نامی عاشقست و مثنوی در بیان عاشقی او
 دارد۔ از دست ۲ شعر

۱۳۷۔ **رضا** - تا تحریر ایں اوراق احواش معلوم نیست۔ شعر بسیارے
 ازوے دیدہ شد یک بیت قلمی گشت
 ایک دم تو رضا کے پاس آ بیٹھ
 آج وہ اس جہاں سے اٹھتا ہے

۱۳۸۔ **رقم** - بندہ ابن از شاکر دان مرزا محمد رفیع سودا بود
 از دست ۶ شعر (۱۰۰-ب)

۱۳۹۔ رنگین۔ گویند اہلش کشمیرست اما در دہلی ساکن و معاصر مرزا

محمد رفیع سودا بود از دوست :

دست ہوئی ہم اس میں کچھ بھی اثر نہ پایا

اس واسطے دعلے آخر کو ہاتھ اٹھایا

۱۴۰۔ رنگین۔ مرزا امان بیگ از خوشنویسان خط نستعلیق و از مسلکان

سرکار نواب افتخار الدولہ مرزا علی خاں بہادر بود۔ از دوست

ایک موزلف کا گئیں کونشانی بھیجا (۱۰۱-ک)

بعد مدت کے کیا یا د صہم نے بارے

۱۴۱۔ رشید۔ از تلامذہ ملا نظام الدین مرحوم و ساکن لکھنؤ بود درین شب

دریکے از قضایا کشتہ شد۔ در علوم معقول طبعش رساو

ذہنش بدقت آشنائی داشت۔ از دوست۔ ۳ شعر

۱۴۲۔ رضا۔ سید رضی خاں (۱۰۱-ک)

ناصح سے کیا کہے کوئی کچھ بات واقعی

غیر از یہی کہ قبلہ حاجات واقعی

۱۴۳۔ رستم۔ مخاطب بہ رستم علی خاں احتشام الدولہ و مشہور بہ نوابیاد

ابن نواب اشرف خاں بن نواب مصیام الدولہ خان و ران

مرحوم و برادر کلاں مرزا محمد حسن مرزا تخلص بہت جلالت

شان سلسلہ ایشان از غایت اہتمام محتاج با ظہار نیست

الحاصل ترم علی خاں موصوف بابر در خود از تفرقه روزگار
 ترک دیار خود کرده بهمراهی نواب سعادت علی خاں بسا در
 مرد و گذار بجانب صوبه بنگاله و بهار نموده - بعد مراجعت
 اصل اقامت در بنارس انداختند - هر چند را قلم حقیق را
 تا تحریر این اوراق با مشارالیهما اتفاق ملاقات ظاهریست
 اما به سماعت صفات حمیده ایشان تعارف بهم رسانیده
 در بنارس ۱۱۹۶ هجریه برسم اخلاص اشعارش را لیهما طلبیده
 در حرف الراد حرف المیم ترقیم نموده - ۲۵ شعر (۱۰۲-ا)

۱۴۴-خصت - دهلوی میر قدرت اللہ خلیف میر سیف اللہ نسبت بنا کردی

با مرزا جعفر علی حسرت تخلص دارد چندے استصلاح از قلمند
 جرأت تخلص نیز نموده - الحال که ۱۱۹۶ هجریه یک هزار و یک صد و
 نود و شش هجری است در لکهنؤمی گزراند این چند اشعار

از بلده مذکور در بنارس طلبیده مرقوم شد - ۲ شعر (۱۰۲-ب)

۱۴۵-رند - مہربان خاں - گویند در موسیقی ماہر و در تصنیف کبت و دوبہ

پتہ قادر است در فرخ آباد بخدمت دیوانی نواب احمد خاں
 غالب جنگ اختصاص داشته مسافر نواز و از تلامذہ
 مرزا محمد رفیع سودا و میر سید محمد سوز تخلص است در تیر اندازی

و شمیر شناسی ید طولا دارد - از دست (۱۰۲ - ب)
 حاصل تو ہوا اصل ہیں رات پر فہوس
 ایک پل میں شب عیش و طرب ہو گئی آخر

حرف الزا

۱۴۶ - زکی - دہلوی جعفر علی خاں ابن مرزا مومن بیگ - بہ منصب
 سہ ہزاری در منصب داران محمد شاہ مرحوم سرفراز بود -
 و در مقربان نواب عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم امتیاز داشت
 گویند براجہ رام سودائی عاشق بود - آخر حال بعد انتقال
 نواب امیر خاں مرحوم بنا کامی گزرا نیدہ ازیں جہاں
 گزشت طبعش در فکر نخیہ رسا و نظم کلامش بطرز قدماست
 مثنوی او کہ اکثر رعایت ابہام کردہ شہرت تمام دارد -
 ۵۲ شعر (۱۰۴ - ب)

۱۴۷ - زرارہ - مغل بیگ از دوستان محمد تقی میر است - از دست:
 مشہور تھے جو نالے میرے گلی میں اُس کے
 کوئی اور بھی جو رویا سمجھا کہ زرارہ ہو گا

۱۴۸ - زرارہ دہلوی - سمش میر منظر علی بہ صفات حمیدہ موصوف و بشاگردی

حقائق آگاہ مولوی شاہ حفیظ اللہ معروف مست۔ در
 زمرہ متوسلان نواب مرزا علی خاں بہادر انسلاک دارد
 ۳ شعر (۱۰۴-ب)

حرف اسین

۱۴۹- سودا- مرزا محمد رفیع۔ بالکل لفظی ترجمہ ہے لیکن لطف نے
 چھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر، نواب آصف الدولہ کی
 تعریف کے قصیدہ اور سودا کے مدفن کا ذکر انہی طرف
 بڑھایا ہے۔ ۲۲ سطر (ایک سو صفحے تقریباً ۱۵۰۰ شعر
 نقل کئے ہیں) (۱۵۵-ا)

نام نامی اور اسم گرامی اُس شاہ بازرعش پرواز معنی کا مرزا رفیع ہے۔ متوطن
 دارا بخلاف شاہ جہان آباد کے۔ بے شک معظم اُن کی طبیعت فلک فرسا کا موافق اُن کے نام کے
 نہایت رفیع اور منیع ہے۔ روز تولد سے ساٹھ برس کی عمر تک دلی میں ساتھ کمال غزو و غار
 رہے اور طبع رسائی عربی گری سے انیس و طبع سلاطین نامدار اور وزرائے عالی تبار
 رہے۔ اگرچہ ذات اُس یگانہ روزگار کی کثرت اشتہار کے باعث مستغنی ہے تکلیف سے
 خامہ مدلل نگار گئی، لیکن انصاف کہتا ہے کہ کچھ تعویذ اس احوال اس مستغنی الصفات کا
 لکھا چاہیے اور تذکرے سے اُس شاہ بیت کلیات معانی کے۔ بیان کو ان اوراق
 پریشان کے، زیب و زینت دیا چاہیے۔ بیچ تو یہ ہے کہ میرزائے مذکور سر حلقہ

مخزون اور سرآمد معنی گستران تھے۔ آشنائے معنی بیگانہ اور مضمون تازہ کے پیدا کرنے میں بیگانہ تھے۔ اقسام نظم سے دیوان اس مطلع دیوان سخن بیان کا بھرا ہے اور انواع نظم کو کیا کیا زور و شور کے ساتھ بیان کیا ہے خصوصاً طرز قصبہ کو کس صفائی اور تکلف سے ادا کر کے اس طاقی بلند پر رکھا کہ دست و ہم نازک خیالان ہندستان کا اس کے خیال تک نہ جاسکا۔ آگ کو یاد میں اس آتش زبان کے ہجوم شرار سے جوشش قطرات عرق انفعال ہے اور پانی کو خجالت سے اس طبع رواں کی خاک میں چھینے کا زبان ہندی شریف ہمزبانی سے اس کی سر فرازا اور نظم ریختہ کو طبع معنی آفریں براس کے گمنڈ اور ناز جب کہ بعد خواب اور دیران ہونے شاہ جہان آباد کے نقل و حرکت کا اتفاق میرزا سے مذکور کو اس شہر سے ہوا تو اور شہروں کی سیر کرتے ہوئے آخر بلوہ لکھنؤ میں طور سکونت کا کیا۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت قدر و منزلت کی اور چھ ہزار روپے سالیانہ کی جاگیر مقرر کر دی چنانچہ بیشتر فقیدے نواب آصف الدولہ مرحوم کے تعریف میں کہے ہیں اور کیا کیا تروتازگی کے ساتھ مضامین عالی باذ سے ہیں۔ جب کہ سن شریف اس خضر راہ سخن دانی کا شربس کو تہنجا تو داعی اجل کو لبیک اجابت کہہ کے سراے وجود سے پیمانہ بل عدم کا ہوا۔ تاریخ وفات اس رفیع قدر محفل نکتہ دانی کی ہر ایک سخن سنج نے گئی ہے، لیکن یہ تاریخ اس فرما دے سستون مضمون تراشی کے سنگ فرار پر کندہ کی ہوئی ہے۔

خلع کو جب حضرت سودا گئے فکر میں تاریخ کے ماہر ہوا
 بوئے منصف دور کر پائے عناد شاعران ہند کا سرور گیا
 آغا باقر کا امام باڑہ اس محب امام طلیہ اسلام کا مدفن ہے۔ ۱۱۹۰ھ قیام قدم امام کے مٹ
 بے شک رنج مکافات کے واسطے مامن ہے۔ یہ اشعار یادگار و جیدہ روزگار کے
 لکھے جاتے ہیں اور یہ ادراق پریشان اس سے زینت پاتے ہیں۔

نہ ٹوٹے شیخ سے زنا رسیع سلیمانی
 کہ ہو جو تیغ بے جوہر سے ہو ننگ عریانی
 نہ جھاڑے آسیتن کھکشاں شاہوں کی پیشانی
 ہوئی جیتنے رنگ آلود کھاتی ہی سحانی
 موافق گزرنے ہوئے دست ہر وہ شرمین تانی
 جوں شمع زندگانی مری ہے زباں تملک
 ہے کسوت کبود گل زعفران تملک
 پاوے نہ راو حرف زبان شاں تملک
 ہے منحصر غذا کے ہما استخوان تملک

مطلع ثانی

آیا نہ ایک گل کبھی اس بوٹاں تملک
 بے زرد بان پہنچ نہ سکوں آشاں تملک
 پہنچا نہ پائے شمع کعبو شمعداں تملک
 لیتے ہیں خاک آن کے اس آستاں تملک
 پہنچے ہے کوئی دن کو ز میں آساں تملک
 احکام خور می نے کیا منع یہاں تملک
 ممکن نہیں کہ لاسکے اپنے زباں تملک
 مانند آسیا کے پھروں میں کہاں تملک

بواجب کفر ثابت ہے وہ تنگے مسلمانی
 بنزیرا کراؤں، ترک کیجوت لباس اپنا
 خوش آمدگ کریں عالی طبیعت اہل دولت کی
 کمر ہے ہر کلفت ایم ضائع قدر مردوں کی
 یہ روشن ہی رنگ شمع ربط باد و آتش سے
 ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جات تملک
 بے ماتم اس چمن میں بنس خفہ طرب
 لاف سپہ گری نہ بکے مردہ راست پایہ
 سختی سے گزری اہل سعادت کی یہاں مٹا

جس کی ہمار بھی نہ آخر خزاں تملک
 وہ مرغ ناواں تپوں کہ صحن چمن سے میں
 وضع میں جن کے حلقہ چشم ملک سوا
 نگام طوف بسکہ ملائک ہمیشہ وہاں
 نادوم کہے ہیں ہاں کے یہ آپس میں دیکھ کر
 رسنے کو جگ میں صورت افسوس کے تیں
 نکشت چوسنے کے لئے طفل شیر خوار
 س چرخ دوں پرست تلے بہرشت جو

قصیدہ

فخر صائب جو وہ کرے تمہیں
 اُسے دیکھا تو تھانپٹ عملیں

ہے سخن سنج اک جو ان متین
 رات جاگ میں اس کی خدمت میں

میں جو پوچھا؟ کما سب مت پوچھ
لیکن اے یار تجھ سے کتنا ہوں
داغ ہوں اُن سے اب زمانے میں
یعنی سودا و میر و قائم و درد
کیا غور و دماغ و کیا نخوت
مثل شیرازہ کتاب اللہ
نگ جانیں جو بزم کا اُن کی
اور جو احمق اُن کے سامع ہیں
جیسے سُبحانِ مَنْ یَرِانی پر
شعر و قطع اُن کے دیواں کی
اُس میں جو دیکھے تو آ خر کار
اتنی کچھ شاعری پہ کرتے ہیں
غرض اس خبث کے تئیں سنکر
کما سودا کو اُن بزرگوں میں
اور جو ہووے بھی تو لالائی ہے
ہے وہ مداح ایک ایسے کا
یعنی نواب سیف دولہ سدا
رفت دست جو دے جس کے
پنجہ آفتاب کی سی طرح
پنجہ کی بھی گرہ میں بند کیا
دست دپا اپنے گم کرے ہے مدو

خبث کرنا کسی کا خوب نہیں
ل کے گوجھ پہ سب کریں نفسیہ
بزم شعرا سے ہیں جو صدر نشین
لے ہدایت سے تا کلیم و یقین
کون سا کبر ہے جو اُن میں نہیں
سمجھے ہر ایک اپنی چین جہیں
بوعلی ہو صفِ نعال نشین
دم بہ دم اُن کی کیا کریں تحسین
رٹ کے کتب کے کہتے ہیں آئیں
جمع ہووے تو جیسے نقشِ نیل
یا توارد ہوا ہے یا نفیس
میخ در کون آسمان و زیریں
ہو کے بے اختیار میں دو ہیں
مت گنو اُس کا ہے یہ کب آئیں
فخر کرنا پھبھے اُس کے تئیں
مند جاہ جس کی عیشیں بریں
جس کی شمشیر و فرقہ دگر ہیں
دامنِ خلق کا ہے یہ آئیں
برہ ور ہے ہمیشہ روئے زمیں
تیری بخشش نے مشیت زر کے تئیں
یا ذکر تیری تیغ و خنجر کیں

پوچھتا ہے ہر ایک سے سچ کہ
نکر میں تھر کے ترے ہر شب
نہند اُس کو نہ آوے تانہ پڑھیں
سر مرا ٹنگڑیوں میں ہے کہ نہیں
حالت نزع سے زبں ہے قریں
جلے افسانہ سورہ یس

احکام پر ترے نہ کرے کیونکہ کام تیر
اُتنا ہی جیت بیٹھے ہے جتنی کماں جھوٹ
ہمسرے کس کا تیر ترے تیر سے کہ یہ
ہے یہ کمان حلقہ بگوش و غلام تیر
خوبی کا حق کرے سے ادایاں تمام تیر
انگشت ہے قضا کی کہیں ہیں بنام تیر

شہر آشوب

اب سنانے میرے جو کوئی پیرو جواں ہے
کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے میں کسی شکل
گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسوں کی
ثبات ہے جو ڈگلا تو نہیں موزوں میں کچھ جان
کھتا ہے نفر غرہ کو صراف سے جا کر
پہن کے دیا کچھ تو ہوئی یہ دگر نہ
اس بچ سے جب چڑھ گئے چھتیس مینے
لیتے ہیں بایں رو سی وہ تو دو ماہ
قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے اس
ملا جوا ذال دیوے تو منہ مونڈ کر اس کا
بولا جو خطیب اس میں تو اے اے اک دھول
رینگے سے گدھا آٹھ پہر گھر میں خدا کے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زبان ہے
ہے وجہ معاش اپنی سوجس کا یہ بیان ہے
تخواہ کا پھر علم بالا پہ مکاں ہے
تیروں میں ہر پر گیری تو بے چلہ کماں ہے
بی بی نے تو کھایا ہے فاقہ سے بیان ہے
شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضان ہے
تخواہ کے پھر ملنے کی یہ شکل کماں ہے
ٹاک دھوس دھڑکے کی تجھیں تاب تو ان ہے
بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر سرو جواں ہے
کہتے ہیں کہ خاموش مسلمان تھماں ہے
ہاتھ آگیا دعا عطا تو تھپڑا بہ وہاں ہے
نہ ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذان ہے

رستے کے جو آگے کو یہ ہر ایک دکان ہے
 و بار بار اس عہد میں جو خرد و کلاں ہے
 اس سچ سے رسالہ کار سالہ ہی وال ہے
 کوئی روئے ہے منہ پیٹ کوئی نعرہ زبان ہے
 ار مئی کا تو تم ہے جنازے کا گماں ہے
 کرتا ہے جو دہاں عرص تو میاں ہے نہ وہاں ہے
 اس کی تو اذیت بڑی ہی آفت جاں ہے
 کیسا ہی اگر اپنے تئیں خواب گراں ہے
 منہ صورت سو فار کمر شکل کماں ہے
 سود و سود روپے کا جو کسی عہد کے ہاں ہے
 آوے تو وہ اس کو بہ خونست نگر اں ہے
 ٹھنڈی ہوا آنے کا گر اس وقت گماں ہے
 دکن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے
 سمجھے ہے فروشنہ پہ دزدی کا گماں ہے
 اس کا تو بیاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے
 ہر کوچ میں جوں آب چکاں اور دواں ہے
 دیکھے جو کوئی فکر و تردد تو بیاں ہے
 نیت قطعہ تہنیت خانِ زماں ہے
 گر رحم میں بیگم کے سنے نطفہ خاں ہے
 پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے
 ہوں دور روپے اس کے جو کوئی شہنوی خواں ہے

اور وہ جو ہیں کمزور سود ہاں آن کے ٹھٹھے
 آٹھ آٹھ کے دکھاتے ہیں انھیں مال نہ اپنا
 یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پالکی آگے
 کوئی سر پہ کے خاک گر بیان کہیں کا چاک
 ہندو مسلمان کو پھر اس پالکی اوپر
 یہ مسخرگی دیکھ کے وہ صاحب ار تھی
 گو ہوئے جا کر کسی عہدے کے مصداق
 وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دوزانو
 خیمازہ پہ خیمازہ ہے اور چرت اور چرت
 صینہ پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
 صحبت ہو یہ اس سے اگر آقا کے تئیں چھینک
 دیتے ہیں منگ تیر و کماں ہاتھ میں اس کے
 سوداگری کیجئے تو ہے اس میں مشقت
 قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
 گر خان و خواہن کی کرے کوئی وکالت
 ہر ٹھہر میں وہ چاہے کہ میں فوارہ سا چھوٹوں
 شاعر جو سننے جاتے ہیں مستغنی الاحوال
 گر عید کا مسجد میں پڑھیں جلکے دو گانا
 تاریخ تولد کی رہے آٹھ پھر فکر
 اسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ اس کا
 ملائی اگر کیجئے تو ملا کی ہے یہ قدر

دل کو تو وہ پجارہ پڑھایا کرے لڑکے
تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تے اُس کے
چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت
دیتا ہے دمِ خمس سے کوئی شملہ کو نسبت
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر
تحقیق ہوا عرس تو کر داڑھی کو لنگھی
سب خچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے
لڑکوں کی شرارت سے سدا فائدہ نہاں ہے
چھتے ہی تو شعرا کے وہ ملعون زباں ہے
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے
ہے آج کہ ہر عرش کی شبِ درکمان ہے
نئے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے

دو چوپہ پتیل

ہے چرخِ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
جن کے طویلے پنج کئی دن کی بات ہے
ابنِ کھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
تہا ولے نہ دہرے عالمِ خراب ہے
ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
نوکر میں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
نہ دانہ دُنہ کاہ نہ تیار نے سیس
ماند نقشبِ نعلِ زمیں سے جھنڈ فنا
نا طاقتی سے اُس کی کہاں تک بیاں کر لو
اس مرتبہ کو جھوک سے پنجا ہے اُس کا حال
قصاب پوچھتا ہے تجھے کب کر دگے یاد
جس دن سے اُس قصائی کے کھنٹے بندھاؤ
ہر رات اختروں کے تیس دانہ بوجھ کر

رکھتا نہیں ہے دستِ غناں کا بیکِ درار
ہرگز عسراقِ دُعا کی کا نہ تھا شمار
موچی سے کفشِ پا کو نکالتے ہیں وہ ادھار
خشت نے اکثر وہیں اُٹھایا ہے ننگِ عمار
پاؤں سزا جو ان کا کوئی نام لے نہا
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو ایسا خرابِ خوا
رکھتا ہو جیسے سپ گلی طفلِ شیرخوار
ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بٹھے ایک با
فاقوں کا اُس کے ہائے کہاں تک گردن مار
کرتا ہے راکب اُس کا جو بازار میں گزار
امید دار تم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چار
گزری ہے اس منطائے ہر لیلِ ہر شمار
دیکھے ہی آسماں کے طرف ہوس کے بے قرار

ہر دم زمیں پہ آپ کو پیٹنے ہے بار بار
 چوکے کو آنکھیں موند کے دیتا ہوں وہ سپار
 کھاتا ہے دانہ گھاس کی جاگہ سدا بھجار
 گھوڑے کو دیکھتا ہوں تو بادبی ہی بار بار
 دھونکے ہیں اپنی دم کو کہ جوں کھل کو لٹا
 ہرگز دروغ اس کو تو مت جان زنیلا
 بادِ سموم ہو فے صبا گر کرے گزار
 خارِ شمع زبکہ ہے مروج بے شمار
 کہتے ہیں اُس کے رنگ کے گسی اس اعتبار
 چنگل سے موذی کی تو جھپٹا اُس کو کوڑگا
 اس تین بات کوئی بھی ہو فے آشکار
 خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہے دکا
 آیا یہ دل میں جلے گھوڑے پہ ہوسوا
 مشہور تھا جنہوں کے وہ اسب نابکار
 گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دوستدار
 ایسے ہزار گھوڑے کروں تم اور نشا
 یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
 سیرت جس کی نت ہی سبک جنگلیں کو عار
 بد مین اس قدر کہ کرے صیقل آجاڑ
 لا جنب دے جگہ نہیں جوں منج استوار
 دجال منہ کو اپنے سید کر کے ہو سوار

خطِ شمع کو سمجھ ہے وہ دشت گیاہ
 تنکا اگر پٹا کیس دیکھے ہے گھاس کا
 دیکھے ہے جب وہ توبرہ ٹھاں کی طرف
 فاقوں سے نہننانے کی طاقت نہیں رہی
 نے استخاں نہ گوشت نہ کچھ اُس کے پیٹ میں
 پیدا ہوئی ہے تپ اپن پاؤں اس قدر
 گزرے وہ جس طرف سے کبھو اُس طرف تپتی
 سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہی بے رنگ
 ہرزخم پہ زبکہ بھٹکتی ہیں مکھیاں
 یہ حال اُس کا دیکھ غرض یوں کہے ہی خلق
 یا مر رہے یا چور لے جاوے یا مووے گم
 تنہا نہ اُس کے غم سے ہی دلنگ تنگ ہیں
 القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
 رہتے تھے گھر کے پاس قنار اوہ آشنا
 خدمت میں اُن کے میں نے کیا جا کے اتنا
 فرمایا تب انھوں نے کہ لے میری جان من
 لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسب
 صورت کا جس کی دیکھنا ہیگا گدھے کو تنگ
 بد رنگ جیسے لید ہے بد رنگ چوں پشاپ
 مانند منج چو کی لکڑی ہے تھان پر
 حشری ہیں اس قدر کہ قیامت کو اُس اوپر

جڑے پہ بسکہ ٹھوکروں کی نت پڑی سی ما
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شہا
شیطان اُسی پہ نکلا تھا جنک ہو سوا
لوہا منگا کے تیغ بناوے کبھی لہار
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کا رزار
جز دست غیر کے نہیں چلتا وہ زینہا
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کوں میں یا
مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقت کا
ہو کر سوار اب کرو میداں میں کا رزار
ہستیا ربانڈہ کر میں ہوا اُس اوپر سوار
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل خواہ
ٹلخ کے پاشنوں سے مرے پاؤں تھے فگا
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مارا
ہلتا نہ تھا جگہ سستی جوں تیغ استوار
اکثر دُبران میں سے کہتے تھے یوں پکا
یا بادبان بانڈہ پونکے دو اختیار
کہتا تھا کوئی ہیگا ولایت کیا یہ حمار
کہتو ال نے گدھے پہ کیا کیوں تجھے سوار
گھوڑا نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار
ڈان چلے ہے سیر کو ہو چرخ پر سوار
فٹے کو آسمان نے کیا مجھ سے دہاؤ دیا

اتنا ہی سرنکوں ہی کہ سب اُٹ گئے ہیں انت
ہے، پھر اس قدر کہ جو بتلاوے اُس کا بن
لیکن مجھے نہ روئے تو ایندھن یاد ہے
کم رو ہے اس قدر کہ اگر اُس کے نعل کا
ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
مانند سپ خانہ شطرنج اپنے پاؤں
مٹھا تو اس قدر ہے کہ جو کچھ کہ تم سنا
دلی میں آن پہنچے تھا جس دن کہ مر سٹ
مدت سے کوڑیوں کو اڑاتے ہو گھر تیغ
ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اُس پین
جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں اُس اوپر
چابک تھی دونوں ہاتھوں میں کپڑے تھانہیں
آگے سے تو بڑا اُسے دکھلائے تھا نفر
ہر گز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا وبراہ
اُس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص عام
پیہے اسے لگاؤ کہتا ہوں یہ رواں
کہتا تھا کوئی ہے بُز کو ہی نہیں یہ اسپ
پوچھے تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کنے لگا یہ آکے اُس اجماع میں ایک شخص
سمجھوں ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس
اس شخصے میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک اور

اس باجرے کو سن کیا دونوں نے وہاں گنڈا
 پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھے دم کما
 تھا غریب ڈوبے خفصے یک کسار
 لڑکے بھی وہاں تھے جمع تماشے کو مٹیا
 دوں گا ٹکامیں تجھ کو بھی نو چندہ اتوار
 لینا تھا کوئی دوڑ کے موتن سستی اہمار
 ساتھ اُس سمندر خرس ناما کے ہو چشم چار
 کوتوں کو ماروں یا کہ مروں اپنا پیٹ مار
 ایسا لگے نہ تیر کہ ہو دس نہ تن سے پار
 وہاں سے بہر مٹا کیا جنگا ہلک گزدار
 اتنے میں مہٹنے ہوا مجھ سے بھی دو چار
 کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کارزار
 دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جو ٹھٹھنے سوار
 لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھوبی کمار کی گدھی اُس دن ہوئی تھی گم
 ہراکتے اُس کو اپنی گدھی کا حیسال کمر
 دریائے کش کش ہوا اُس آن موج زن
 پریشانی اُس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال
 کتنا تھا کوئی مجھ سے کہ توجھ کو بھی چڑھا
 رکھتا کوئی تھالا کے پیاری کو منہ کی بیج
 کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اُس کے گرد و پیش
 جھگڑوں میں سوہیوں سے کہ لڑکوں کو جواب
 ہلی ہی گولی چھوٹتے اُس گھوڑے کو لگی
 بارے دھامری ہوئی اُس وقت متحاب
 یہ کہ کے حق سستی میں ہوا مستعدہ جنگ
 گھوڑا تھا بسکہ لاغر دست ضعیف و خشک
 جاتا تھا جب ٹپٹ کے میں اُس کو جریف پر
 جب میں نے دیکھا جنگ کی بیاں تو بندھی سیل

جوں شمع سراپا ہوا اگر صرف زباں کا
 کھلتا ہے ابھی میں میں طلسمات جہاں کا
 جوں شمع حرم رنگ جھکتا ہے بتاں کا
 جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

مقدور نہیں اُس کی تنہائی کے بیاں کا
 پردے کو تعین کے در دل سے اُٹھاو
 ملک دیکھ منم خانہ عشق آن کے لے شیخ
 اس گلشن ہستی کی عجب دید ہے لیکن

سودا جو کبھی گوش سے ہمسکے سنے تو
 مضمون یہی ہے جس دن کی فضاں کا

جگہ تھی دل کو ترے دل میں اک زمانہ تھا مرے بھی شیشہ کو اس سنگ میں ٹکنا تھا
 جی مرا مجھ سے یہ کہتا ہے کہ ٹل جاؤں گا ہاتھ سے دل کے تھے اب میں نکل جاؤں گا
 لطف اے اشک کے جوں نفع گلا جاتا ہوں رحم لے آہ شہرِ بارکہ جس جاؤں گا
 چھڑمت بادِ بہاری کہ میں جن نکمت گل پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

۱۵۰- سوز۔ سید محمد۔ بالکل ترجمہ ہے لیکن اصل تذکرہ میں سوز نے اپنے

اشعار کے ساتھ اپنے احوال میں جو نثر کے فقرے لکھے

وہ موجود ہیں بگلشنِ ہند میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

”میر سوز شخصے ست کہ ہیکس راز و علاوتے جز سکوت
 واکراہ حاصل نشود۔ ایں نیز از قدرت کمال الہی ست کہ ہر یکے
 بلکہ خار و خنہ نیست کہ بکار چنہ بپا دیں اگر منکرے سوال کند
 کہ ناکارہ محض نیفتادہ ست اینست کہ نامش سوز خنی ست۔“

(۱۲ سطر، ۳۰۰ شعر (۱۶۲-۱)

سوز تخلص سید میر نام ساکن قراول پورہ شاہجہان آباد۔ سید عالی نسب اور
 فنِ سخنوری میں استاد۔ طرزِ واداعندی کے بادشاہ اور صورتِ مضمون درد و آہ تھے
 کلام ان کا سب سے پاؤں تک سوز و ساز ہے اور پاؤں سے سرتک ناز و نیاز شعر کے
 پڑھنے میں صاحبِ طرز خاص تھے اور آئینِ محبت میں مایہ موت و اخلاص علم تیر انداز
 اور کمالِ داری میں بہ شدت دل آشنا رکھتے تھے اور حسنِ شفیقہ نوسی میں نہایت
 دستِ رسا۔ ابتدائے جوانی میں انھوں نے ساتھ کام دل کے ایامِ زندگانی کو صرف
 نشہ بے خمار کیا، اور سنہ اتھار ہوئیں میں جلوس شاہ عالم باو شاہ غازی کے وارستہ

مزاہی کی تکلیف سے لباس فقر اختیار کیا۔ لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے اور اوقات ساتھ توکل و قناعت کے بسر کرتے تھے۔

۱۲۱۲ھ بارہ سو بارہ ہجری میں مرشد آباد تک تشریف لائے، لیکن اطوار سکونت کے وہاں کچھ نفوذ آئے۔ اسی سال پھر لکھنؤ تشریف لے گئے اور اس دار فناء سے راہی ملک بقا کے ہوئے۔

علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ ”جس سال یہ تذکرہ میں لکھا ہوں تو میرے مذکور نے کچھ اشعار اپنے مع چندہ فقرہ نثر لکھ کر مجھے بھجوائے تاکہ داخل تذکرہ کروں۔“ چنانچہ ایک آدھ فقرہ میرے مذکور کی نثر کا بھی خان مذکور نے تذکرے میں لکھا ہے ترجمہ اُس کا زبانِ ربیعہ میں راقم حیرت نے اس طرح کیا ہے ”کہ جو شے حق سبحانہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے، بلکہ جتنے خارِ خس میں، کتنے ہی کام آتے ہیں اور بندگانِ خدا اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر یہ سوز و دہ تخلص ہے مگر کسی کو اس سے علالت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ سوا، سکوت اور کراہیت کے۔ سبحان اللہ! یہ بھی قدرتِ الہی کا اظہارِ کمال ہے کہ ایسی شے خلق کی جاوے جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے۔ پس اگر کوئی منکر سوال کرے کہ ناکارہ محض تو نہیں ہے؟ خیر تو اس لائق ہے کہ نام اُس کا قابلِ جلالت کے ہے۔“ غرض میرے مذکور صاحبِ دیوان ہیں۔ اشعار منتخب ان کے لکھے جاتے ہیں یہ

اہلِ ایمان سوز کو کہتے ہیں کا فر ہو گیا آہ یارب! را زد دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا
درد سے محروم ہوں درماں سے جھک کر گیا یاربِ خاطر تھا سو میرا بارشِ طر ہو گیا
میں نے جانا تھا صحیفہ عشق کا ہی میرے نام واہ یہ دیوان بھی نقلِ دفاتر ہو گیا
کیا میسائی ہے تیرے لعل لب میں لے صنم
بات کے کہتے ہی دیکھو سوزِ شاعر ہو گیا

دیکھ دِل کو چھیر مت ظالم کہیں دکھ جائے گا ہاں بغیر از قطرہ خوں اور تو کیا پائے گا

قتل کی نیت تو کر آیا ہے تو کیا دیر ہے پر مجھے تو مار کر ظالم بہت پچھتائے گا
 ہنسنے بھی کہتا ہوں تجھے ”آسوز کو یوں ستا“
 مستکا ظالم کہیں تو بھی ستایا جائے گا

مندی گر چشم ظالم دیدہ بیدار ہو پیدا درو دیوار سے شکل جمال یار ہو پیدا
 تڑپتی کیوں ہے اے نہیں کہاں اتنا پیچیدہ کہ تیرا شک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا
 یہاں تک کفر پورا چاہیے گر خاک گلشن ہو بجائے ہر رگ گل رشتہ نہ تار ہو پیدا
 قاتل خنجر مرگاں ہوں کیا یہ بھی تعجب ہو کہ میری خاک سے سبزے کی جاگہ خار ہو پیدا
 مسیحائی ہے تیری تیغ میں کیا سوز کو ڈر ہے
 جولا کھوں بار ہو قتل لاکھوں بار ہو پیدا

جی ناک میں آیا بتِ گلغام نہ آیا جینا تو اتنی مرے کچھ کام نہ آیا
 دنیا میں ہی دوستی ہوتی ہے مری جا جب تک نہ لیا دل تجھے آرام نہ آیا
 عالم کی تمنا میں تری جاں بلب آیا رحمتِ خدا کی تو لب بام نہ آیا
 قاصد سے تو پوچھا تھا کہ قاصد تو کونگا دہشتِ اُسے یا دہرا نام نہ آیا
 تھانہ کی حالت میں ہی سوز کے لبت

جی ناک میں آیا بتِ گلغام نہ آیا

کھڑے رہنے والو مگر سوز ہے یہ بھلا اس کے دل کا تو ارمان نکلا
 مراکشہ ایسا تو ہے جس کی خاطر یہ خورشید بھاڑے گریبان نکلا
 قتل سے یہ بے گنہ راضی ہے اپنے اس لئے ہاتھ میں اک روز تو دامن قاتل مجھے گا
 ابر کے قطرہ سے ہو جاتے ہیں موتی نامیا کیا ہیں رونے سے اپنے کچھ نہ حاصل مجھے گا
 درگزر اس خوں سے آخر تجھے آوے گارجم
 سوز کا دل جس گھڑی سے بس ہوئے گا

کعبہ ہی کا اب قصہ یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے تباہ ہوگا سو اللہ کرے گا
زلفوں سے پڑا طول میں عشق کا
خط آن کے یہ جملہ کوتاہ کرے گا
اپنے رونے سے گراثر ہوتا
قطرہ اشک بھی گمراہ ہوتا
جن کے نامے پہنچتے ہیں تجھ تک
کاش میں اُن کا نامہ بر ہوتا
پھر نہ کرتا ستم کسی پہ اگر
حال میرے سے باخبر ہوتا
خون عشاق کرتے کیوں ناحق
گریہوں کو خدا کا ڈر ہوتا
سوز کو شوق کعبہ جانے کا

ہے بہت پر زیادہ تر ہوتا
اگر میں جانتا ہوں عشق میں دھڑکا جاتی کا
تو محشر تک نہ لیتا نام ہر گز آشنائی کا
نہ پہنچے آہ و نالہ گوش تک اُس کے بھونپنا
خدا یا کس کے ہم بندے کہا دیں سخت مشکل ہے
رکھے ہی ہر صنم اس دہر میں دعویٰ خدائی کا
خدا کی بندگی کا سوز ہے دعویٰ تو خلقت کو

وے دیکھا ہے بندہ ہی اپنی خود نمائی کا
قاضی ہزار طرح کے قصوں میں آسکا
لیکن نہ حسن و عشق کا جھگڑا چکا سکا
قاصد ہو طفل اشک گئے بارہا وے
دل کی خبر کوئی نہ تری کو سے لاسکا
کیا فائدہ ہے رونے سے لے چشم زاریں
کب اشک دل کی آگ لگی کو بجھاسکا
رستم نے گو پہاڑ اٹھایا تو کیا ہوا
اس کو سر لائے جو ترا نماز اٹھاسکا
لے سوز غم کوچہ قاتل نہ کر عبث
تو ایک بھی بتا دے کہ واں جا کے آسکا

خطرہ نہیں ہے مجھ کو لے عشق اپنے جی کا
ہر صبح مجھ چڑھے ہے اُس تند خو کے اٹھ کر
تو نے خطاب بختا جب سے بہادری کا
کیا آہنی کلیجہ دیکھو ہے آرسی کا

کتنا نہ تمنا میں اسے دل اس کام سے تو باز آ
دیکھا مزا نہ تو نے نادان عاشقی کا
عارض کو تیرے پیچھے کب اس کی ڈھڈھاٹ
پیارے ہزار ہو تو ہے گل کارنگ پھیکا
رستم تو آج تو ہے میدان کے سخن کا
اے سوز کس کو دعویٰ ہے تجھ سے ہمہری کا

تجھ پہ تبیانِ حری جان دل و دیں میرا
ایک باری تو سن افسانہ رنگیں میرا
بوئے گل شاخ ہوا میں سے بھی لیتا ہین
کس قدر شوخ ہے اللہ یہ گلچیں میرا
زلفوں کا اگر مجھ کو سر و کار نہ ہوتا
یہاں تک تو پریشاں یہ دل زار نہ ہوتا
خوگر جو داوے سے طیب اپنے کو پایا
تو زیست سے مایوس یہ بار نہ ہوتا
اگر آنکھ اٹھلتی نہ کسی شوخ سے جا کر
تو دل بھی کہیں سوز گرفتار نہ ہوتا

ایک دن ایک شخص نے اس سے کہا
تو نے تو یہ ذکر سنا ہوئے گا
یعنی کہ عاشق ہے تراجی سے سوز
ہو تبسم یہ کہا ہوئے گا
ہنس نہ جس کا جلوہ باکرچمن میں دیکھا
دو آنکھ کموند ہم نے وہ من ہی من میں دیکھا
خوشیہ آئے جیسے ابر تک کے اندر
عاشق کو تیرے جن نے یوں پرین میں دیکھا
یوں دیکھنے سے میرے کیا فائدہ کسی کو
دیکھا انہیں نے مجھ کو جن نے سخن میں دیکھا
اس سوا کھوج نہ پایا ترے دیوانے کا
قطرہ خوں ہے گر خار بیاباں میں لگا
اسی طرح تو سے دل سے جواب نکلے گا
مے سوال کا منہ سے جواب نکلے گا
نکلنے کا نہیں سینے سے دل جو ڈھونڈے گا
جو نکلے گا تو جلاسا کباب نکلے گا
ہے جیتے جی تو مجھے کوئے یار میں رونا
رہے گامرگ کے بعد از مزار میں رونا
وچپ کے رات کو شبنم چمن میں روئے تو کیا
مجھے تو ایک سے لے تا ہزار میں رونا
غم خزاں کا مجھے نے بہار کی شادی
خزاں میں خاک ہے سر رہا رہیں رونا

تو روزِ وصل تو نے سو ز اپنے آنسو پونچھ
ابھی بہت ہے تجھے ہجرِ یار میں رونا
بتوں کے عشق سے دامنِ کچھ حاصل نہیں ہوتا
انہوں سے بات کرنے کو بھی اپنے دل نہیں توتا
جس نے آدم کے تئیں دم بخشا
اُس نے مجھ کو دل پر غم بخشا
ساغرِ عیش دیا اوروں کو
سو ز کو دیدہ پر غم بخشا
جس نے ہر درد کو درماں بخشا
مجھ سے کافر کو بھی ایمان بخشا
بے نیازی تو میاں کی دیکھو
گل کو بھی چاک گریباں بخشا

چشمِ معشوق کو دی عیاری
سو ز کو دیدہ گریباں بخشا

غم تو کتنا ہے کہ میں تجھ کو ستا جاؤں گا
پر رمی جان ترے غم کو میں کھا جاؤں گا
ہم غریبوں کے گھر آنے کا کہاں تم کو دماغ
مت کرو وعدہ عیش ہم سے کہ آ جاؤں گا
اس طرح جی دوں کہ تو رحم سے بولے صدقہ
رسمِ عشاق کشی جان اٹھا جاؤں گا
باغبانِ فکر نہ کر تو مرے دیرانے کا
آشیاں آتشِ گل سے میں جلا جاؤں گا

لے چکا دل کو خطا بن جو مانگے غلام
سو ز کتنا ہے یہ گولی تو بچا جاؤں گا

گل ہی نہیں غلامِ تبسم کی آن کا
غنجہ بھی زرخید ہے تیرے دہان کا
زاہد جو کھینچ کھینچ کے چلتے ہو اپنے خم
بہتر ہے ایسے چلوں سے چلے کہاں کا

سینہ میں دل کہاں ہے غمِ فگارِ سو ز
اخگر یہ رہ گیا ہے نشانِ کاروان کا

جو دل کہ تھا اتنی اُس دل رب کے گھر سا
خالی پڑا ہے اب یوں اُڑا ہوا لنگر سا
ترسانے ترس کھایا احوالِ سن کے میرا
بے ترس ڈر خدا سے اتنا نہ مجھ کو ترس
شاید کہ اپنے گھر کی دی اُس نے خاکِ روئی
خوشنید کی کل پر کچھ تو دھرا ہے پرسا

جانا ہی سوزِ حسنِ دنِ کتابِ ہمیشے
آنے نہ دیجو اس کو لکتابِ بنظرِ سا

مروت دشمنِ غفلت پناہ
صرفِ عمرِ فہمِ لہوِ عجب
ادھر تک دیکھ لیجو مڑ کے آہا
فاہاٹھ اھاٹھ اھاٹھ اھا

یوں دیکھ لے ہے وہ کہ ادا کو نہ ہو خبر
عشاقِ تیری تیغ تلے او ستم پناہ
چھینے دل اس طرح کہ دغا کو نہ ہو خبر
سراسر طرح سے دیں کہ قضا کو نہ ہو خبر
بوسہ لوں اس طرح کہ حسا کو نہ ہو خبر
دل چاک یوں کروں کہ قبا کو نہ ہو خبر
اب ضرر کرنے لگا دل کو تباہ کا اختلاط
اب کوئی دم کو بچا دے گی خزاں پاؤں کے طوم
یہ بے نیکی ہیں قاصد یا ر میرے گھر نہیں آتا
پرائے دل کو لے کر اپنے تلواروں کے تلے لٹا

کسی کے دل میں ہو گا سوزِ مر جاوے تو بہتر
اکی میں مردوں کیوں کر مجھے تو مر نہیں آتا

کیا دید کروں میں اس جہاں کا
ہرگز نہ ملتا تری گلی سے
دالستہ ہوں چشمِ خوں چکاں کا
ممنون ہوں جسمِ ناتواں کا
بیٹھائے لگائے گھات بانکا
سرے تن سے کیا حسرتِ دوں کا ورنہ نکلا
جو دل تھا میرے پہلو میں سوائے عرشِ عظم ہے
اکی محبت کو لگ جائے تو کا
فریبِ محبت نے مجھ کو پھنسا یا

جہاں روزِ پریوں کا رہتا اکھاڑا وہاں اب پڑا سہ گایسہ ان ہوکا
مراقب کیا دل ربانے نہ چاہا وہ کب جو گستاخا خدا نے نہ چاہا
چشمِ غفلت کھول کر ٹکائیے تو لے مستِ خواب دہرنے گن کن بلوکوں کا کیا خانہ خسراب
مسندِ فرعونیت پر بیٹھے تھے جو مد ناز اہل استحقاق کا منہ سے نہ دیتے تھے جواب
خاک میں نہاں ہوئے ایسے کہ کچھ پیدا نہیں کون سا ان میں ہے رستم کون سا افراسیاب
بارہ ساعت کے لئے افلاک پر جس خود داغ واہ واہ اُن کو بھی کہہ لو آفتاب درماہ تاب
پوچھیو تو باز مدھ کر کس پر چلاہتے تو کمر میں پڑا کھاتا رہوں گا تا قیامت سچ و تاب
ان دنوں میں سوز کو دیکھا ہے یا رو واہ واہ

ایک دنیا دار سے مل کر بنے عالی جناب

اشک کب ہوں تیرے متانے کے خشک کوچے کب بنو تے ہیں میانے کے خشک
چوری چوری تمہو ترے شاید نگا ہونٹ کچھ بے ڈھب ہیں چلنے کے خشک
زلف کی پلٹوں میں کیا جا کر بھینسا یا اسی ہاتھ ہوں نشانے کے خشک
گمراہی سنگ سے سر ہو مکنار ہم تم رو میں گلے سے لگ کر لے آبتار ہم تم
میرا ہی سر و مجھ سے سرکش ہوا ہر قری نالے کریں نہ یک جا ہیں سو گوار ہم تم
دیکھیں تو داغ سینہ کس کے ہیں اب زیادہ لے لالہ داغ دل کے کریں تیار ہم تم
تو میرے دل کو دیکھ اور میرے دل کو پھولوں دل چاک چاک کر کر دیکھیں بہار ہم تم
تم تو چلے گئے پریہ سیوز ہے اکیلا

اے میرے دردِ صاحبِ یادگار ہم تم

۱۵۱- سوزاں - مخاطب بہ نواب احمد علی خاں شوکت جنگ خلف

نواب افتخار الدولہ مرزا علی خاں مرحوم و برادر زادہ

نواب سالار جنگ بہادر۔ در لکھنؤ بہ سایہ عافیت نواب
وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر مددولتہ می گزرا نہ۔ در
زمانے کہ میرضیا ہمراہ سوزاں مذکور بود۔ فکر اشعار می نمود
بنایت معنی یاب ست - ۵ شعر

۱۵۲۔ سجاد۔ اکبر آبادی میر سجاد۔ ایک لفظ اضافہ نہیں کیا۔

۳ سطر ۳۸ شعر (۱۶۴-۱)

سجاد تخلص، میر سجاد نام اکبر آبادی۔ وطن بزرگوں کا ان کے آذرباجان ہے لیکن
تربیت انھوں نے شاہ جہان آباد میں پائی ہے۔ اور شاگردوں میں شاہ نجم الدین آبرو کے
کیفیت طرز ایام شاہ صاحب مذکور سے زیادہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنی وضع کا یہ عزیز بھی
اُستاد ہے۔ میر محمد اکرم خاں دادا ان کے دارالانشائے بادشاہی میں نواب یحییٰ خاں منشی
کے ہمراہ تھے، بہت مرد سنجیدہ اور حقیقت آگاہ تھے۔ غرض میر مذکور صاحب دیوان پر بیان ہیں
یہ غزلیں ان کی منتخب دیوان ہیں :

ساتی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نینس _____ جوں فیل مست آئے ہے ابوسیدہ پلا
کافرتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی _____ مر جاستم سے اُن کے تو کہتے ہیں حق ہوا
گر تیرے گل کے آنے نے کھوئے نینس اس _____ سچا و کیوں بھرے ہے سخن آج قی ہوا
یعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ ٹوٹ کر _____ آنکھوں نے اُس کے رد دیا آخر کو پھوٹ کر
عشق میں جانے لگا بے طرح مارا _____ بے طرح دل ہوا ہے آوارا
خط کتر واکے آج قینچی سے _____ ہم سے ملنے میں جانے لگے کترا
غم نہیں گرم ہوا بالوں میں تیرے جلکے دل _____ پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اُس کو بل دیا
تجھ کو لے سچا و غیر از خنجر بیدا کے _____ اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

بتاں تو چاہتے سچا و تجھ کو کریں کیا پر خدا نے جو نچا ہا
مقبول اس جہاں کا ہرگز غسنی نہ دیکھا — راجہ وہی ہے جو کوئی یہاں سے گیا ہر راجہ
نہا تانی پلائے کہ جاتا ہے ابر — جو کچھ باقی ساتی رہی ہو شراب
دور میں رخسار کے تیرے کیس انصاف نہیں — خط چڑائے جائے دل کو اور باز بھی جائے زلف
جس خوبہ کے دل میں عاشق سے ہونفاق — کہتے ہیں سارے اُس کے تیں حسن اتفاق
ایک دل کہتا ہوں جو چاہے سو لیجائے اُسے — خواہ زلفیں خواہ مٹکاں خواہ ابر و خواہ تہم
جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں — سب مرنے درکنار ہوتے ہیں
بتوں کے تیں کس قدر مانتا ہے — یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے
اے صنم زنا رہی تھی تجھ وفا کے واسطے — ورنہ کوئی کافر بھی ہوتا ہے خدا کے واسطے
کوئی جا کے قاتل کو سمجھائیے گا — کہ عاشق کا جی کھو گے کیا پائیے گا
کہا دل نے بولو یہ خوبوں کے تیں — یہ دیکھو گے اپنا کیا پائیے گا
میرے تمام حال کی تقریب ہے یہ زلف — روز سیاہ و نالہ شہ گریہ ہے یہ زلف
رہو آہ دل سوز میرے سے فرق — کہ ہے خوشہ چیں اُس کے خرمین کی برق
دل کو کبھی پیار دلا کر کے اے سجن — لاگائیں گلے سے مرے آج لگ
بخت جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھا کر — کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چاہا کر
۱۵۳۔ سراج - اورنگ آبادی آتش میر سراج الدین - از موزنا
زمان شاہ عالمگیر خلد مکاں بود - ہمشعر

۱۵۴۔ سلیمان - معشوق سید عبدالحی تاباں این مطلع از مشہورست :
تجھے ظالم سے ملا دیکھ تو طاری دل — کچھ بھی ٹھکانہ کیا بل بے جگر داری دل

۱۵۵۔ سامان - جو نپوری - میر ناصر گویند از ش گردان مرزا

منظر جان جاناں بود - ۳ شعر

۱۵۶۔ سعادت - میر سعادت علی ساکن امر وہہ - مرید شاہ ولایت اللہ بود

شنوی سلی سخن کہ در زمان نواب قمر الدین خان دہلیہ

دو عاشق و معشوق در دہلی گزشتہ اند گفتم و در

رعایت ایام نمی کرد - و اکثر مناقب امہ علیہم السلام

می گفت از دوست - ۵ شعر

۱۵۷۔ سید - دہوی - میر امام الدین راقم حقیقہ اور انذیدہ - اما فانی

بعض از دوستان شنیدہ کہ سنجیدہ اطوار بود - از دوست

ہماری حسن کے کوچہ میں بنیوائی ہے

یہ آنکھیں دیکھتے ہو کہ اس گدائی ہے

۱۵۸۔ سید - میر بادگار علی - از سعادت بارہ پویموات و موزونان

عہد شاہ عالم پادشاہ است - از دوست :

شورشیں باقی ہیں دل میں تس پہ آتی ہے بہار

دیکھتے کیا کیا شگونے اب کے لاتی ہے بہار

۱۵۹۔ ساقی - میر حسین علی - احوال ش تا تحریریں اور اق معلوم نہ شد چہ

غزل او بہ نظر راقم خاکسار رسیدہ اما بربک بیت

اکتعارف ۷

تقص کو تو چمن میں رکھ جا زادی نہیں مکن
یہ اتنی عرض بھی لے کر کوئی صیاد کا ہوئے

۱۶۰۔ سکندر مشہور خلیفہ سکندر درمرثیہ گفتن کمال اقتدار و سلیقہ

درستی دارد اکثر در زبان پوربی و مار و اڑی و پنجابی و مرثیہ

گفتہ و قصہ تلوح و ماہی و بادشاہ دل؟ فرار منظوم

ساختہ اگرچہ استعدا علمی ندارد۔ اما مرثیہ او مقبول خواص

عوام است و در قصہ خوانی و عرق کشی واقف و خود را

از شگردان ناجی می شمارد۔ از دوست - شعر

۱۶۱۔ سلیم - غلام آبادی میر محمد سلیم - از سادات انجاست - بہ تجارت

اقبلے معیت می کرد۔ در تفہیم و تنظیم شعر طبع سلیم و ذہن

مستقیم داشت بشنوی در ریختہ مشتمل بر سائخہ عجیب واقعہ

ناحیہ غلام آباد - ترتیب دادہ کہ خالی از حالت نیست و اس

حمیدہ اطوار بایں خاکسار آشنا بود۔ در سنہ یک ہزار و

صد و نو و پنج ہجری در مرشد آباد حلت نمود و در

ہاں بلکہ مدفون گشت۔ از دوست (ایک پورا صفحہ اور ۳ سطریں
اشعار کے لئے چھوڑ دی گئی ہیں۔ دوسرے نسخہ میں بالکل بعد ہی سے ش کی ردیف شروع کر دی گئی ہے)
(درق ۱۶۵)

حرف الشین

۱۶۲۔ شاہی۔ دکنی شاہ قلی خاں، درحیدرآباد از منسلکان تانا شاہ

بود۔ بیشتر مرثیہ می گفت۔ از قدما بود۔ از دوست :

ملنا تمہیں کا غیر سوس کوئی جھوٹ کوئی سچ کچھ کہے

کس کس کا منہ موندوں سخن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

۱۶۳۔ شاہ کر۔ محمد شاہ از دوستان محمد علی شمت بودہ و بختیہ را بسلامت

می گفت۔ از دوست :

کیا پوچھے ہے حال ببلوں کا جو آن پہ گزرتی ہے گزرے

گلچیں تجھے کیا تری بلا سے گل توڑ کے تو تو گود بھرے

۱۶۴۔ میر شاہ علی خاں دہلوی۔ جوان زیبائے بود۔ پریشاں حال وارد

مرشد آباد گشتہ با حصول مراد مدتے بہ شادمانی گزرا نہ

و بعد انقراض دولت نواب سراج الدولہ آوارہ از مرشد آباد

شدہ بہ سمت لکھنؤ افتاد۔ و بہ عہد دولت نواب عالی جاہ

میر محمد قاسم خاں بہ عظیم آباد آمدہ در زمرہ ملازمان نواب

مذکور انسلک یافت و از بنجا بدکن رفتہ، گویند در ان ناحیہ

انتقال یافت۔ ۳ شعر

۱۶۵- شورش عظیم آبادی - میر غلام حسین - ۳۵ شعر

ایک لفظ کا اضافہ نہیں کیا۔ اس کے برخلاف علی ابراہیم کا
مطلب جھٹ کر دیا ہے۔ نیز ترجمہ کو نہایت طویل بنا دیا
خصوصاً عبارت قلم کشیدہ کا مطلب غلط لیا۔

”میر غلام حسین مشہور بہ میر بہینیا۔ خواہر زادہ ملا میر
وحید و شاگرد باقر خزین ست۔ بایں خاکسار آشنا بود
بہ محض پندار التفات بقباغ انکار خود نمی نمود۔

تذکرہ در رنجہ تالیف نموده۔ خالی از درد
و حالتی نہ بود۔

در سنہ یک ہزار و یک صد و نو و پنج ہجری رحلت کردہ
اشعارش مدون و ایں اشعار خلاصہ دیوان اوست“

شورش تخلص، میر غلام حسین نام، متوطن عظیم آباد کے، مشہور میر بہینا کے تھے
بھانجے تھے ملا میر وحید کے اور مشورہ سخن کا کیا تھا میر باقر خزین تخلص سے علی ابراہیم خان مرحوم
گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ ”میرے آشنا تھے اور بیماری میں غور کی مبتلا تھے فقط
اپنے خیال فاسد سے انھوں نے اپنے کلام کی قباحتوں پر التفات نہیں کیا ہے، اس
سبب سے سخن ان کا ہمیشہ مورد اعتراض سخن گروں کا رہا ہے“ ایک تذکرہ شاعرانہ
کا زبان رنجہ میں انھوں نے لکھا ہے، لیکن وہ بھی بسبب ان کی خود پسندی
خالی خل اور زلل سے نہ تھا۔ ۱۹۵ء گیارہ سو پچانوے ہجری میں اس میرے

فنا سے جادہ نور و منزل بقا کے ہوئے۔ دیوان ان کا زبانِ ریختہ میں مترقب ہے
یہ ان کے کلام کا منتخب ہے:

ہمارے پاس بھی آیا۔ نہ آیا — بھر دسا کیا ہے جی آیا نہ آیا
کسی کو خم سے غرض ہی کسی کو جام سے کام قسم غماں کی ہر ساقی کے مجھ کو نام سے کام
اٹھی یہ الفت گل کے سبب سبب ایذا وگرنہ کیا تھا ہمیں ہم صغیر و دام سے کام
ہماری صبح بربخ یا رشا م نہ لہفِ نگار نہ مہر و ماہ کے ہے ہم کو صبح و شام سے کام
ہر ایک م میں ہیں وصل ہجر میں موجود غرض نہ نام سے رکھتے ہیں نے پیام سے کام
رقیب گرچہ بہت برخلاف ہے شورش
ہوا کرے ہمیں ہر یا اپنے کام سے کام

۱۶۶۔ شفا۔ حکیم یار علی، معاصر محمد علی حشمت بود از دوست:

جوں ڈانک کے ائے سے دونا کو لے ہر یاقوت

چمکا ہے زنگ پان سے جو ہر ترے لبوں کا

۱۶۷۔ شاعر۔ میرکلو۔ از اقربائے خواجہ میر درد بہت۔ بہ سلامت ذہن و

درستی سلیقہ انصاف دارد۔ از موز و نان عہد شاہ عالم

بادشاہ بہت۔ از دوست۔ ہ شعر

۱۶۸۔ شیدا۔ میر فتح علی۔ از شمس آباد است مبتنی میر سوز و

شاگرد مرزا محمد رفیع سودا و از موز و نان عہد شاہ عالم بادشاہ

از دوست ۲ شعر

۱۶۹- شوق - حسین علی از شاگردان سراج الدین علی خاں آرزو بود

و در نسلکان نواب عماد الملک غازی الدین خاں نسلک داشت

این اشعار از افکار اوست - ۱۵ شعر

۱۷۰- شاداب - لاله خوش وقت رائے و سکشن چاند پور ندینہ است - گویند

در فن انشا سلیقہ داشته -

۱۷۱- شہرت - دہلوی مرزا محمد علی - از شاگردان بھلی اماں جرات است

احال کہ ۱۱۹۶ ہجری است - در کھنومی گزراند - از دوست - ۴ شعر

۱۷۲- شاقی - جہان آبادی - امین الدین - الحال کہ ۱۱۹۶ ہجری است

در عظیم آباد بمسکت و نامرادی می گزراند - از دوست :

مت زخم دل میرے کو کوئی لبتیام دو ظالم کو بلکہ زخم دگر کا پیام دو

۱۷۳- شہید - غازی پوری یو لوی غلام حسین - مدتے برفاقت نواب

فضل علی خاں غازی پوری - روزگار بہ عزت گزرا میدہ

مردے ست خوش تقریر و سنجیدہ اطوار و باہیں خاکسار نشا است

دریں دلاکہ ۱۱۹۶ ہجری است - در زمرہ افاضل عوالی

مقدار کہ در بنارس باہیں خاکسار در ہدایت مامور اند - شتغال

دارد - از دوست - ۴ شعر

۱۷۴- شرف - میر محمدی - برادر زادہ نواب خان دوہان - در ریختہ گوئی

متبع طرنازک خیالان ست - ازوست :

صاف دل کا مرتبہ ہی عرش و کرسی سب لذت جلوہ گر ہے آسمان زیر زمین آئینہ
 ۱۶۵ - شفیع - میر محمد شفیع از ہم صحبتان مرزا محمد رفیع سودا و محمد تقی
 میرست بوارستگی و آزاوہ مشربی در لکھنوی گزراند
 ازوست - ۲ شعر

حرف الصاد

۱۶۶ - مصم صام الدولہ - خاندوران، موسوم بخواجه محمد عاصم از
 امرائے فرخ سیر بادشاہ ست - احوال آں امیر
 ستودہ اطوار از غایت اشتہار محتاج بہ تحریر نیست کہے
 بہ موزونی طبع نظم ریختہ و فارسی می نمود - ازوست :
 نزدیک ہے خزاں کا ہوئے گزر چمن میں
 اب شور کرے بلبل آوے جو تیرے من میں
 شکر بے نے بس گر مجوشی سے آج
 میرے دل کو تل میں مرند کیا ؟

۱۶۷ - صنعت - یعل خاں از متوسلان نواب آصف جاہ نظام الملک

ایں دو بیت بنام اوفسوب است :

دل جب سے ترے عشق میں مجھ سے جدا ہوا
ہکا جلا ہوا نہیں جانا کہ کیا ہوا

۱۶۸۔ صفدری حیدر آبادی۔ از قداست و ایں معنی از شعر شہادت

سبز جامہ بریں پی کے رنگ پینا دیکھیو
شمع کا فوری پیہ فائوس پینا دیکھیو

۱۶۹۔ صادق دہلوی۔ میر جعفر خاں۔ نیرۂ حقائق آگاہ میر سید محمد قاری

کہ مزار ایشان بر نالہ بریم دی از محالات شاہ جہاں آباد
واقع ست۔ صادق مذکور بآئین جد خود در صلاح تقویٰ
آراستہ بود۔ بہارستان جعفری، تصنیف کردہ است
و بعد فوت بہ مقبرہ جد خود مدفون گشتہ۔ از دست (۳ شعر)

۱۷۰۔ صبر فیض آبادی۔ میر محمد علی بشیر مرثیہ می گوید۔ ایں مطلع

از دست - ۳ شعر

۱۷۱۔ صانع بگرامی۔ نظام الدین احمد۔

لطف نے زرا سے مطلب کو کس قدر طویل بنا دیا ہے پھر بھی

علی ابراہیم کا پورا خیال ظاہر نہ کیا۔ اور نہ خود اپنی طرف سے

کوئی اضافہ کیا ہے۔

از دوستانِ این خاکسار و محبانِ مرزا محمد رفیع سودا
اشعار فارسی مدون دارد، و ریختہ کمتر می گوید۔ از خواندن
اشعار خوب بسیار متاثر می شود۔ بعالم اخلاص مستثنی و
ذہنش بفہم اشعار رساست۔

الحال بہ سال بسیت و دویم شاہ عالم بادشاہ در مرشد آباد
و کلکتہ بسر می برد۔ از دوست۔

(دو نونہنچوں میں یہی عبارت ہے اور دو نونہنچے لکھے ہیں)

صانعِ تخلص نظام الدین احمد نام۔ ساکن بگرام۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ
محبانِ قدیم سے میرزا محمد رفیع سودا کے اور دوستانِ محیم سے اس خاکسار کے تھے۔ بڑے
صاحبِ درد و تاثیر اور طبیعت کی گدازی میں بے نظیر۔ اچھا شعر جب کسی سے سنتے، تو گھر کو
روتے، اور بے چین رہتے۔ عالم اخلاص اور دوستی میں زمانہ کے افتخار استقامت طبع اور
رسائی ذہن میں مستغنی روزگار تھے۔ سنہ ہائیسویں تک جلوس شاہ عالم بادشاہ غازی کے ہمیشہ
مرشد آباد اور کلکتہ میں ایامِ زندگی کے بسر کرتے تھے۔ آخر سنہ ہجری میں ملک و جود سے
رختِ سفر کا بازہ کے راہی کشورِ عدم کے ہوئے۔ فارسی دیوان مترتب ہے ان کا۔ اور ریختہ کا
شوق کمتر تھا۔ یہ اشعار اس نیکو کردار کے ہیں۔

سجن کی آس محبت پر دیا تھا جانِ دل صانع نہ تھا معلوم ہو جاوے گا وہ نامہ رباں اپنا
جلے بٹھنے ترے جس وقت آہ کرتے ہیں تو دودِ دل سے جہاں کو سیاہ کرتے ہیں
قسم ہے تیری ہی کمانے میں یا ترے سرنگا۔ جگر تلک نہیں دل کے تباہ کرتے ہیں

لے فلمی نسخہ میں سن وفات نہیں لکھا ۱۲

وہی ہوئے ہیں تب تباہی سستی آگاہ جو کوئی دل سے گزر گاہ گاہ کہتے ہیں
 خدا بچا دے غم و درد بحر عشق میں آہ ڈبا کے زورِ بقی دل کو تباہ کرتے ہیں
 نہ کہہ گن سے ہوئی بے ستوں میں صانع راہ
 بڑے وہ مرد ہیں جو دل میں راہ کہتے ہیں

ہو بے شوق مومن کو دھڑی ہونٹوں حملانے کا نہ جانوں کیا سبب یا تو مسکینِ بیکس کا
 یہ بیل شمعِ گل پر بیٹھ کر کیا شور کرتی ہے صبا کا آج وعدہ ہے مگر کیاں کھلانے کا

حرف الضاد

۱۸۲- ضمیر دہلوی ملقب بہ سید ہدایت علی خاں و مخاطب بہ نصیر الدولہ
 بخشی الملک اسد جنگ بہادر۔ از دہلی بہ عظیم آباد آمدہ سکنی
 اختیار کرد۔ بصفات شجاعت و سخاوت معروف۔ و از خوشان
 نواب شجاع الملک محمد علی وردی خاں مہابت جنگ بود چندے
 بہ صوبہ اری عظیم آباد بہ نیک نامی گزرا یندہ۔ آخر بنا بر فقر آن
 کہ تفصیل آن تطویل می خواهد در دہلی و اطراف آن بحصول
 بعضی خدمات بادشاہی بکام و ناکام بسر بردہ۔ اوایل سلطنت
 شاہ عالم بادشاہ باز بہ عظیم آباد آمدہ اصل اقامت انداخت
 و در حین آبادی بر حمت الہی پیوست۔ مگاہے بموزونی طبع

شعر ریختہ فارسی می گفت ۳ شعر

۱۸۳- ضیا و میرضیا والدین ایک بات کا بھی اضافہ نہیں۔ ۴ سطر ۶ شعر

ضیا تخلص، میرضیا والدین نام، متوطن شاہ جہان آباد کے، میرزا محمد رفیع سودا کے ہم عصر تھے۔ نظم ریختہ میں مالک تھے طبع بلند کے ماور صاحب تھے ذہن ارجمند کے۔ دلی سے جب کہ لکھنؤ میں آئے تو طور سکونت کا وہیں ٹھہرائے۔ ایک مدت اوقات اسی شہر میں بسر کی، اور داد شعر و شاعری کی دی۔ اکثر سخنوروں کو اس دیار کے نسبت شاگردی کی اس شاعر شیریں کام کے ساتھ ہے، اقسام نظم میں ان سے بیشتر ہوئی فکر غزلیات ہے۔ قصیدائے سے تو ان کو کچھ انکار سار ہا ہے، اور مثنوی کا خیال بھی کم تر کیا ہے۔ آخر عمر بلدہ عظیم آباد میں استقامت اختیار کی تھی اور طبیعت اکثر ساتھ عزت و گوشہ نشینی کے بار کی تھی۔ آئینہ پرست اور دردمند رنج و راحت میں ہمیشہ خورسند تھے۔ از بسکہ مدار دنیائے فانی کا فنا پر ہے راہ گزرا جادہ بقا کے ہوئے۔ مالک دیوان رنگین و متین کے ہیں۔ یہ شعر اس شاعر کی د ذہن کے ہیں:

آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کھلنے لگا	باؤ بھی کھائی نہ مٹی دل نے کمر جھانے لگا
اُس کے کوچے میں ضیا پھر آج تو جانے لگا	کل کی رسوائی تجھے کیا بس مٹی لے ننگ خلق
جو کوئی مہر ہے اُس کے صلیق میں پانی چواتے ہیں	پلا دے آبِ خنجر ہم کو ظالم تشنہ جانے ہیں
کہ سلیں دلی پھرتی ہیں گولے خاک ڈراتے ہیں	ہے مٹم کس دانے کا اسی آج صحرا میں
کہ آج آنسو تری آنکھوں سے کچھ لوہو سے آتے ہیں	ضیا رکھ ہاتھ سینے پر خبر دل کی بھی لے ظالم
صحرا میں تو نے مجھوں وحشی ضیا کو دیکھا	گر مایہ و خاک آڑا تا جوں ابرو جوں گولا
یہ جام بھر رہا ہے مبادا چھلک پڑے	لے آہ نچ نکل نہ کیس دل تھک پڑے
اک آہ اُس نے پھینچی اور آنسو ڈھلک پڑے	تیرے ضیا کا حال میں پوچھا تھا سمیع سے

۱۸۴- ضاحک - دہلوی میر غلام حسین والد میر حسن تذکرہ نویس - در
 ہدای و بزلہ گوئی اقتدار و در فہم موسیقی مناسبتے دارد
 الحال کہ سال ہزار و صد و نو دوشش ہجری باشد شنیدہ شد
 در فیض آباد بوارستگی می گزراند - ازوست :-
 کیا ریجے اصلاح خدائی کو دلیکن کافی عمارت احسن اگر ماہ نہ ہوتا

حرف الطاء

۱۸۵- طیش - دہلوی - از شاگردان خواجہ میر درد و منسلکان سرکار
 مرشد زادہ آفاق جہاندار شاہ صاحب عالم ست - ہر گاہ
 کہ مرشد زادہ آفاق رونق افزائے بنارس ہو وند بار قم
 آثم در شلہ ہجریہ مکر ملاقات کردہ - جوانے خوش ظاہر
 بہ صفت خاکساری و اخلاق آراستہ است - ازوست ، شعر
 ۱۸۶- طالع - شمس الدین - گویند جوان زیبای از اضلاع لکھنؤ بودہ ازوست :-
 زبس معمور ہے سینا ما الفت کے داغوں سے
 تنگاف سینہ اپنے کون مد گلزار کہتے ہیں
 ۱۸۷- طرز - گردہاری لال - قوم کا تھ - متوطن امر وہہ از شاگردان
 بیان محمد قائم قائم تخلص است - ازوست - ۲ شعر

حرف الظا

۱۸۸۔ ظاہر۔ خواجہ محمد خاں۔ از تربیت یافتگان مرزا منظر جان جابان بود

در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ انتقال نمود۔ از دست؛

پہر زینجا نہ نیند بھر سولی جیسے یوسف کو خواب میں دیکھا

۱۸۹۔ ظہور۔ دہلوی۔ لالہ شیشونگہ۔ در عہد احمد شاہ بن محمد شاہ

فردوس آرام گاہ بود۔ از دست ۴ شعر

حرف العين

۱۹۰۔ غزلت۔ سورتی سید عبدالولی۔

لطف نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اگر کیا بھی ہے تو من گھڑت

جس سے علی ابراہیم کے اصل خیالات سے کوئی تعلق نہیں مثلاً

حب نیل کا ترجمہ لطف کے یہاں ملاحظہ ہو:

”وباوصف نفیلت اطوار واقوالش خالی

از بسکی و ہزالی نبود۔ در زمان دولت نواب

محمد علی وردی خاں مہابت جنگ مغفور وارد

مرشد آباد و مورد مہربانی نواب مذکور گردید۔

و بعد انتقال نواب بدکن رفت۔ اشعارش مدون
بر نظر اس خاکسار درآمد

(دو نون نخوں میں یہی ہے کوئی اختلاف نہیں) ۲۶ شعر

عزت تخلص سید عبدالولی تام خلف شاہ سعد اللہ سورتی کے۔ وہ شاہ سعید اللہ کے
سر دفتر فاضلان اور سہولت صابہ لانی تھے اور بادشاہ عالمگیر کے تین اس مرجع خلایق سے
اعتقاد صادق تھا۔ اصل وطن شاہ صاحب مذکور کا کوئی قصیدہ ہے قصبات لکھنؤ سے۔ لیکن
از بسکہ استقامت سورت میں اختیار کی تھی سورتی مشہور ہوئے۔ غرض جب عزت مذکور
اپنے والد کی وفات کے بعد دلی میں گئے، تو شاہ جہان آباد کے سخنوروں کی ہم صحبتی سے
فکر میں ریختے پڑے۔ تلاش پر نظم کی دل دیا، اور حوصلہ شعر و شاعری کا حاصل کیا علیٰ ابراہیم
خان مرحوم نے لکھا ہے کہ ”باوصف ملکوت و فضیلت کے اوصناع و اطوار اس عزیز کے خالی
سبکی اور بے مغزی سے نہ تھے۔ نواب علی وردی خاں مہابت جنگ مغفور کے عہد دولت میں
وارد درمشد آباد کے ہوئے اور مورد عنایت و امداد کے ہوئے۔ حرکات ان سے خلاف
ان کے منصب کے عمل میں آتے تھے اور آنکھوں میں ارباب تمیز کی کیفیت کو اعتبار کی
گھٹاتے تھے۔ نواب مرحوم الصدر کی وفات کے بعد سرزمین دکن نور جہاں سے اپنے
منور کی اور بقایائے عمر اسی ملکوت میں بسر کی“ دیوان ان کا مدت سے پا چکا
انتظام ہے، یہ ان کا منتخب کلام ہے:

ترا جامہ گلانی ہے تو میرا خزہ بگلوں ہے
جدا ہے ہر گلی میں شور زنجیرا سبزوں کا
یہ آئینہ تھا، اس خود میں کے اترنے کے کام آتا
جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

فقیروں سے نہ ہو نیرنگ لالہ فصیح بولی میں
بہار آئی چمن میں گل ہے لبیب کی صیفوں کا
جست توڑا مرادوں ناز سکھلانے کے کام آتا
جلایا مصحف دل تو نے کیوں برقی تغاض سے

بتوں کا جور دیوانہ دوا کرتا ہے گا کہ تھروں کو وہ صندل درد سر کا جانتا ہے گا
 بگولہ بن کے راہ پے ستون میں کوہ کنی لگے سم گلگوں کی مائی ہاتھ مل چھانٹا ہے گا
 سیہ روزی میں میری قدر کو اجا کیا جائیں اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچانتا ہے گا

مجھے چاہیے کہ پتھر مارے جب دشنام سیکیں گا
 فلیل ابرو کے غزلت کس خن سے لہنتا ہے گا

ہو لہے داغ اُس کا مغز نازک آتش گل سے چمن زادوں میں اک مرزا نش لالہ ہوا پیدا
 جدھر نکلے وہ ہولی باز بانجا گلابی ہے غبارِ راہ وہاں کا

نخل اُمید بے وفا یوں سے دل سلامت رہے تو پھل پانا
 اول ہیں عشق اپنے سے پہوش کیا یاد اپنی دی پھر ہم کو فراموش کیا
 ہم نے بھی جس دار لے یا ر سفری دل کو نالاں لبوں کو خاموش کیا
 ہماری گرد سے دامن جھٹک گیا دل دار کلاں سا پڑا جلتا ہے اب تلک یہ غبار
 یاروں کی خاطر کی کیا دل مزاج رہے ہیں پر غبارِ سب ل کیا خاک جا خبرے
 جوں شب کہ صبح ہو جائے تب آفتاب آوے ہم جل کے ہو گئے راکھ جب لکڑہ آخِرے
 ہم ہیں مغلّس یا یہ کی قیمت گراں کیا کیجے ہم زمین اور اُس کا رتبہ آسمان کیا کیجے
 بچا دل زلف کے عقب سے تو کیا کہ چوٹی ناگنی پیچھے پڑی ہے

ترسی زلف کی شبکا بیدار میں ہوں تجھ آنکھوں کے ساغر کا میخوار میں ہوں
 کہ چہرہ بتا بھرتا ہے لے گریہ غم کہ آنکھوں سے تیرا خریدار میں ہوں
 پیر ہو یا تیغ ہو ہے دیکھو طفلان کا میرید مردہ بولا ہے کفن پھاڑ قیامت آئی
 دل میں رندوں کے پھوپھو لا ہوا عمامہ تیغ یارب اس بزم سے یہ زیر کا ٹکڑا جادے
 کھلا کے دل جسے پالاسو ہے مراد الی جناب پاک جنوں مدظلہ العالی
 شہانہ اُس زلف میں پھرتے یہ سخن کتنا تھا بات کہتے ہی شب وصل چلی جاتی ہے

شکستہ گروہ ادا اب نظر نہ کر مجھ پر یہ ٹوٹے آئینے میں منہ تری بلا دیکھے
۱۹۱- عارف - اکبر آبادی - محمد عارف - شاگرد مضمون است
 قریب دہلی دروازہ شاہجہاں آباد دوکان نوگری
 داشت - از دست :

دفر رز کو کہہ کہ اُس سے ملے ورنہ عارف افیم کھاوے گا
۱۹۲- عشق - دہلوی - شاہ رکن الدین -

صرف اس جملہ کا اضافہ جس کا مطلب واضح نہیں معلوم
 لطف نے کہاں سے حاصل کیا -

”جہاں بیاں ہوتی ہے شاہ فرہاد کی لہٹ
 سکرستی ہے تو کہتے ہیں کہ اس عالم میں تعظیم
 بادشاہ کی نہیں ہے“

(دیکھو لطف ص ۱۲۶ ۲۵ شعر)

عشق تخلص شاہ رکن الدین نام - شاہ گھسیٹا کر کے مشہور تھے - شاہ جہاں آبادی
 نوے شاہ فرہاد کے عمدہ مشائخوں میں سے دلی کے - جہاں بیان ہوتی - شاہ
 فرہاد کی حالت سکرستی ہی تو کہتے ہیں کہ اس عالم میں تعظیم بادشاہ کی نہیں کی ہے
 عشق مذکور ایام شباب میں شاہ جہاں آباد سے مرشد آباد میں آئے اور خواجہ
 محمدی خاں مرحوم کے ساتھ لباس دنیا داری میں ایک مدت ایام حیات بغزت تمام
 بسر لائے - اگرچہ نہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے، لیکن آنکھوں میں امرایان
 مرشد آباد کے نہایت احترام رکھتے تھے - بعد ایک عرصہ کے اپنے بزرگوں کے

طور پر مزاج نقرہ درویشی کی طرف آیا اور مکہ فضل ایزدی پر کر کے طور استقامت کا عظیم آباد
میں ٹھہرایا۔ پھر تو نہایت زور و شور کے ساتھ مشیخت پناہی کی اور معتقدوں کے ہجوم سے
عالم درویشی میں باوشاہی کی طالبان راہ عشق کو ہدایت مطلب سے خالی نہیں چھوڑا۔ بقول
علی ابراہیم خاں مرحوم ۱۱۹۵ھ گیارہ سو چار نوے ہجری تک داد حال و قال کی دی آخر
بلدہ عظیم آباد میں مرشد حقیقی قضا کے ارشاد دعوت پر لبیک اجابت باواز بلند کسی دیوان
اس مشیخت دستگاہ کا زبان رنجتہ میں مترتب ہے، یہ اس کا منتخب ہے،

کننے کو ادھر آدھر گئے ہم	تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں نہ ہوئی عدول حکمی	تو نے کہا مر گئے ہم
بات کننے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں	عشق رخصت ہے تو شوخ شراب برپا کروں
نے در و دل ہے باقی نے آہ فتنے فنا ہے	اے سوز عشق پہ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے
دیکھنے بن اس کے یک دم چین یہ رہتا نہیں	اس کا فر کے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم
جوں آفتاب تباں گو نام کو بیاں ہوں	یہ پر تو ہے تیرا لنگ دیکھ میں کہاں ہوں
گو نام اور شاں ہے ظاہر میں میرا یارو	جو دیکھو فی الحقیقت ہوں وہم یا لگاں ہوں
باتیں نہ سن تو میری جل جلے گا دیوانے	میں برق آسمان ہوں یا عشق کی زبان ہوں
عرش تا فرش سیر کر دیکھا	تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
چشم تحقیق سے جہاں ڈھونڈھا	کافر ہوں تجھ سوا اگر دیکھا
تیر کے نام پر تڑپتا ہوں	اس طرح کا کہیں جگہ دیکھا
آبلہ آبلہ ہوئے سب عضو	نخل الفت میں یہ شمر دیکھا
سحر میں سامری کے کیا قدرت	تیری نظروں میں جو اثر دیکھا
اپنے ہم چشم سے لگا کہنے	نالہ و آہ گھر بہ گھر دیکھا
ہلک اک انصاف سے اگر دیکھو	عشق سا کوئی چشم تر دیکھا

دیدہ دل جو کر کے وا دیکھا حرم و دیر میں خدا دیکھا
 ہنس کے کہنے لگا لامت کر عشق میں تو نے کیا مزا دیکھا
 اس کی لذت کو دل مجھتا ہے اس کو میں کیا کہوں کہ کیا دیکھا

دشت تجھ کو قسم ہے مجھوں کی
 عشق سا کوئی برہنہ پا دیکھا

از عدم تا وجود آ دیکھا جان دیکھا سو بے وفا دیکھا
 اپنی آنکھوں سے دیکھ لے خوشنم مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا
 تجھ سے کوئی آشنا نہ ہو یا ہو پر تجھے سب آشنا دیکھا
 اُس کے دہن تلک نہ پہنچے ہم خاک میں آپ کے کو ملا دیکھا
 ظالم اپنی جھایں کہ تو کبھو لب مرا شکوہ میں بہا دیکھا

کبھو غم سے جدا نہ دیکھا میں
 عشق کو جا کے بار بہا دیکھا

میں کافر ہوں اگر منظور ہوئے لطف مرہم کا کہ یہ داغ جگر ہے یا دو گار اُس یا رہم کا
 ترا یہ وعدہ فردا تو دل کو روزِ فردا ہے کہاں فرصت ہے لے نا دل بھروسا ہی کہاں دم کا
 رُلانے میں مے کچھ تجھ کو بیگا فائدہ کہ تو مگر اتنا کہ گھبرا پنا ڈبویا اور مردم کا
 کھایت ہی بروزِ حشر مجھ کو شفقتِ حیدر کہ جس کے نام سے زہرا ہوا پانی جہنم کا
 چاکِ دل تابہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا سخت دل زینتِ داماں نہ ہوا تھا سو ہوا
 بے وفائی تری دل دیکھ کے اے وعدہ خلا عشق بازی میں پشیمان نہ ہوا تھا سو ہوا

۱۹۳- عمدہ کشمیری- سیتا رام- معاصر سراج الدین علی خاں آرزو بدو

اشعار بسا یاد زوے بہ نظر آمد اما ہمیں دو بیت

اکتفا نمود۔ از دوست :

کسو کے سینے میں ہرگز مرا سدا غ نہ تھا
مرے چراغ سا روشن کوئی چراغ نہ تھا
چمن میں کھینچ کے لائے ہیں گلر خاں بھگو
دگر نہ سیرِ چمن کا مجھے دماغ نہ تھا

۱۹۴۔ عاصی - نور محمد از برہان پور دکھن بود۔ از دوست :

آتا تھا تیرے موند کے مقابل ہو آفتاب
ایسا گرا کہ تیغ کہیں اور سپر کہیں
۱۹۵۔ عاجز - اکبر آبادی - عارف علی خاں - گوہند اشعارش مدون
اما بہ نظر حقیر نیامدہ از دوست :

تری سمرن کو لے گلرو ہمارے اشکِ خنیں سے
پلکے ہاتھ میں یا قوت کے دانوں کا مالا ہے
۱۹۶۔ عمر دکھنی معتبر خاں از منصبداران دکھن و شاگردان
ولی دکھنی بودہ از دوست :

تل میں دل لے کے یوں کرتے ہو کہ گویا ان تلوں میں تل نہیں
۱۹۷۔ عیش - مرزا محمد عسکری - کوئی اضافہ نہیں - (۲ سطر ۶ شعر)
عیشِ مخلص، میرزا عسکری نام، بیٹے مرزا علی نقی کے - وہ مرزا علی نقی

جن کو نواب حسین علی خاں کی طرف سے اپنی جاگیر ایک مدت رہی اور زندگی انھوں نے اس خدمت میں نہایت تخفیف حکومت کے ساتھ بسر کی ہے۔ غرض میرزا عسکری مذکور جو ان مودب و باشعور اور تہذیب اخلاق سے معمور ہیں۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ”میرے آشنائیں بہت ہی باشرم و باجیا ہیں۔ وطن تو ان کا شاہ جہان آباد ہے لیکن ایک مدت سے مرشد آباد میں آکر رہے تھے اور بعض خدمتوں کے ساتھ سرکار میں ناظم بنگالہ کے اوقات بسر کرتے تھے۔ دیوان ان کا مورد اشتہار ہے۔ یہ ان کا خلاصہ افکار ہے:

وہ اگر آوے سر بام کیس میں بھی کر لوں اُسے سلام کیس
کیا ہے یہ قطرہ قطرہ دے ساقی ایک باری تو بھر کے جام کیس
اس شب صول کی سحر لے چرخ بچومت مجھ سے انتقام کیس
یہ غزل عیش ہے تصدیق سوز
مجھ سے ہوتی تھی انعام کیس

۱۹۸- غزلیہ - بھکاری داس - از تلامذہ خواجہ میر درد - موطن
آبائش جون پور و مولدش دہلی ست ہشتیر بہ بعضہ خدا
بادشاہی مامور بود و الحال کہ سال یک ہزار و یک صد
نود و شش ہجری ست احوال و پارہ اشعار خود را
از الہ آباد بایں خاکسار فرستادہ۔ ایں چند ابیات از ال
غزلیہ است - (۴ شعر)

۱۹۹- عظیم - محمد عظیم از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا است شنیذہ
بد دہلی بسری برد۔

خواہی پیالہ خواہ سب کچھ کلال ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چکے
۲۰۰۔ عاشق - میریحی و مخاطب بہ عاشق علی خاں از مردم و کمن بود
از دوست :

ہیں شہید کربلا سب سبز پوش مصطفیٰ کی آل کا کیا رنگ ہے
۲۰۱۔ عاشق - علی اعظم خاں خلف خواجہ محمدی خاں از مریدان معارف
آگاہ شاہ گھسیٹا ست - بار اقم آشنا بود - ترک لباس
دنیا کردہ چند سال ست کہ وفات یافت - از دوست :
روز و شب یا سے تلا کیجئے چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجئے
۲۰۲۔ عاشق - میر برہان الدین شاگرد میر حسن ست در لباس فقر
بحسن صورت و سیرت معروف و در علم نقوش ہمارے دار
از دوست : (۲ شعر)

۲۰۳۔ عاشق - منشی عجائب رائے -
(دو نونہنوں میں جگہ چھوڑ دی گئی ہے)

حرف الغین

۲۰۴۔ غالب - دہلوی - مخاطب بہ سید الملک نواب سید اللہ خاں ہابو
امام جنگ در زمان دولت نواب بہابت جنگ وارد

مرشد آباد شدہ سکونت دناں بلکہ اختیار فرمودہ۔ درفتوت و
 مروت یگانہ دہر و در اخلاق و استقامت حال ممتاز عصر اند
 اگرچہ شاعری دون مرتبہ کمال آں ستودہ خصال ست اما گاہ ہے
 بوزنی طبع بہ نظم شعر فارسی و ریختہ رغبت می نماید۔ ایں کیا
 را بخدمت آں سید عالی تبار نیاز مندی ست :

عجب کیا ہے اگر اگر گریں اب میری آنکھوں سے
 کہ روتا ہے دل پر شور آتشبار پہلو میں
 ۲۰۵۔ غریب دہلوی میر تقی۔ از ملازمان نواب عالی جاہ میر محمد قاسم خاں
 مرحوم بود۔ از دست :

اتنی مت کسی کے پیش در و انتظار آوے
 ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک کہ یار آوے

حرف الفا

۲۰۶۔ فقیر۔ دہلوی۔ میر شمس الدین۔ بہت اچھا اضافہ کیا ہے
 (۴ سطر، ۳ شعر)

فقیر تخلص، میر شمس الدین نام۔ متوطن شاہ جہان آباد کے۔ استادوں میں سے
 شعرائے ہندوستان کے تھے۔ اہل ہند میں مجال کسی کی نہ ہوئی کہ سخن گسری میں مقام پر

فیضی کے اور خوش بیانی میں جگہ پر ان کے تیکہ کر سکے۔ دارالخلافہ شاہ جہان آباد میں ہر روز زندگانی کا اُنھوں نے نہایت غربت اور استغنا کے ساتھ بسر کیا ہے اور اس عرصہ میں دکن کا بھی سفر کیا ہے۔ چنانچہ بیشتر دکن بطور سیاح کے دیکھے اور اکثر مقاموں میں سیر کی وضع پر پھرے۔ اقسام نظم میں کوئی قسم نہیں رہی کہ ان کے خاتمہ سحر آفرین نے اُس میں جادو کاری نہیں کی اور انواع شعریں کوئی نوع نہیں چھوٹی کہ ان کے کلام گوہر سلکس اُس میں دُرِ باری نہیں ہوئی۔ اکثر علوم میں کتابیں ان کی تصانیف سے ہیں۔ خصوصاً عروض و قوافی میں کیا خوب رسالے تالیف کئے ہیں بشالہ گیارہ سو سترہ ہجری میں واسطے حج و زیارت کے تشریف لے گئے اور بعد حصول سعادت زیارت کے جب کہ پھرے تو کشتی حیات اُس آشنائے بحر معنی کے گرد اب مہمات میں تنہا ہی ہو کر ڈوبی۔ یعنی اس ناخدا نے جہازِ سخنِ انی کے جہاز کو باد مخالف نے صدمہ طوفان دیا اور دریائے مسقط میں غرقِ بحرِ رحمت کیا۔ اگرچہ کنہِ ریختہ کا اُس اہل کمال کا دوں مرتبہ کمال تھا، لیکن اکثر واسطے تغننِ طبیعت کے اس کا بھی اشتغال تھا۔ یہ گوہر آبدار اس بحرِ سخنِ سخی کے آویزہ گوش روزگار ہیں۔

درد مندوں سے نہ پوچھو کہ گھر بیٹھ گئے	تیری مجلس میں غنیمت ہے جدھر بیٹھ گئے
ہے غرض دیسے یاں کام تکلف سے نہیں	خواہ ادھر بیٹھ گئے خواہ آدھر بیٹھ گئے
دیکھا ہووے گامے اشک کا طوفانِ تم نے	لاکو دیوار گریں سیکڑوں گھر بیٹھ گئے
کس نظر ناز نے اُس باز کو بخشی پرواز	سیکڑوں مرغ ہوا پچاند کے پر بیٹھ گئے
کم ہے آواز ترے کوچہ کے باشندوں کی	نادر کرنے سے گلے اُن کے گھر بیٹھ گئے

مفت اٹھنے کے نہیں یار کے کوچہ سے فقیر
جب کہ بستر کو جا کھول کر بیٹھ گئے

لے آج کل باندھ بولتے ہیں ۱۱

آہ تو نے تو کئی بار بلایا ہے فلک زیادہ گستاخ نہ جو عرش کو پہنچے گی دھب
کل ہی کی شب کا ہے مذکور کہ جبریل آئے خوب معلوم نہیں آپ تھا یا اور ملک

۲۰۷۔ فعال۔ دہلوی۔ اشرف علی خاں۔ کوئی اضافہ نہیں علی ابراہیم نے
لکھا ہے ”بار اقم آتم ربطے داشت“ (۷۰ سطر۔ ۵۰ اشعار)

جن میں دو مثنویاں عجوبہ بھی ہیں)

نفاں تخلص، اشرف علی خاں نام تھا۔ شاہ جہان آبادی خلت میرزا علی خاں نکتہ کے
آٹھ پران کو خوش طبعی اور خوش اخلاطی سے کام تھا۔ کو کے تھے احمد شاہ بادشاہ کے اور
مرہٹہ گری سے غرافت کی ندیم تھے جہاں پناہ کے۔ چنانچہ ظریف الملک کو کے خاں بہادر حضور سے
بادشاہ کے خطاب پایا تھا اور مرتبہ کو شوخی کے ساتھ لطیفہ سنجی کے بہت دور پہنچا یا تھا۔ دلی سے
مرشد آباد میں اپنے چچا کے پاس کہ محمد ایرج خاں کو کے مشہور تھے، وارد ہوئے۔ لیکن نہ رہے
اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر شاہ جہان آباد چلے گئے۔ بعد کی برس کے غیلم آباد میں آئے
اور طور بود دباش کے وہاں ٹھہرے رفاقت میں ہمارا جو شتاب رائے کے چند مدت وقتاً
کاٹے، اور لطیفہ گوئی اور بذلت سنجی ہی میں دن رات کاٹے۔ اتفاقاً اصلاح سخن ان کو شیخ
علی قلی ندیم تخلص سے ہوا ہے۔ نظم ریختہ میں طبیعت ان کی رسا ہے۔ سلسلہ گیارہ سو چھپائی
جبری میں اس حباب کو دریا سے فنا کے تراٹھٹھا سمجھ کر آشنا بحرِ نارباقا کے ہوئے۔ بلکہ
غیلم آباد اس شیریں کلام کا مدفن ہے اور تلخی روزِ حشر تک اب وہیں مسکن ہے۔ زبان ریختہ
میں صاحب دیوان ہیں۔ غزلیں منتخب ان کے دیوان کی لکھی گئی یہاں ہیں:

شکوہ کرے ہی تو جو مرے اشکِ سرخ کا تیری کب آئیں مرے لوہو سے بھر گئی
ہستی کے خرابے نظر آتے جو عدم میں ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا
اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے پس چاہیئے تسبیح میں زنا نہ ہوتا

مجھے تو تعزیرِ دار اپنا کر گئے اپنے کہ جو شفیق تھے وہ دوست مر گئے اپنے
عبث تو ترپے ہے گنجِ نفس میں مرغِ چمن اسی ترپ میں تو یہ بال و پر گئے اپنے
مرامقام ہے اس سرز میں پہ عاریشا ادھر کو جانا ہے آخر جدھر گئے اپنے
کے تو ڈھونڈھتا پھرتا ہی ہے فحالِ تنہا

کہ اس سرا کے مسافر تو گھر گئے اپنے

شبِ فراق نہ تنہا مجھے رلاتی ہے یہ صبح وصل بھی آنسو سے مُنہ دھلاتی ہے
اگر میری زباں پر بارِ دیگر انتظار آوے ابھی رونے پہ ظالم دل مرا بے اختیار آوے
دل زلف میں اُجھا مجھے آرام ہی ہے میں صیدِ بلاکش ہوں مرادام ہی ہے
تار کی طرح کیس زلفِ بتاں سے ٹوٹے یا الہی دل بیمار بلا سے چھوٹے
ضعیف ہوں بیمار اس قرینہ سے اٹک کے آہ نکلتی ہے میرے سینہ سے
عشاق تیری گرمی بازار کر گئے اس کو گراں بہا یہ خریدار کر گئے
اٹھ چکا دل مرا زمانے سے اڑ گیا مرغِ آشیانے سے
دیکھ کر دل کو ٹر گئی مڑگاں تیر خالی پڑا نشانے سے
ہم نے پایا تو یہ ستم پایا اس خدائی کے کارخانے سے
غیر از دوی کے مانع دیدار کون ہے وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہے
بیمِ غضب رکھے ہے مجھے منفرتِ دُور گروہِ کریم ہے تو گنہگار کون ہے
جاگا نہ کوئی خوابِ عدم سے کہ پوچھتے آسودگانِ خاک میں بیدار کون ہے
میں مر گیا پہ آہ نہ پوچھا فحالِ مجھے دردِ جگر کسے ہے یہ بیمار کون ہے

۲۰۸۔ فارغ۔ دہلوی۔ ہندوئیت از شاگردانِ میاں حاتم وار

معقّدان مولوی فخر الدین۔ جوہر اوز مطلقش پیدا

اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گوہر نکلا بعد مدت کے میری حشیم کا جو ہر نکلا
۲۰۹۔ فضل دکنی۔ شاہ فضل علی۔ معاصر شاہ نجم الدین آبرو بود۔

از دوست ۲ شعر

۲۱۰۔ فضلی دکنی۔ افضل الدین خاں۔ از قدماست۔ در تعریف یکے
از شاہزاد ہائے دکن مثنوی بہ محاورہ دکن گفتہ یکت است
از انجاست :

۲۱۱۔ فرحت۔ شیخ فرحت اللہ۔ خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر مطالب کا
خون کیا ہے۔ علی ابراہیم نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ فرحت
نہایت افلاس میں رہا اور انتقال کیا۔ صرف یہ جملہ ہے کہ :
”از دہلی بہ مرشد آباد افادہ روزگارے“

بسر بردہ۔ در بعض اعیان رعایت حاش
راقم آثم می نمود۔ تا آنکہ در ہماں بلدہ ۱۱۹۱ھ
از جہاں در گزشت “ (۱۰ شعر)

(مقابلہ کر و لطف کے الفاظ)

فرحت تخلص شیخ فرحت اللہ نام۔ بیاض شاہ اسد اللہ کا۔ اولاد سے قاضی مظہر کے وہ قاضی
مظہر کو جانشین مرزا شاہ بدیع الدین مار کے تھے۔ وطن بزرگوں کا ان کے ماوراء النہر ہے
لیکن فرحت مذکور نے دہلی میں پرورش پائی ہے اور عاشق مزاجی و دل بستگی ہی میں عمر گزائی ہے

ہمیشہ بند عشق میں سلسل مویوں کے گرفتار اور سدا در عشق سے بیگاد غویوں کے یار۔
 شاعرِ کمن عشق و ہم صحبت شعرا، نامدار شاہ جہان آباد۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ
 ”یہ عزیز میرا اخلص مند تھا اور عسرت کا مور دگر نہ تھا۔ جب کہ دہلی سے مرشد آباد میں آیا۔
 اور طور سکونت کا وہاں ٹھہرایا، جو مجھ سے ہو سکتا تھا خبر گیر اس حال گاہ گاہ ہوتا تھا۔ غرض
 بہت تنگی معیشت کے ساتھ عزیز کا نباہ ہوتا تھا۔ آخر الامر ۱۱۹۱ھ گیارہ سو اکا نوے ہجری میں
 اُسی بلدے کے اندر انتقال کیا اور دارمجن سے خلاف اپنے تخلص کے بہت معزوم گیا۔ زبانِ بختیہ
 میں اُس نے بہت کچھ کہا ہے۔ یہ منتخب اُس کے دیوان کا ہے:

گزرے اگر چین میں وہ گلفزار اپنا	دیں چھوڑے کلی سے گلِ شاخسار اپنا
تایر آہ میں نے نالے میں ہے اثر کچھ	ہو دے وہ یارب کس طرح یار اپنا
جاوے کہیں بھڑک مت آتش سے ل کی مہر	رکھ دو مجھ سے دامن لے کو مبار اپنا
اُس شوخ نے یہ پوچھا فرحت سے کل کہ تو نے	اس طرح کیوں گنوا یا صبر و قرار اپنا
آنکھوں میں اشک بھر کر بولا نہ پوچھ خالم	ہرگز نہیں ہے دل پر کچھ خستیار اپنا

۲۱۲۔ فرخ، میر فرخ علی۔ از سادات اناوہ۔ بہ نجات و سلامت طبع

اتصاف دارد۔ از دست :

چشم سے نور گیتا ق سے توں جیسے صبر
 عشق میں تیرے ہوا مجھ سے جدا کیا کچھ

۲۱۳۔ فراق، دکنی مرتضیٰ قلی خاں۔ ہندوستان زاد۔ در زمان محمد شاہ
 فردوس آرام گاہ از ملازمان توپ خانہ بود۔ بعد دولت
 نواب محمد علی خاں مہابت جنگ در مرشد آباد آمدہ تہل

آں سرکارِ سترانی گردید و در اں بلده سکنے گزید و آخر کار
 بنا بر باقی زر سرکار بقید مہاراجہ شتاب رائے افتادہ
 انتقال نمود از دوستانِ مرزا محمد رفیع سودا و بارِ قسم
 آشنا بود۔ از دوست - ۳ شعر

۲۱۴۔ فراقِ دہلوی۔ میاں ثناء اللہ۔ از شاگردانِ خواجہ میر درد است
 از دوست :

دل دیوانہ معاشق کو ناصح بے نجِ راحت ہی
 جِ راحت پر مری جو سنگ ہے سنگِ جِ راحت ہی
 ۲۱۵۔ فدا۔ دہلوی۔ سید امام الدین۔ شاگردِ متضی قلی خاں فراقِ تخلصِ مرزوغیا
 و آ زادہ حال ست۔ و رحمہ نواب علی وردی خاں مہابت جنگ
 مرحوم از دہلی بہ بنگالہ وارد شدہ سکنے اختیار کرد۔ اشعار خود را
 در ۱۸۴۲ء بر اقم نمودہ از اں جملہ ایں ابیات مرقوم ست۔ شعر
 ۲۱۶۔ فرحت۔ الہ آبادی۔ مرزا الف بیگ جدا از ولایت آمدہ اہانت
 ہندوستان اختیار نمود۔ مشارِ الیہ جو انے ست فیمنہ
 بہ سپاہگری معاش می کند۔ الحال کہ ۱۱۹۶ھ ہجری ست
 اشعار خود را از الہ آباد در بنارس بر اقم حقیر فرستادہ۔ الحال
 در الہ آباد نظیر خود را ندارد۔ ایں اشعار زبدۂ افکار است۔ اشعر

۲۱۷- فدوی - دہلوی مرزا محمد علی - ذرا سے مطلب کو بری طرح

سے طول دیا ہے - ہ سطر ۴۰ شعر
یہ چھوڑ دیا ہے ”بار اقم آشناست - اشعار منجہ خود را
نہا بر این کہ در تذکرہ اثبات یابد فرستادہ بود۔“

فدوی تخلص، میرزا محمد علی نام، معروف میرزا بھو، متوطن تھے اُس آجڑے لکڑی کے
جو کہ مشہور شاہ جہاں آباد کے نظم ریختہ میں استاد ہے - تلاش معنی میں فکر سار کھتے تھے
اور بیان حسن میں دل درد آشنا - علم موسیقی ہندی میں مناسبت بہت درست اور تان کی
سستی اور حتی کے جانے میں نہایت چالاک و چپتا - چند روز آنھوں نے اوقات فرشتہ آباد
میں بسر کی ہے - لیکن اس سیر و تماشے کے ساتھ جو کہ وضع اہل نظر کی ہے - آخر شہر عظیم آباد
میں سکونت کا اتفاق ہوا - تو دوضیع و شریف اس شہر کا ان کا مشاق ہوا - فدویت میں
معارف آگاہ شاہ گھیسٹا کے حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت سے اُس عرفان پناہ کے
لسب علوم ظاہری اور باطنی کا کرتے تھے - چنانچہ اُسی شہر میں اس کمین رباط مسافر کش
ہستی سے دل اٹھایا اور ایوان مہمان دوست عدم میں اسباب سکونت کا بھجوا یا - زبان ریختہ
میں شاعر شیریں بیاں ہے، یہ اُس کا منتخب دیوان ہے؛

گر خاک پہ میری کبھی لے یار گزرنا مت بھول کے ہر گز مع اغیار گزرنا
ایسا نہ ہو رندوں کی گز کہ ہو کہیں منڈیل میخانہ سے لے شیخ خبر دار گزرنا
ضد دیکھو خواہاں کی کہ اک آن کی خاطر مرجائے جو عاشق تو نہ زہنسا ر گزرنا
اُس بوٹے تصدق ہیں کہ اُس گل کی گل سے ہے باد صبا کے تیس سو بار گزرنا

کل یار کے کوچہ کی طرف گزرے گا فدوی
مت آج سے تو اُس طرف اغیار گزرنا

ہم کو تو جہاں سے نہیں لے یا رگزرنا پر تو بھی جہاں سے نہ ستمگار گزرنا
 تجھ کو انہیں آنکھوں کی قسم تیرنگہ ہے ملکوں کو بچا سینے کے تو پا رگزرنا
 جب یار کے آگے سے چلے قافلہ دل کا لے اشک تو ہو قافلہ سالار گزرنا
 گر نیک و چا تم نہیں جاتے تو نہ جاؤ ہے مجھ کو تو اس کو چہ سے لاچار گزرنا
 شاید نظر آ جائے کہ جو در پہ تو سوبا
 فدوی کے تیں ہو پس دیوار گزرنا

وہ کافر ہماری شب تار ہے جسے دیکھنا مہر کا عار ہے

۲۱۸- فدوی - لاہوری - مروے بود بر خود غلط، برائے مباحثہ
 از مرزا محمد رفیع سودا بیخ آباد آمدہ و ذلت کیشدہ
 بوطن خود برگشت - یوسف زینجا بزبان ریختہ گفتہ و
 میر فتح علی شیدا - در ہجو او قصہ بوم و بقال ضبط نمود -
 از دوست - ۲ شعر

۲۱۹- فخر - میر فتح الدین خلف اشرف علی خاں تذکرہ نویس - از
 شاگردان مرزا محمد رفیع سودا است - الحال کہ
 سال ہزار و صد و نو دوشش ہجری است در کھنڈ بسر
 می برد از دوست :

بات کیجئے غیر سے اور ہم سے منہ کو موڑیئے
 ملک خد سے ڈر کے ان صفوں کو اپنی چھوڑیئے

- ۲۲۰۔ فروغ۔ میر علی اکبر از تلامذہ میر شمس الدین فقیرست۔ بفارسی ہم
شعری گوید و در طبابت و نجوم نیز دخلے دارد از د۔ ۴ شعر
- ۲۲۱۔ فیض۔ دہلوی میر فیض علی۔ فرزند و شاگرد میر تقی میرست۔
بہ سال یک ہزار و یک صد و نو دوشش ہجری اشعارش
در بلدہ بنارس از لکھنؤ طلبیدہ تحریر شد۔ ۸ شعر۔
- ۲۲۲۔ فریاد۔ لالہ صاحب رائے ولد لالہ سندھیل۔ قوم کایتھ، ساکن
لکھنؤ از شاگردان میر سوزست۔ بیشتر قربان تخلص
می نمود و الحال تخلص بہ فریادست و در سنہ ۱۱۹۶ ہجری
ابیات او از لکھنؤ طلبیدہ اثبات یافت۔ ۴ شعر

حرف القاف

- ۲۲۳۔ قائم۔ شیخ محمد قائم۔ قائم کے کلام کی نسبت اپنی رائے کا
اور سنہ وفات وغیرہ کا بھی اضافہ کیا ہے (۱۰ سطر شعر)
- قائم تخلص شیخ محمد قائم نام متوطن چاند پور ہند کے۔ نظم ریختہ میں استاد
مسلم الثبوت تھے۔ سادہ طبع بلند اور ذہنی رساکے موصوف، معقول تراشی اور معنی بندی
میں معروف کہتے ہیں کہ ابتدائے مشق میں مشورہ سخن کا انھوں نے خواجہ میر درد تخلص
سے کیا ہے، اور آخر سخن کسبجی میں اتفاق اصلاح کا ان کو میرزا محمد رفیع سودا سے ہوا
سچ تو یہ ہے کہ بعد سودا اور میر کے کسی ریختہ گو کی نظم کا نہیں یہ اسلوب ہے۔ قائم قائم کو

تو طور گویائی کا اس سخن آفریں کے نہایت مرغوب ہے۔ طوطی کو اتر تلخ گفتاری کا سامنے اُس شیریں مقال کے، اور خامہ مانی کو اظہار فرسودہ زبانی کا رد و برد اُس نازک خیال کے۔ صفاتے بندش سے اُس کی آمینہ کو طلب صفائی دام اور نجات سے اُس کلام رنگین کے گل کو شکستہ رنگی سے کام۔ آبداری اُس نظم صفا پرور کی رشک افزا آب گوہر کی، اور موج زنی اُس طبع معنی خیز کی حسد انگیز چشمہ کو شرکی۔ افسوس ہے ایسے شخص کا اس جہان فانی سے اٹھ جانا اور داغِ حسرت سے دلوں کو اربابِ فہم کے جلانا۔ اُس عندلیب شاخسارِ سحر بانی نے شاید ۱۲۱ بارہ سودس ہجری میں، اُدھر ہی نواحِ وطن میں اپنے، اس دارِ فانی سے سیرِ عالم باقی کی کی۔ اور عجب طرح کی ایذا جان کو اہل معنی کے دی۔ اگرچہ اقسامِ نظم میں کوئی قسم اُس شیریں کلام سے نہیں رہی ہے، لیکن رغبتِ طبیعت کے ساتھ غزل اور مثنوی بیشتر کہی ہے۔ دیوان ان کا بھرا ہوا اشعار اربابِ دار سے ہے، یہ ان کے منتخب افکار سے ہے:

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اکِ حباب کا	اٹھ جائے گریہ بیچ بڑ پودہ حجاب کا
درِ دل کچھ کہا نہیں جاتا	آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نام	کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
یہ کیوں تو فائدہ کہ ہے پیغامِ اسی کا	پر دیکھو لینا نہ کیس نام کسی کا
خواب کی طرف رکھنے کا بندہ ہوں میں	مٹے ہیں تئیں نام ہے بنام کسی کا
بنی بھو دوں سے ڈرا چلے گئے کہ گتے ہیں	گرے ہے کاٹ سر وہی سے بیشتر اونا
جب تک کہ ہے تو ہم ہیں ترے ساتھ ہمیشہ	جوں موج کہ نت لاندہ ہے آبِ رواں کا
عمدہ سے اُس صنم کے برآیا نہ جائے گا	یہ ناز ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
کعبہ اگر جو ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ	کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
ہم نے ہر طرح تیرے ہجر میں دل شاد کیا	بچکی گر آئے تو سمجھے کہ ہمیں یاد کیا

کہاں ہے شیشہ سے مختسب خدا سے ڈر
 دل پاک کے اُس کی زلف میں آرام رہ گیا
 مری بغل میں جھلکتا ہے آبدل کا
 درویش جس جگہ کہ ہوئی شام رہ گیا
 میں اس چمن سے اور یہ مجھ سے چمن گیا
 شہسب تو ساتھ خسرو کے گردِ ذوق سے معاش
 عالم تو میری سادہ دل پر تو رحم کر
 روؤں گا زیرِ سایہ دیوار بیٹھ کر
 زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
 خوب نکلے ہم اُس کے کوچہ سے
 ایک خالی سی کچھ لگے ہے بغل
 بھلائے ابرِ مرگاں اب تو بس کر
 بے شغل نہ زندگی بسر کر
 کچھ طرہ مرض ہے زندگی بھی
 کیوں کیا مجھ کو تو صیادِ گرفتارِ نفس
 جب موج پر اپنی آگئی چشم
 اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
 ہاں کیوں نہ ملیں گے تجھ سے ظالم
 آزرده ہو غیر سے لڑو یہاں
 ایسا ہی جو دن نہ رہ سکے گا
 جوں چاہیے چاہ کا سرشتہ
 نہ دل میں آب ہو نہ نم رہا ہے آنکھوں میں
 میں مچکا ہوں پہ پیرے ہی دیکھنے کے لئے
 مری بغل میں جھلکتا ہے آبدل کا
 درویش جس جگہ کہ ہوئی شام رہ گیا
 میں اس چمن سے اور یہ مجھ سے چمن گیا
 شہسب تو ساتھ خسرو کے گردِ ذوق سے معاش
 عالم تو میری سادہ دل پر تو رحم کر
 روؤں گا زیرِ سایہ دیوار بیٹھ کر
 زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
 خوب نکلے ہم اُس کے کوچہ سے
 ایک خالی سی کچھ لگے ہے بغل
 بھلائے ابرِ مرگاں اب تو بس کر
 بے شغل نہ زندگی بسر کر
 کچھ طرہ مرض ہے زندگی بھی
 کیوں کیا مجھ کو تو صیادِ گرفتارِ نفس
 جب موج پر اپنی آگئی چشم
 اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
 ہاں کیوں نہ ملیں گے تجھ سے ظالم
 آزرده ہو غیر سے لڑو یہاں
 ایسا ہی جو دن نہ رہ سکے گا
 جوں چاہیے چاہ کا سرشتہ
 نہ دل میں آب ہو نہ نم رہا ہے آنکھوں میں
 میں مچکا ہوں پہ پیرے ہی دیکھنے کے لئے

میں کہا اعد کیا کیا تھارات _____ نہیں کے کہنے لگا کہ یاد نہیں
 لگا ہوں سے نگاہیں سامنے تھے ہی جب لڑیاں _____ یکایک کھ گئیں دونوں طرف سے دل کی پھر کلیاں
 جب اُسے غیر سے ہونپن کھلانے کا شوق _____ سرور کے واسطے بھیجے ہے صفحاں مجھ کو
 راہ کے بیچ جو رکھتا ہوں اُسے گھیر کبھو _____ بنس کے کہتا ہے کہ اب چھوڑ مجھے پھر کبھو
 اتنی لے دیدہ دل مجھ پہ نہ بیدار کرو _____ دیکھیں کیا ہو دے خدا کو تو ملک اک یاد کرو
 کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھ کو _____ پنٹ بٹنگ کیا تو نے لے میاں مجھ کو
 تو اپنے واسطے باغیاں نہ کاوش کر _____ پنٹ ہے سایہ دیوار گلستاں مجھ کو
 جو کہ چھلیں تھیں ہو گئے گئیں دیوار کے ساتھ _____ سر ٹپکنا ہی پڑا اب درد دیوار کے ساتھ
 ایک ہم فارغ تھے آنکھوں میں سبھی کے سوچنے _____ بلبلو خوش رہو تم اب گل دگلزار کے ساتھ
 یہاں ہوں دیوانہ سدا کا نہ مجھے قید کرو _____ جی نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
 تمہی ٹھہرے مجھے اُس سے تو اک رات بسے کی _____ کیا ہے کہ دل اُس زلف سے ہرگز نہ بھڑ آیا
 تیغ چڑھ اُس کی سان پر آئی _____ دیکھیں کس کس کی جان پر آئی
 دہن کو تیرے پایا بات کہتے _____ ہماری جزری میں کیا سخن ہے
 دل ڈھونڈتے سینہ میں مرے بولے بھی ہے _____ یاں راگھ کا اک ڈھیر اور اک آگ ڈبی ہے
 میں جانا ہوں کعبہ سے اب دیر کو _____ بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے
 مرد دنیا دشوار میں یہ حال بے نصیر ہے _____ حسرت دل سو طرف سے اُس کی دہلیز ہے
 قتل کرنے سے مرے تو بھی ہوا کچھ منغل _____ غزن آباد شرم میں اب تک دم شمشیر ہے
 مرجائے کسی سے پہ آفت نہ بھیجے _____ جی دیکھے تو دیکھے پر دل نہ دیکھے
 مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے _____ جو گزرے ہر مجھ پر خدا جانتا ہے
 یاس میں تجھ غم کے میں اپنی بھی غم خواری نہ کی _____ دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنہگاری نہ کی
 دم بدم اس رنجش بجا کو کیا کہتے ہیں شمع _____ دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنہگاری نہ کی

بعد خط آنے کے اس سے تھا وفا کا احتمال
 ایک ہاں تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی
 دل مرا دیکھ دیکھ جلتا ہے
 سمیع کا کس کا دل پگھلتا ہے
 گندمی رنگ جو ہے دنیا میں
 میری چھاتی پہ مونگ لٹا ہے
 ہم نشیں ذکر یار کر کچھ آج
 اس حکایت سے جی بہلتا ہے
 گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے
 کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے
 زاہد در مسجد پہ خرابات کی تو نے
 جی بھی یہی چاہے تھا کرامات کی تو نے
 ایدہ مرتو میں نالاں ہوں ادھر غیر نہ جانیں
 اب کس سے مری جان ملاقات کی تو نے
 مرا جی تجھ کو کیا پیسا را نہیں ہے
 پر اتنا بھی تو ناکارہ نہیں ہے
 بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم
 مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے
 کیا ہی کھڑا ہے یہ کہ جس کے حضور
 آئینہ کشی قلمی ادھڑتی ہے
 قائم آیا ہے پھر وہ بن ٹھن کر
 دیکھیں کس کس کی یاں بگڑتی ہے

رباعی

کیا پشیم ہو دنیا کہ یہ ارباب نعیم
 بے قرب کریں ہم کو دکھا کر زردسیم
 مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجئے سجدہ
 محراب جو خم نہ ہو براے تعظیم

شعری برودیہ

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
 صبح نکلے ہے کانپتا خور شدید
 ان دنوں خسیخ پر نہیں ہو مہر
 گود میں کانٹا ٹوٹی سکے ہی سپر
 پانی پر جس جگہ کہ کالی ہے
 سبز وہ شال کی رضائی ہے
 دن کی گشتی ہو دھوپ میں اوقات
 کالے کمل میں رات کا ٹپ ہے رات
 چرخ کی اطلسی قبا ہے ہمیش
 نہیں یکمکناں ہے دانائش

ندی پر آ کے بیٹھے جو بگلا
 برف کو چوں میں یوں پڑی ہوا
 کمرے کو دیکھ کہتے تھے سب یار
 پر جو دیکھا ہے غور کر میاں پ
 باد چلتی ہے بسکہ تداور سخت
 گرچہ سرما سے خاص عام ہیں شل
 پیٹے رہتے ہیں روئی میں مجبور
 جا کے حلوانی کو جو دیکھو کہیں
 برنی چھٹ کچھ دکان میں اس کے نہیں
 قالم اب سردی کا ہے یہ مذکور
 شعر ہو گر خاک تو رکھ معذور

مخمس

شیخ تو نابود ہووے یا تراپندار نیست
 تیکہ دیراں ہوں یا ہوں برہمن کیا نیست
 کام کیا ہے مجھ کو گوہل اہبے دیدار نیست
 کافر عشقم مسلمانی مرادر کار نیست
 ہر رگ من تار گشتہ حاجت ز تار نیست
 عاشقوں کے رونے کی کچھ اور ہی ہوتی ہے جھن
 دیکھ ہم روتے ہیں سخت دل جو جی چاہے تو چن
 ہم نہ کہتے تھے تجھے ظالم کہ آہ بات سن
 ابرار بادیدہ گریان من نسبت مکن
 نسبت باریدگی دارد دوسے خونبار نیست

رباعی

دیکھ حال مرا آٹھا کے سو سو ہیلے
 ساتھی بھاگے ہر اک طرف کو جی لے
 کتنی تھی جو کفش میں نہ چھوڑوں گی قدم
 سو اس کے بھی ہو چکے ہیں کتنے ڈھیلے

۲۲۴۔ قبول۔ عبدالغنی بیگ موطنش کشمیر۔ از مشاعر شاعر فارسی است
ریختہ بطور تفسیر می گفت۔ از دوست۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا بیگمی ہی پیر منعم کا

۲۲۵۔ قدر۔ دہلوی۔ محمد قد۔ بعد دولت محمد شاہ فردوس آرام گاہ
از دام ننگ و نام رستہ دل باو باشی و بے قدری بستہ بود
از دوست (۲ شعر)

۲۲۶۔ قسمت۔ این مطلع بنام او منسوب است و احساس معلوم نیست؛

زمین پرست پٹک اس کو نہ یہ سنگ نہ گل ہی (؟)

وے لے بے مروت یہ کسی کم بخت کا دل ہی

۲۲۷۔ قلندر۔ لالہ بدھ سنگہ۔ گوئید بریکے از ارباب طرب عاشق بود
وہ علت عشق از ملت خود برآمدہ قلندرانہ بسر می برد۔

از دوست۔ ۴ شعر

۲۲۸۔ قربان۔ میرجویں۔ از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا۔ نوجوانی بود

در زمرہ سپاہیاں معاش می کرد۔ ناگاہ در فیض آباد میان

فوج انگریزی افتادہ و از بدعت آں جماعہ غیر از جاں دادن

چارہ نہانستہ مردانہ خود اہکشتن داد۔ از دوست۔ (۴ شعر)

۲۲۹۔ قناعت۔ لاہوری۔ مرزا محمد بیگ ولد حسن بیگ۔ از شاگردان

مرزا جعفر علی حسرت ست۔ در نیولا کہ ۱۱۹۶ھ ہجری باشد
 مشارع الیہ در لکھنؤ می گزرا ند۔ ایں ابیات از انجا طلبیہ تحریر
 نمودہ شد۔ ۲ شعر

۲۳۔ قدرت۔ دہلوی شاہ قدرت اللہ۔

علی لطف نے ایک اضافہ کیا ہے یعنی صرف تاریخ وفات کا
 جس کو غلطی سے واوین کی عبارت میں رکھا گیا ہے۔

(۷ سطر ۱۲۵ شعر)

قدرت تخلص، شاہ قدرت اللہ نام ساکن شاہ جہان آباد کے مشہور سخنوروں میں
 تھے۔ رشتہ دار تھے میر شمس الدین فقیہ کے۔ صاحب مذاق تھے چاشنی درد و تاثیر کے
 نظم ریختہ میں ذہن رسا رکھتے تھے۔ خاطر سخن گستاخ اور طبع معنی آشنا رکھتے تھے۔
 طرز مضمون آفرینی سے ماہر، اور اک منکسل و بر شنگی کلام سے ان کے ظاہر۔ اکثر فکر
 اشعار فارسی کی بھی کرتے تھے، لیکن نظم ریختہ پر مرتے تھے۔ تازہ کرنے میں مضمون کے
 اپنے ہم عصروں میں ممتاز، اور صفائی کیس بندش کی نازک خیالیوں سے ہند کے
 و مساز تھے۔ وارستہ مزاجی کے یار، اور آزادہ حالی سے سروکار۔ ایک مدت سے
 دلی کو چھوڑا تھا اور دار درمشاہ آباد تھے، اکابر اور اغزد اس شہر کے سب ان سے
 برسر عنایت و ایداد تھے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ مجھ سے ان کو اخلاص اور
 اتحاد تھا۔ واقعی عزیز اپنے طور کا استاد تھا۔ شاید ۱۲۰۵ھ بارہ سو پانچ ہجری میں اسی
 بلدے کے اغدا انتقال کیا۔ اور طبع کو صاحب طبعوں کے حد سے زیادہ پُر ملاں کیا۔
 دیوان میں اسی صاحب قدرت کے ہر قسم کے اشعار ہیں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب
 اشعار ہیں۔

ہنگامہ پر ہمیں زور و رعب اب بسر آیا
 کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں سے گرتے
 لے بادہ کنش مژدہ کہ پھر ابر تر آیا
 شاید تہ فرگاہ کوئی نختِ جگر آیا
 غفلت میں کئی شام جوانی تری حیف
 ترے حضور میں جب قصدِ عرض حال کیا
 ہجو مگر یہ نے میری زباں کو لال کیا
 میں داغِ تازہ میں توڑے یہاں تک نہ
 کہ ایک بدر کا کاسہ پُر از ہلال کیا
 ہو اے اُس کے گلوس گروہ دمِ اعجاز
 ترے لبوں نے میحائے کیا سوال کیا
 ٹوٹی کمنڈِ نخت کا وہ زور رہ گیا
 جب بامِ دوست ہاتھ سے کچھ زور نہ کیا
 اوپر سے زخمِ گریہ ہرے ہو چلے فے
 ناسور تھا جگ میں سونا سورا رہ گیا
 مدتوں سے رنزدل یہاں جو نت مسدود تھا
 اک زرا گھولا تو دیکھا خانہ پُرود تھا
 کبریا کی کا جو دیکھا میں نے جس جا پر ظہور
 اپنی اپنی حد میں جو پشہ تھا اک فرد تھا
 حالِ قدرت پوچھتا ہوں کچھ تو ظالم مجھ سے سن
 اُس کے بایں پردہ کا آج ہی موجود تھا
 آہ جو اٹھتی تھی دردِ دل سے تھی لپٹی ہوئی
 اشک جو گزرتا تھا سو نختِ جگر آلود تھا
 بتابوں سے یہ دل بیتاب رہ گیا
 اپنی تپش میں حل کے یہ سیاب رہ گیا
 آنسو تھے ہیں پر نہیں سوکھی ہی چشم تر
 دریا اُتر گیا ہے پر گرداب رہ گیا
 ہم پر ایامِ مصیبت آج پھر آنے لگا
 یار گھر جانے لگا لے داے گھر جانے لگا
 جب میحائے سخن جاں ہوں تو کب ہو زندگی
 کون رہ بیتاب کے جب خضر بکا نے لگا
 بھلو غفلت نے خبرِ ایامِ فرصت کی نہ دی
 آہ جب جاتے ہے دن تب میں بچھانے لگا
 کب تک لے نالہ زیر لب رہیں گا تو گرہ
 حوصلہ باقی نہیں بس جی تو گھبرانے لگا
 دل سدا سینہ میں جلتا ہی رہا
 نختِ دل آنکھوں سے ڈھلتا ہی رہا
 تو نے گو مجھ کو دلائے میں رکھا
 جی مرا تو بھی تو گھلتا ہی رہا
 دل ہوا سیرِ زلفِ سیہ فام رہ گیا
 صیدِ صیغف مر کے تیرا دام رہ گیا

جب دیکھتا ہے مجھ کو تو دیتا ہے گالیاں اپنے نصیب کا یہ ایک انعام رہ گیا
 آگے نہ چل سکا ترے کوپے کو چھوڑ کر خورشید جاگے تا بہ لب بام رہ گیا
 قدرت کس آسرے پہ کٹے گی یہ زندگی
 آنے سے اب تو نامہ و پیغام رہ گیا

آتش فروز دل ہے تاحن شعلہ رود کا ہر اشک ہے شرارہ ہر آہ ہے بھوکا
 دھونڈے ہو پاس اب کیا سینہ میں غمزدن کے مدت سے لٹ چکا یہاں سامان آرزو کا
 کشتہ ہوں جانِ دل تیرے خدنگ کا میں بحرِ کماں میں ہے گا پیاسا مرے لہو کا
 تشنابِ مرے انتِ صبح دمِ شمشیر کا لے خودِ ناز کچھ بھی فکر اس خمپیر کا
 خوابِ غفلت لے گئی تھی ان دنوں دل کو ابھی آہ پھر کس نے یہ چھڑا سلسلہ زنجیر کا
 رنگِ خونِ تشنگاں جس جلے اڑ سکتا نہیں ہوں اسیرِ ناتواں آسِ خاکِ امن گیر کا
 گھرے جس وقت وہ غارت گزریاں نکلا کفرے گبر گیا دیں سے مسلمان نکلا
 وہ دل جمع کر آ تھا جو بعل سے اپنی تو بہ زیرِ شکن زلفِ پریشاں نکلا
 اس چشم سے ہو کے آب نکلا سینے سے دلِ خراب نکلا
 جو نالہ جگر سے پار نکلا لے سیخ پر اک کباب نکلا
 خط آیا دے ہمارے خط کا منہ سے نہ ترے جواب نکلا
 بیتِ الحزن میں شب کو ترا انتہا تھا کھٹکا ہر ایک دل کا مے جی کے پار تھا
 ایدھر بھی ایک بار جہاں کی عشاں کو پھیر دل ہے خدنگِ دستِ جگر یسناں طلب
 دستِ بدِ ظلم سے تیرے ہیں جتنے ہم خراب اس قدر بھی ہوئے گا عالم میں کوئی کم خراب
 زخم سے دل کے ابھی لے چارہ گر ہنسیوں مت ڈوبو بے فائدہ پھائے نہ کر مرہم خراب
 کھڑے رونا کھڑے سر کو پٹکنا خوشِ ایامِ اوقاتِ محبت
 ہرزہ گردی سے رہائی کے چھسٹا پھر مجھے زنداں میں لے زنجیر کھینچ

جانی ہے وابستہ اس بیکان کے ساتھ میرے پہلو سے نہ اپنا تیسر کھینچ
 زرا نفس سے نفس تو لا کے رکھ صیاد کرتا اسیر کریں مل کے ایک جا فریاد
 جہاں نظر پڑے پاؤں تلے طے کاغذ سمجھ کے نامہ مرا ہاتھ میں نہ لے کاغذ
 میں کیوں کہ اس کو نگہوں خط جب شکوہ ہے یہاں ادھر چلے قلم اور اس طرف گلے کاغذ
 کسے جز خون دل مینا نہ میں منظور رسا مری آنکھوں میں تجھ بہ دیدہ ماسور ہر سا
 آہ روئے پاک تیرا کس طرح آوے نظر سخت دل جب چھارہ ہو دیدہ ہمناک پر
 یہ دل شوریدہ جب سے ساتھ ہے زیر زمیں شورِ محشر ہی رہا قدرت کی مشت خاک پر
 تجلی جلوہ چاہے تو صفائے سینہ پیدا کر اگر دیدار کا طالب ہے تو آئینہ پیدا کر
 ہے نالہ شام آتش و آوِ سحر آتش کیا زیت ہو اپنی ادھر آتش ادھر آتش
 جز داغ تدارک نہیں اس داغِ جگر کا آتش کے جلے کو نہ کرے یہ جگر آتش
 پھاہے کو اگر داغ سے چھاتی کے چھڑاؤں خاشاک کے پہلو میں چھپے آن کر آتش
 چل بے دنیا سے بن دیکھے ترا دیدار حیف لے چلے حسرت بھرا یہاں سے دل افکار حیف
 جرم پر تیری محبت کے ہیں کرنے میں قتل حفظ جاں کے واسطے گر کیجئے انکار حیف
 مرگ پہلی ہی جب تک آئے فراق ورنہ کیا جانوں کہ سر پہ کیا بالائے فراق
 زخم پہلنے نہ پانی آہ دلِ ناکام تک حیف پہنچا ہے نہ اپنا کارِ شوق انجام تک
 صبح کے ہوتے ہی ہو دے جس کی یہ حالتیہ آہ وہ بیچارہ پھر جیوے گا کیونکر شام تک
 کر چکا ہے کام اپنا یہاں تو دردِ انتظار جب تک پہنچے ہی قاصد اس بتِ خود کام تک
 ہم نہ کہتے تھے کہ قدرت مت چمن کی راہ چل
 لے گئی آخر ہوائے گلِ شکنجہ دام تک

رنگ کچھ اور ہی بدلتا ہے مرا بیتاب دل ہے گھڑی آتش کا پر کا لہ گھڑی سیما بُل
 گرے تھے آگے اس در پر سمجھ کر اپنا ماں ہم اگر تو ہے نہیں رضی تو جاوین آہ کس کن ہم

ہوا یوں پھر گئی اس بزم کی اپنے نصیبوں سے
 گئے جلتے ہیں اور سب دست تیرے ایک دشمن ہم
 شبِ بھول کو قدرت اس طرح ہم رو کر تے ہیں
 کبھی سر کو ٹپکتے ہیں کبھی کرتے ہیں شیون ہم
 جوں نقشِ قدم ہیں ترے دے خاک نشین ہم
 تامت نہ چلیں آپ سے چھوڑیں نہ زمین ہم
 نسبت ہے ہماری تری جوں سایہ خورشید
 جس جانیں تو ہم ہیں جہاں تو ہی نہیں ہم
 گئے وہ دن کہ پلک ناستے یاں دریا ہے
 اب بعد خونِ جگر چشم کو تر کرتے ہیں
 تیرے جاں سوختہ خورشیدِ قیامت کے تیش
 ہر سحرِ پنہ ناسورِ جگر کرتے ہیں
 یہ علاج اور ہی زخموں پہ اثر کرتے ہیں
 اب رو ترے کہتے ہیں کہ میں تیجِ دوسرہوں
 عاشق کا یہ دعویٰ ہے کہ میں سینہ سپر ہوں
 شاید دنیا نہ سزاوار ہوں دیں کا
 لے دے میں قدرت نہ ادھر ہوں اور نہ
 دل سے کہاں نے کہ سینہ میں یاں رہوں
 نادک یہ پوچھتی ہے بھلا میں کہاں رہوں
 قدرتِ بزرِ خاک بھی آرام کب ملے
 یہ دردِ داغ ساتھ ہی مرے جہاں رہوں
 آگ آس داغ کو لگیو کہ نک سود نہیں
 پھوٹے وہ آنکھ جو تختِ جگر آلود نہیں
 مر جا آتشِ دوری کہ جلا یا ایسا
 جل بجھے سر سے لے پاؤں تلک اور دوس
 زخمِ بزرِ خم لگے تب ہو تسلی دل کی
 جو صلے پر مرے اک زخم کچھ افز و دہن
 شام کو دھوتا ہوں سو خونِ جگر سے آئیں
 صبحِ خون آلودہ ہے چہرِ چشم تر سے آئیں
 تو بھی کم ابر ہمارے سے نہیں لے چشم تر
 کر دے اب رشکِ جن خونِ جگر سے آئیں
 تختِ دل اور اشکِ ہر گز خاک پر گرنے نہ دے
 بھر لے قدرت تو اس نعلِ دگر سے آئیں
 جنوں تیرے ناخنِ مگر گھسن گئے ہیں
 کہ عقدہ پڑا ہے بکارِ گریباں
 ٹپکنے لگے اشکِ گلگوں مڑھ سے
 پھر آئی ہے فصلِ بکارِ گریباں
 قافلے کے خالف اس راہ میں جوں نقشِ قدم
 ہو گئے پامال تیرے حسرتِ پابوس میں
 نہ کہ مرہم سے دلِغ سینہ پر نور کو
 کوئی بچاتا ہے ارے ظالم چراغِ نور کو

داغ نے دل کو مرے تنہا نہ چھوڑا اک دم
تب مراد یوںے کا قدرت زخم سینہ پر تک
زخم سینہ سے سدا الفت رہی ناسور کو
دے سرِ ناخن سے پہلے تہشتی انگور کو
نہ دے بربادلے ظالم غبارِ خاکساراں کو
گر یاں ڈھونڈے ہی دامن کو اور امن گریباں کو
ہوا دستِ جنوں سے تار تار از بک پہرین

تم نے تو منہ چھپایا آس زلفِ غنبرین
میں رکھا ہے ابرو دکاں کے نشان کو
پیشام غم ہماری اب کس طرح بسر ہو
ہما چھپر یومت مرے استخواں کو
گلو گبر ہے یاں تک ناتوانی
اڑائی زبس خاکِ ماتم میں دل کے
نوح کشتی سے خبردار کہیاں چھاتی سے
مریم تازہ ناسور کہن چھوٹے ہے

کس کی نیرنگی یہ برقی خاطر مایوس ہے
ممبر و طاقت تو کبھی کے کوچیاں سے کر گئے
جو شہرِ دل سے اٹھا سو جلوہ طاؤس ہے
اب ودلعِ ننگ ہی اور رخصتِ ناموس ہے
کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
سننے ہی عبرت یہ بولی اک تماشائیں تجھے
چل دکھاؤں تو کہ قیدِ آرزو کا مجھوس ہے
جس جگہ جانِ مت سوسو طرح مایوس ہے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیلاؤس ہے
کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و فوس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و کنتِ دنیا سے آج

کل تو قدرت پائے خم رکھتے تھے تسبیحِ ریا

آج رہن جامِ مے پھر خسر قہ سالوس ہے

سینہ اُس کا ہر دل اُس کا ہی جگر اُس کا ہے
نختِ دل نوکِ فرو پر نہ سمجھ لے ہم دم
تیر بیدادِ جبرِ رخ کوے گھر اُس کا ہے
تخمِ غم دل میں جو بویا تھا ثمر اُس کا ہے
نہ تھی تابِ نگ جب لگ گیا وہ دور آنکھوں سے
نہ ہوا چشم کا بہتر تھا ایسی کو ر آنکھوں سے

جہاں جاوے وہ نوید دیدہ آنکھوں کے مقابل ہے
 جہاں جاوے نہیں جاوے نہ کو دور آنکھوں سے
 زبان قدرت کی فصیح ہے ازبے کفایت
 اشارت بات کی کرتا ہے جو نہ آنکھوں سے
 کراقم قناعت کا سفر تا تجھ پہ روشن ہو
 کہ چشم مور سے بھی تنگ تر ملک سیماں ہے
 لب قدرت سے جز فریاد کچھ ریزش نہیں کرتا
 یہ کچھ شاعر نہیں ہی اپنے دل کا مریہ خواں ہے
 نہ واقف کارواں سے ہوں کچھ آگاہ منزل سے
 کیا میں ادی الفت کو طے افک جنش دل سے
 گئے دس دن کہ بستے تھے پڑے نالے آنکھوں
 سر مرزاں تنگ لک اشک آب تازہ شعل سے
 کرے توجیع جب تنگ اور کو یہ مفت مہر ہے
 نہ ہوا غافل اسے صیاد صید نیم بسمل سے
 قیمت بوجھنے کو کہ یہ عالم اک انہوں ہے
 کہ مرزا د شیریں ہے کہ مرلیلی و مجنوں ہے
 تو کیا سامان پوچھے کہ تجھ بن کیونکہ گزرے ہے
 یہ سر ہے اور زانو آتیش اور چشم پر خون ہے
 آسان نہ کٹے گی یہ جدائی کی جو شب ہے
 شعل ہے قیامت ہے مصیبت ہے غضب ہے
 دل پرداغ ہے اور حسرت پا بوسی ہے
 دست آمید ہے اور امن یا بوسی ہے
 دل گم گشتہ خبردار کہ یاں سینہ میں
 تیر بیداد سدا درپے جا بوسی ہے
 دم جاں بخش کی اس کے جو پری ہی یہ دھوم
 لب عیسیٰ نے مگر تیری زباں چوسی ہے
 جس جگہ جملہ ترایہ بد ہوشی ہے
 یاد میں اپنے اگر ہے تو فراموشی ہے
 آہ یہ کون سی منزل ہے کہ رکھتے ہی قدم
 نقش پا سے مرے سجدہ کو ہم آغوشی ہے
 سرگشتہ ترے لئے جہاں ہے
 لے خانہ خراب تو کہاں ہے
 جو زخم کہ ہو چکے نہ ناسور
 وہ زخم نہیں وہاں جاں ہے
 قدرت ملک کھول چشم عبرت
 گریں کیر سرائے رنگاں ہے
 جو نقش قدم ہے اس زمیں پر
 آئینہ حال رہرواں ہے
 اشک اب آنے سستی کچھ تھم رہے
 سخت دل فرگاں پہ شاید جم رہے
 اب تو اس منزل سے نہیں اٹکتے قدم
 ہر ماں آگے چلو تم ہم رہے

ہر آن اک ستم ہر لحظہ ایک جفا ہی کوچہ تراہی ظالم بادشتِ کربلا ہی
مٹانیں کسی سے اس پر ہی کیا نصیبت یارب یہ دل ہمارا کس سے جدا ہو گیا
ہو گردِ باد حیدر ہم کو اُدھر ہے جانا محل میں گم رہوں کا یہ خضر رہنا ہے

حرف الکاف

۲۳۱۔ کلیم - دہلوی شیخ محمد حسین - کوئی اضافہ نہیں۔ علی ابراہیم نے یہ
کبھی نہیں لکھا کہ ”باوصف اس خوش گوئی کے کلام مشہور

بہت کم رکھتا ہے“ یہ لطف کا اضافہ ہے۔ ۵ سطر شعر
کلیم تخلص - شیخ محمد حسین نام۔ شاہ جہان آبادی مشہور سخنور ہے دلی کا اور قراتیوں میں میر تقی
میر تخلص کے تھا۔ ایک سالہ عروض وقافیہ کا اس نے زبانِ ریختہ میں لکھا ہے۔ اور فصوص الحکم کا
ترجمہ بھی زبانِ ہندی میں کیا ہے۔ ایک نثر اور بھی رنگین زبانِ ریختہ میں ریختہ قلم معنی رقم رکھتا
ہے۔ لیکن باوصف اس خوش گوئی کے کلام مشہور بہت کم رکھتا ہے۔ عہد دولت میں احمد شاہ
بن فردوس آرام گاہ کے ایام اس کے شعر و شاعری کا تھا اور زفر مرید ازان شاہ جہان آباد
کے ساتھ ہم صغیر و ہم نوا تھا۔ چنانچہ دلی ہی میں اس خرابہ دار فانی سے گزرا اور مقیم بیت المعمور
کا شانہ باقی کا ہوا صاحب دیوان اور شاعر شیریں بیان تھا۔ یہ اس کلیم طورِ سخن دانی کے
کلام سے ہے:

گور و صفہ رصنواں کو میں اک آن میں دیکھا جب گل کی طرح جہانک گریبان میں دیکھا
لگتی ہے اب تو قفلِ مینا سے دل کو ٹھیس دس دن گئے کلیم کہ بیشبہ سنگ تھا
تبریں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے کلیم آہ کیوں دردِ دل اپنا نہ کسی کو سونپا

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار بیچ — اے دل سمجھ کے جائو ہے راہ مار بیچ
 ہو چکا حشر گئی دوزخِ جنت کو خلق — رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز
 پوچھ مت غم کی داستان اے دل — کہ پڑا ٹوٹ آسمان اے دل
 پیری کی بھی سیر کر گئے ہم — اس پل سے بھی بس گزر گئے ہم
 داں غصہ ہوئے رقیب پر تم — یاں مارے ادب کے مر گئے ہم
 بات اُس کی زبان پر آئی — پھر خسرابی جہان پر آئی
 عسروجن ممکن کیا کسی کی داد کو پہنچے — غرض ہم سچے احوال ہم فریاد کو پہنچے
 اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے — اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے
 عرق ہے منہ پہ ترے یا گلاب پٹکے ہے — عجب ہے مجھ کو کہ شعلہ سے آب پٹکے ہے
 تجھے میں آنکھوں میں کیوں کر رکھوں کبیرا — پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خراب پٹکے ہے

رباعی

مگر تو جمن میں چسپی سے نہ گیا — یہ دل بھی گلی سے بے گلی سے نہ گیا
 جو کوئی گیا دل کو گھیا چھوڑیاں — دل سے تو کوئی تیری گلی سے نہ گیا

رباعی

دنیا کے ہاتھ سے جو دل ریش ہیں ہم — اس واسطے یاں عاقبت اندیش ہیں ہم
 دنیا داری و نوکری محنت و کسب — جب کچھ نہ بنا کہا کہ درویش ہیں ہم

۲۳۲۔ مکتربین - دہلوی - از منسلکان نواب عماد الملک غازی الدین

خاں بود - گفتارش بطور آبرو و طبعش اکثر مایل بجا بود
 گویند شہر اشوبی در جو ہر قوم گفتہ چنانچہ چند بیت از ان

معارش می رود - (۳ شعر)

۲۳۳۔ شاہ کاکل دہلوی۔ معاصر آبرو بود۔ ترک نوکری کردہ لباس
نقد در بر نمود و تکیہ در چوک سعد اللہ خاں اُشت از دست

(۳ شعر)

۲۳۴۔ کافر، دہلوی۔ میر علی نقی۔ اوایل تسکین و جنون تخلص می کرد و آخرت بہ
نامقیدی کافر تخلص قرار داد۔ ہر شعرے کہ بردش می خورد
می گفت کہ ایں ٹپکہ ست۔ بر ایں جہت کافر ٹپکہ مشہور شد
مولف اوراق کر را در آمد مرشد آباد دیدہ و اشعارش
شنیدہ است۔ آنقدر مایہ مخموری نہ داشت کہ تعریفش توان شگفت
از دست ۲ شعر

۲۳۵۔ گریاں۔ دہلوی میر علی امجد ولد میر علی اکبر۔ از شاگردان شاہ
قدرت اللہ قدرت و میر ضیاء الدین ضیاست۔ از دست

(۳ شعر)

۲۳۶۔ گماں۔ دہلوی۔ نظر علی خاں۔ از دوستاں اشرف علی خاں غانا
دریں زمان کہ عمد شاہ عالم بادشاہ ست۔ شنیدہ شد کہ در
فیض آباد بصری برد۔ از دست۔

بید

۵ شعر

حرف اللّام

۲۳۷۔ لطفی دکنی۔ از قہر بود۔ این بیت بنام اوشہورست و
احوالش معلوم نیست۔

میں عشق کی گلی میں گھائل پڑا ہوں تم پر
جو بن کا مانا اگر مجھ کو کھنڈل گیا ہے

۲۳۸۔ لسان۔ میر کلیم اللہ مشق سخن را آگاہ بود۔ بعد احمد شاہ بادشاہ
ارتحال نمود۔ از دوست :

جدا ہو مجھ سے مرا یا یہ خدا نہ کرے خدا کسی کے تئیں یا رے جدا نہ کرے

حرف المیم

۲۳۹۔ میر، میر محمد تقی۔ علی لطف نے بہت اضافہ کیا ہے۔ ان کی
پہلے کی صرف آٹھ سطریں علی ابراہیم کا کچھ ترجمہ ہیں علی ابراہیم
کے لکھتے وقت (۱۱۹۶) میر دہلی ہی میں تھے تذکرہ لکھ چکے تھے

(۱۴ سطر۔ ۵۲۰ شعر)

میر تخلص نام نامی اس نگین خاتم سخن آفرینی کا میر محمد تقی ہے متوطن اکبر آباد کے

سراج الدین علی خاں آرزو تخلص آپ کے کچھ رشتہ داروں میں ڈور کے تھے۔ ابتدائے سنِ شعور پر درش انھوں نے دارالکلمہ شاہ جہان آباد میں پائی ہے اور خان مذکور کے فیضِ صحبت سے نظمِ ریختہ کی کیفیت بارگاہوں کے ساتھ اٹھائی ہے۔ تازگیِ مضمون کی اور علو معانی کا بیان سے ان کے ظاہر ہے، فی الحقیقت کہ شاعر مذکور لطافتوں سے ریختہ کی بخوبی ماہر ہے۔ جو شخص کہ نگار گاہِ سخن میں چشمِ خوردہ میں رکھا ہے اور چاشنیِ خرد سے امتیازِ ذائقہ تلخ و شیریں رکھا ہے۔ تو وہ اس بات کو جانتا ہے اور اس رمز کو بچا کرتا ہے کہ میر شیریں مقال میں، اور ریختہ گویاں سابق و حال میں، نسبتِ خورشید و ماہ ہے، اور خرقِ سفید و سیاہ ہے، بلکہ حجاب اگر مانع نہ ہو بیان کا تو تفاوت ہے زمین و آسمان کا۔ غرض اس تردد سے زبانِ قلم کی اور اس خواہش سے غرضِ قلم کی مراد یہ ہے کہ ناقدِ ردانی سے اغنیائی اور نا سمجھی سے اہل دنیا کی، اب بازارِ سخن سازی اس درجہ کا سد ہے اور ہوا و شہر تانِ معنی طرازی اس مرتبہ فاسد کہ میر سا شاعر جو کہ سخاوری سخن میں ظلم ساز ہے خیال کا اور جادو و طرازی بیان میں معانی پر داز ہے مقال کا، وہ ناںِ شبینہ کا محتاج ہے اور بات کوئی نہیں اس کی پوچھتا آج ہے۔ جس ایام میں کہ درخواستِ صاحبانِ عالی شان کی زبانِ دانانِ ریختہ کے مقدمہ میں کلکتے سے لکھنؤ کو گئی تو پہلے کرنل اسکاٹ صاحب کے روبرو تقریب میر کی ہوئی، لیکن علتِ پیری سے یہ بیچارے بھول کے محمول ہوئے اور جو انانِ نو مشقِ مربی گری سے قوتِ بدنی کے مقبول ہوئے۔ زمانہ خوشِ طبیعتوں سے کبھی نہیں خالی ہے، اکثر اہل لکھنؤ پکارتے تھے کہ کلکتے میں شاعری کی جادو خواستِ حتمی ہے، کس واسطے کہ یہ جانتے سب اہلِ قریب ہیں کہ آج بھی بوڑھے سانسے نوجوان غور کے میں موزیں ہیں۔ اب بھی جو بوجہِ تکلفِ معنی کا جزِ ثقیلِ طبع سے ترازو کہ وہ دکھاتا ہے، جو ان اگر کوہِ بونیس ہے تو محل سے اُس کے کمر چڑاتا ہے۔ بہر تقدیر غرض جب میرزا محمد رفیع سودا بلدہ لکھنؤ میں اس دار فانی سے عالمِ باقی کو سدِ حارے تو میر مذکور شاہ جہان آباد میں تھے ۱۱۹۰ھ گیارہ سو ستاونے ہجری میں ریایاتِ عزم اس صاحبِ شکر

معنا میں تازہ کے حرکت میں آئے اور خود بدولت گھنوں میں تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے روزِ ملازمت غلعتِ فاخوذ دیا، اور تین سو روپے مشاہرہ مقرر کر کے تحسین علی خاں ناظر کے سپرد کیا۔ اگرچہ گرفتہ مزاجی سے ان کی روزِ بروز محبت نواب مرحوم سے بگڑتی گئی لیکن تنخواہ میں کمی نہ تصور ہوا۔ اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہد وزارت میں کج کے دل تک کہ سالِ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، وہی حال ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اقامتِ نظم میں یہ صد نشین بارگاہِ سخندانہ پر قسمِ کلیدِ خامہ معجزاً رکھتا ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ نظمِ غزل میں یدِ بیضا رکھتا ہے۔ قصیدہ تو ختم میرزا محمد رفیع سودا پر ہوا، ہاں طرزِ ثنوی کی بھی ان کی بہت خوب ہے، خصوصاً دیا کے عشق، جو ان کی ثنوی ہے، اک جہان کے مرغوب ہے۔ یہ رہنما قوم سخن سرا یا گان کا مالک چار کتاب پر دیل و برہان ہے یعنی صاحبِ چار دیوان، خوش بندش و خوش بیان ہے، یثنویان بھی متعدد ان سے ثبت جریدہ روزگار ہیں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب افکار ہیں :۔

اس دور میں الہی محبت کو کیا ہوا	چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا
امید و وعدہ دیدار مر چلے	آتے ہی آتے یار قیامت کو کیا ہوا
چمن میں گل نے جو کل دعوئے جہاں کیا	جہاں یار نے منہ اس کا خوب لال کیا
باید رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو	چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا
لگانہ دل کو کیس کیا سنا نہیں تو نے	جو کچھ کہ میلوں کا اس عاشقی نے حال کیا
بتیاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا	بیتے رہے تھے کیوں ہم جویہ عذاب دیکھا
دل کا نیس ٹھکانا حالتِ فکر کی گم ہے	تیرے ہلاکوں کا ہم نے حساب دیکھا
لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے	ہے خیر میلوں صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا
ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا	دلِ ستم زدہ کو ہم نے تمام مقام لیا
خواب ہستے تھے مسجد کے آگے بت خانے	نگاہِ مست نے ساقی کے انتقام لیا

وہ کج روش نہ مارا سستے میں ہم سے کھو
 نہ یہ می طرح سے آن نے مرا سلا لیا
 پیغام غم جگر کا گزار تک نہ پہنچا
 نالہ مرا چمن کی دیوار تک نہ پہنچا
 اس آئینہ کے مانند زنگار جس کو کھا جائے
 کام اپنا اس کے غم میں دیوار تک نہ پہنچا
 لبریز شگہ تھے ہم لیکن حضور اس کے
 کار شکایت اپنا گھار تک نہ پہنچا
 یوسف سے کے ناگل اور گل سے کے تاشع
 چمن کس کو لے کے بازار تک نہ پہنچا

گل کو محبوب میں قیاس کیا
 فرق نکلا بہت جو پاس کیا
 صبح تک شمع سر کو نہ جیتی رہی
 کیا تینگے نے اتنا پاس کیا

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
 اس شمع کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا
 کل پاؤں ایک کاسہ سر پر پڑا جو میو
 یک سروہ استخوان شکستوں سے چور تھا
 کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
 میں بھی کبھی کسی کا سر پر ضرور تھا
 دل سے شوقِ سخن نکلونہ گیا
 جہاں گناہا گنا کبھو نہ گیا

گزرنا بنا کے چرخ سے نالہ چھاہ کا
 خانہ خراب ہو جو پاس دل کی چاہ کا
 آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھنا نہیں
 مڑتا ہوں میں تو ہلے سے صرفہ نگاہ کا
 یک قطر خون ہو کے مڑے ٹپک پڑا
 قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا
 سرے باز چاہی کفن عشق میں تیرے یعنی
 جمع ہم نے بھی کیا ہے سرو ساں کیٹا
 دل پہنچا ہلاکت کو بہت کھنچ کال
 لے یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ
 گزرے ہر لہو وہاں سر ہر خار سے ابلک
 جن دشت میں چھوٹا ہی مرے پاؤں کا چھالا

دل کے جانے کا نہایت غم رہا
 غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
 میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
 ایک مدت تک وہ کاغذ غم رہا
 تجھ کو میرے حال سے تھی آنکھی
 نالہ مشب سب کو خبر کر گیا

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میسر باز آؤ — نادان پھر وہ جی سے بھولایا نہ جانے گا
 کئے سرکشانِ جہان میں کھینچا تھا ہم نے سر — پایاں کارِ مود کا خاکِ قدم ہوا
 دل دو مانغ ہے اب کس شو زنگانی کا — جو کچھ کہ یہاں ہے سو افسوس ہی جوانی کا
 اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا — لہو آتا ہے جب نہیں آتا
 دل سے رخصت ہوئی گئی خواہش — گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
 عشق کو حوصلہ ہے شرطِ ورنہ — بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا
 جو یہ دل ہی تو کیا سرا بنجام ہو گا — تیرے خاک بھی خاکِ آرام ہو گا
 سخت کا فر تھا جس نے پہلے میسر — مذہبِ عشقِ اختیار کیا
 دل عشق کا ہمیشہ حریفِ بزد تھا — اب جس جگہ کہ داغ ہے وہ آگے درو تھا
 عاشق ہیں ہم تو میسر کے بھی ضبطِ عشق کے — دل جل گیا تھا افسوسِ بے پرو تھا
 خوبی کو اُس کے چہرے کی کب پہنچے آفتاب — ہے اس میں اُس میں فرقِ زمین آسمان کا
 کامِ پل میں مرا تمام کیا — غرض اُس شوخ نے بھی کام کیا
 تیرے کوچے کے رہنے والوں نے — ہمیں سے کعبہ کو سلام کیا
 وصفِ خط و خال میں خواب کے میسر — نامہ اعمالِ سیہ کر گیا
 جو اس شور سے تمہیں روتا رہے گا — تو ہمایہ کا ہے کو سوتا رہے گا
 میں نہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں — جسے ابرہہاں روتا رہے گا
 تو اب گایاں غیر کو شوق سے دے — ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا
 مجھے کامِ ہر دمِ روتے سے تاصح — مرے منہ کو کب تک تو دھوتا رہے گا
 مرا خوں تجھ پہ فوں ثابت کرے گا — کنارے بیٹھ کے ہاتھوں کو دھونا
 وصیتِ میسر نے مجھ کو بھی کی تھی — کہ سب کچھ ہونا اک عاشق نہ ہونا
 کیا بعدِ مرگ یاد کروں گا وفا تجھے — ہستار ہا جفا ہی میں جب تک جیا کیا

مذاں مجھ مست بن پھر قتل مینا نہ ہوئے گا
 آرام عدم میں نہ تھا ہستی میں نہیں چین
 اٹھی ہو گئیں سب بیریں کچھ نہ دوئے کام کیا
 عہد جوانی رو رو کا پیری میں لیں انھیں بوند
 ناتی ہم مجبوروں پر یہ ہمت ہے مختاری کی
 کس کا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام
 شیخ جو مسجد میں بیٹھارت کو تھائے خٹے میں
 کاش اب بقیع منہ سے اٹھائے ورنہ پھر کیا جانے
 یہاں کے سفید وسیع میں خل جو ہے سواتنا ہے
 زندگانی بھی ایک وقفہ ہے
 ضعف یہاں تک کھنچا کہ صورت گر
 کام آنے کا نہیں ایک بھی یار آخر کار
 مشت خاک اپنی جو پائیاں یہاں اس پر نہ جاؤ
 میٹر کم کردہ چمن زعفرانہ پرواز ہے ایک
 ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ
 گوش کو ہوش سے ٹک کھول کے سن تو رہاں
 گل کی جھا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل
 سیر کر عندلیب کا احوال
 دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
 بے تزاری جو کوئی دیکھے ہر کتا ہے ہی
 چلانہ آٹھ گے وہیں پھر تو چپکے چپکے میٹر
 بے کلاموں کا شیشہ چکیاں لے لے کے روئے گا
 معلوم نہیں میرا ارادہ ہے کس کا
 دیکھا اس بیماریوں نے آخر کام تمام کیا
 یعنی رات بت تھی جاگے صبح ہوئی آرام کیا
 چلتے ہیں جو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا
 کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو بیس سلام کیا
 جہ خرقہ کرتا، ٹوپی مستی میں نغمہ کیا
 آنکھ مونہ پر اپنے اُن نے گودیدار کو عام کیا
 رات کو رو رو صبح کیا اور دن کتبوں میں شام کیا
 یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
 رہ گیا ہاتھ میں قلم لے کر
 ہاتھ سے جائے گا سررشتہ کا آخر کار
 سر کو کھینچے گا فلک تک یہ غبار آخر کار
 جس کی لے دام سے تا گوش گل آواز ہے ایک
 ورنہ تاباغ قفس سے مری پرواز ہے ایک
 سب کی آواز کے پرے میں سخن ساز ہے ایک
 اک مشت پر پڑے تھے گلشن میں جائے بلبل
 ہیں پریشان چمن میں کچھ پرو بال
 وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں
 کچھ تو ہی میلو کہ اک دم تجھے آرام نہیں
 ابھی میں اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں

ملے گئے ہو دیر دیر دیکھے کیا ہو کیا نہیں
 نازِ تباں اُٹھا چکا دیر کو مایہ ترک کر
 تم تو کرد ہو صاحبی بندے میں کچھ رہا نہیں
 کبہ میں جا کے بیٹھ میان تیسرا گھر خدا نہیں
 گردشِ فلک کی کیا ہے جو دورِ قیاح میں ہوں
 دیتا رہوں گا چسپخِ مدام آسماں کو میں
 عاشق ہے یا مرض ہے پوچھو تو مایہ سے
 پاتا ہوں زرد روز بروز اس جہاں کو میں
 صد مٹائے یار رکھتے ہیں
 تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
 پھر کرتے ہیں مایہ صاحبِ عشق
 ہیں جواں اختیار رکھتے ہیں
 دن گزرنا ہی مجھے فکر ہی میں آیا ہو
 رات جاتی ہے اسی غم میں کہ فردا کیا ہو
 خاک میں لوٹوں کہ لوہوں میں بناؤں میں
 یا مستغنی ہے اُس کو مری پروا کیا ہو
 عشق کو نفع نہ بیتابی کرے ہی نہ شکیب
 کرے تدبیر جو یہ درد وہ دوار رکھتا ہو
 ہائے لے زخمی شمشیرِ محبت کا جگر
 درد کو اپنے جونا چل چھپا رکھتا ہو
 فقیرانہ آئے صدا کر چلے
 میاں خوش ہو ہم دعا کر چلے
 یارب کوئی ہو عشق کا بیمار نہ ہو دے
 مر جائے دے اُس کو یہ آزار نہ ہو دے
 زنداں میں پھنسے طوق پڑے قید میں مر جائے
 پردامِ محبت میں گرفتار نہ ہو دے
 اس واسطے کا بنوں ہوں کہ ہی آہِ نشتِ سرد
 یہ باؤں کیلجے کے کیس پار نہ ہو دے
 مانگے ہے دعا دیکھ مجھے خلق یہ ظالم
 یارب کسی کو اس سے سروکار نہ ہو دے
 صحرائے محبت ہی قدم دیکھ کے رکھ مایہ

یہ سیرِ سر کو جو بازار نہ ہو دے

جو دے آرام ملک آوارگی مایہ
 تو شامِ غربت اک صبحِ وطن ہے
 عشق میں بے خوفِ خطر چاہیے
 جان کے لینے کو جگر چاہیے
 باقلِ آغوشِ ستم دیدگاں
 اشک سا پاکیزہ گھر چاہیے
 شرطِ سلیقہ ہے ہر اک امر میں
 عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

نہیں دوسواں جی گنوانے کا ہائے ذوق دل لگانے کا
 دم آخر ہی کیا نہ آتا تھا اور بھی وقت تھا بہانے کا
 اب جو اک حسرت جوانی ہے عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے
 اُس کی شمشیر تیز ہے ہمدَم مرد ہیں گے جو زندگانی ہے
 یاں ہوئے میڈیہم برا بر خاک وہاں وہی ناز و سرگرائی ہے
 ادا کینچ سکتا ہے بس نر د اُس کی دے تصویر کھینچے گا یہ ہم نے مانی
 گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کی رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کی
 کیا حال بیاں کرے عجب طرح پڑی ہے وہ طبع نواز کہ ہے کہانی یہ بڑی ہے
 کیا فکر کروں میں کہ تلے آگے سے گردوں یہ گازی مری راہ میں بے طرح اڑی ہے
 ہے چشمک انجم طرف اُس مہ کے اشارے دیکھو تو مری آنکھ کہاں جا کے لڑی ہے
 وہ دن گئے جو ہیروں کی رہتی تھیں آنکھیں اب بیاں ہیں مہلت کوئی پل کوئی گھڑی ہے
 اب نہ ہوا ہو گا کوئی واقعہ آگے اک خواہش دل ساتھ مے جی کے کھڑی ہے
 جاتے ہیں چلے متصل آنسو جو ہمارے ہزار رنگ آنکھوں میں موتی کی لڑی ہے

رباعیات

اب عشق میں میڈیا پاؤں دھرتا ہے گا سب زبست منغنض اپنی کرتا ہے گا
 یار و چلو سب چل کے آئے سمجھا دیں افسوس کہ نوجوان مرتا ہے گا

خونناہ گشتی مدام کی ہے ہم نے ہر صبح غموں میں شام کی ہی ہم نے
 یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر مرد کے غرض تمام کی ہی ہم نے

اب وقت غریزہ کو جویوں کھوٹے پھر سوچ کے غفلت کے تین سوٹے

کیا خوابِ گراں پر روزِ شبِ نال ہو جاگوٹک میو پھر بہت سوئے گے

دل غم سے ہوا گدازِ سارا اللہ غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ
ہو نسبتِ خاص تجھ سے ہر ایک تیں کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

تبسیخ کو مدتوں سنبھالا ہم نے خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے
اب آخرِ عمر میو جی کی خاطر سجادہ گردو رکھنے نکالا ہم نے
۲۴۰۔ مظہر جانِ جاناں علی لطف نے دوسرا پارہ (پیر گراف) اضافہ کیا ہے

پہلا علی ابراہیم کا ترجمہ ہے۔ علی ابراہیم نے شہادت کے
قصہ کو بالکل سادہ الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ: ”گوئید سبب
تعصب مذہب منع تغزیہ سید الشہداء علیہ السلام می نمود۔ بدین
جہت زدست یکے از ساکنانِ دہلی سنہ یک ہزار و یک صد و نو دہ

چار ہجری کہ عمر شریف صد بود مقتول شد“ (ما سطر شعر)

مظہر تخلص، میرزا مظہر جانِ جاناں کر کے مشہور تھے مشہور مخوروں میں دلی کے نظم و نثر
رنجیت میں نہایت خوش بیان اور اندازِ گفتگو میں نادر زبان تھے۔ اصل وطن ان کا اکبر آباد
ہے اور دلی ان کے نشوونما کی بنیاد ہے۔ قناعت اور استغنائے طبیعت کے ساتھ مشہور اور
علم و عمل سے فقہ کے معمور تھے۔ حسن پرستی سے دل بستگی تمام رکھتے تھے اور عشقِ حقیقی و
مجازی سے کام۔ انعام اللہ خاں یقین اور فقیہ صاحب دردمندان کے شاگردانِ رشید
کہاتے ہیں اور میر عبدالحی مہاجر تخلص بھی علیٰ ہذا القیاس اسی طرح کہنے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ہفت روزہ عاشورہ کو لبِ بام یہ اپنے گھر میں سر راہ بیٹھے تھے اور کوئی سزا
 رسیدیں کا بھی آیا تھا واسطے ان کی ملاقات کے کہ ناگاہ گزشتہ شدوں کا ان کے زیرِ بام سے
 ہوا۔ اس ردِ پہلے نے کھڑے ہو کر سینہ زنی بھی کی، اور موافق سلام سے ہوا اور میرزا سے
 مذکور جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہے، بلکہ متبسم ہو کے فرمانے لگے کہ "بارہ سو برس
 جس مقدمہ کو ہو چکے ہوں ہر سال اُسے زیادہ کرنا کیا باعث ہے اور گزشتہ برس کو سلام
 تسلیم کرنا نہایت عقل کی خفت ہے" یہ گفتگو بجنہ وہ لوگ جو کہ علم اور شدتوں کے
 تھے انہوں نے سنی اور تعصب کی مزیائے مذکور کے امام باروں میں اور محفلوں میں دین
 شب گفتگو رہی۔ آخر شب شہادت کو کہ عبارت شب چہار دہم عاشورہ سے ہے کوئی شخص ان کے
 دروازے پر آیا اور ان کو باہر بلوایا۔ جب باہر آئے تو بے گفتگو ایک چوٹ پیچھے کی نذر کی
 اور کام ان کا پورا کر کے نگوہ راہ اپنے گھر کی لی۔ سن بھی ان کا قریب سو برس کے تھا
 ایسا زحم کاری کھایا۔ لیکن استقلالِ طبیعت سے پھر اپنے تئیں کوٹھے کے اوپر بیٹھ گیا۔
 ۱۹۰۲ء گیارہ سو چوہارنویں ہجری تھے کہ اُس روشن ساز مسائلِ صدیقی نے اور اُس حلقہ پڑا
 احکام فاروقی نے اس آئینہ زنگار کو دُنیا سے منہ پھیر لیا اور سفرِ خلفائے راشدین کے
 منازل کے طریقت پر کیا۔ یہ اشعار ان کے نتائجِ افکار سے ہیں،

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا اس قدر جو رجوع کا بھی سزاوار نہ تھا
 نہیں کچھ غم کہ یوں مٹا نہیں پائیں گس میرا کہ میں تو ہوں دل کی بگیسی پر پائے دل میرا
 ہم نے کی ہو تو باورِ دھو میں مچاتی ہے بہار ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
 ہم گرفتاروں کو کیا ہے کام گلشن سے ولب جی نکل جاتا ہی جب سنتے ہیں آتی ہے بہار

۱۔ کسی نے کیا بے مثل تاریخ آپ کے وفات کی کسی ہو عاشِ حمید امات شہید؟

لطف یہ ہے کہ یہ الفاظ حدیث نبوی ہیں ۱۲۔

موتا ہوں میرے نوائے گل میں ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوڑی و پنکھا سب کے ہاتھ
منظر چپا کے رکھ دوں نازک کے تئیں مرے
پیشہ بیچا ہے کسی میرزا کے ہاتھ
خدا کے واسطے ان کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے
ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

۲۴۱۔ محقق و کسبی ظاہر از قدامت ماہود۔ اس مطلع بطریق محاورہ متاخرین
بنام او منسوب است :

تم کہی سے وعدہ دیدار مت کرر
اپنی زباں سے جھوٹ کا اقرار مت کرر
۲۴۲۔ مر قتل محمد فرل۔ محاصرہ شاہ آبرو بود تخلص او شہرتے دارد۔
در دہلی رحلت نموده از دست :

سیم تنی جس کا نام ہوتا ہے
اُس کو سونا حرام ہوتا ہے
۲۴۳۔ مخلص۔ رائے انند رام دیکھ نواب اعتماد الدولہ وزیر بود از قدامت
سراج الدین علی خاں آرزوست۔ اکثر شعر فارسی و گاہے
ریختہ می گفت از دست :

آنے کی دھوم کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارکچی کا پیالہ ز گس لئے کھڑی ہے

۲۴۴۔ موزوں۔ عظیم آبادی مشہور بہاراجہ رام ناراین از جانب
حکام بنگالہ نائب صوبہ عظیم آباد بود۔ نسبت شاگردی

بہ جناب شیخ محمد علی حزیں داشت۔ اشعار فارسی می گفت
 و نشر انگیس می نوشت بعد دولت نواب علی جاہ میر محمد قاسم
 خاں مرحوم مورد تعقیب شدہ معزول و در گنگ مغروق
 گردید گا ہے ریختہ می گفت۔ از دست :

ابر تو ہوے خجالت پانی پانی
 مت مقابل ہو میرے دیدہ خوبرو کیا

۲۴۵۔ منعم برادر محمد قائم، قائم تخلص۔ از مشاہیر سخنوران نیست از دست :

بھولی نہیں ہے مجھ کو بتوں کی ادا ہنوز
 دل کی نگیس پہ نقش ہے نام خرا ہنوز

۲۴۶۔ میر درد اللہ۔ ولد میر حمزہ علی از سخنورانِ زمانِ محمد شاہ فردوس
 آرام گاہ بود و در موسیقی مناسبتے داشت۔ گا ہے
 ریختہ می گفت از دست : (۳ شعر)

۲۴۷۔ مضمون۔ شیخ شرف الدین۔ صرف دل میں مرنے کا ذکر
 لطف کے یہاں زیادہ ہے۔

(۴ سطر ۲۳ شعر)

مضمون تخلص، شیخ شرف الدین نام بتوطن جاجمؤ کے تھے۔ جاجمؤ ایک
 قصبے قصبوں میں ہے۔ اگر آباد کے جس ایام میں کہ وطن سے اپنے یہ وارد شاہ جاجمؤ آباد
 میں ہوئے تھے، تو زینت الباسا میں آن کر اترے تھے۔ طور ان کی بود و باش کا

پھر وہیں رہا ہے اور اتفاق اصلاح کا سراج الدین علی خاں آرزو سے ہوا ہے۔ از بسکہ
 تیغ مذکور ملت سے نزلہ کے منہ میں ایک دانت نہیں دھرتے تھے تو خان آرزو انہیں
 شاعر بیدار نہ کہا کرتے تھے۔ دلی میں نظم وجود کو انہوں نے ناموزوں بوجھا ہے
 اور مضمون عالی انہیں سیر وجود کا وہیں سوچا ہے۔ بیشتر حسن ان کے کلام میں ایہام کا
 ہے۔ یہ منتخب ان کے کلام کا ہے۔

افسوس مار جھٹ پٹ دل کو رکھے ہیں اٹکا کس ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری ٹٹکا
 خوابوں کو جانا تھا گرمی کریں گے مجھ سے دل سرد ہو گیا ہر جگہ پڑا ہے پالا
 نہیں ہے زاہدوں کو نئے سنی کام لکھا ہر آن کی پیشانی میں سرکا
 ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا صبر ایتوب کیا گریہ یعقوب کیا
 کوچے میں بے وفا کے واسے گئے ہیں عاشق نکلا ہے ایک مضمون بھاگوں سے اپنے صنیا
 تراکھ ہے سر چشمہ آفتاب نہ لاوے نئے حسن کی ماہ تاب
 جس طرح سے ہے ہے مال کے اوپر کالا یوں ہے زلف تھے منہ کے اوپر مار کے پیچ
 گریبی دار ہے کال کو سرتاج ہوا منصور سے یہ نکتہ حل آج
 ایک تو تھا ہی وہ مہر و خود پسند ہو گیا آرسی کے تئیں دیکھ دو چند
 تجھ بن زبس کہ پانی جاری کے ہیں لہو کر چستوں سے میں اب اپنے بیٹھا ہوں ہاتھ دھو کر
 تیر مڑگاں برستے ہیں مجھ پر آبِ پکیاں کا اس طرف ہر ڈھال
 کینفی ہو کر جو مجھ سے رہا ہے وہ سمجھ جو پوچھتا ہوں بات تو کہتا ہے چل پھل
 احوال پیش دلبر کچھ مت کہو ہمارا آتا ہے نام میرا سن کر اے سپنا
 شرم سے پانی ہو جاویں سب رقیب جو مرا یوسف طے آچاہ سے
 وہی دلدلار خوش آتا ہے جو ہووے بانکا خوب لگتی نہیں وہ تیغ جو خنجر ارنیس
 کیا ہوا جو خط مرا پڑھتا نہیں جانتا ہے خوب وہ مضمون کو

اُس دہاں بیچ سخن رکھتا ہوں — مجھ پہ اس بات کو اثبات کرو
 جب سے چاہا ہے ترا چاہِ ذوق — آبِ چشموں سے مے جاری ہے
 نظر آتا نہیں وہ ماہِ رو کیوں — گزرتا ہے مجھے یہ چاند خالی
 چلاشتی میں جی آگے سے وہ محبوب جاتا ہے — کبھو آنکھیں بھرتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے
 یہ اشک آنکھوں میں قاصد کس طرح کی دم نہیں مٹتا — دلِ بیابان کا شاید بسے مکتوب جاتا ہے
 مرے آئینہ دل سے ترا نقش — جو دیکھا تو کسی صورت نہ جائے
 مضمون تو شکر کر کہ ترا نام سن قریب — غصے سے بت سا ہو گیا لیکن جلا تو ہے

۲۴۸۔ محزول، مولوی سید محمد حسین از سادات موسوی و عمدہ تلامذہ

مولوی محمد برکت مرحوم ست۔ از مدتے ترک موطن خود
 نمودہ در الہ آباد سکے گزیدہ۔ راقم آثم میرزا کور را
 دیدہ۔ بغایت بنجیدہ اطوار و گرم جوش و خویش تقریر و
 برباد بار یافتہ۔ در نظم فارسی و ربیعہ طبع موزونی
 داشت۔ این ازاں والا تبار ست (۲۴ شعر)

۲۴۹۔ محسن۔ اکبر آبادی۔ محمد محسن برادرزادہ میر محمد تقی میر و از خوش نشان

تربیت یافتگان۔ سراج الدین علی خاں آرزو ست۔
 درینولاکہ عمد شاہ عالم بادشاہ ست در سرکار نواب لاہور

انسلاک دارد آرزو ست،
 (۲۴ شعر)

گرم جوشی سیتی مخلص سے ہے جبارِ رشک سے اُس کے رقیبوں کے مگر جلے ہیں
 ستم سے ترے آشنا کم رہے ہیں — ہیں ہیں کہ اب تک کہ میاں تم رہے ہیں
 کہتے تو ہو ملنے کی آتی ہیں ہیں گھاتیں — جھوٹے ہو میاں تم تو کہنے کی ہیں یہ باتیں
 روتے روتے جو کہیں ہوش میں آجاتا ہوں — شرم سے اپنے میں جیسے کہ مواتا ہوں
 اُس کے یل و تل و ستم کچھ نہ کہے جاتے ہیں — نہ ہیں چھوڑے بنے نہ سے جاتے ہیں
 کہتا ہے توجہ ہر دم میسر ہے اور میں ہوں — یہ طشت ہے اور سر ہے تقیر ہے اور میں ہوں
 مخلص تیرے کے یار بہت ہیں گے مشتری — تم بھی اگر ہو اُس کے خس بدیدار کچھ کہو
 آمینہ رو کے دل میں کوئی راہ کیا کرے — دم مارنے کی بات نہیں آہ کیا کرے
 عاشقِ سواے روئے کے اور کام کیا کرے — جس کا جلا ہو دل سودہ آرام کیا کرے
 قاصد کو دیکھ دو سے دیتا ہے گالیاں — ایسی پرپی کو پھر کوئی پیغام کیا کرے
 مرے دل میں اتنا بسا آ کے تو ہے — مجھ کو پڑی اپنی اب جستجو ہے
 ڈرتا ہوں محبتِ مری اظہار نہ ہونے — کچھ سے کہیں آرزو وہ دلدار نہ ہو
 دل کو مرے ہر گز کبھی آرام نہ ہووے — آغوش میں میرے جو دل آرام نہ ہووے
 یہ مشتِ خاک اڑ جاتی ہے جب جس سے ملے کو — بگولے آگے آتے ہیں اسے لینے کو ہاموں سے
 کیونکہ ہووے گی زندگی اب آہ — دل کی نوبت تو جان پر آئی
 نہیں یکہ دل سلامت اس میں پایا — شکر اس زلف کی کیا دل شکن ہے
 چمن میں قد نے ترے طرح جلوہ جب ڈالی — نہاں و گل نے کہا مظلہ العالی
 ڈرتے ہو دامنِ آہ کے شعلے جل نہ جا — عاشق کی خاک پر نہیں آتے میاں کبھی
 کوئی اپنے ایریز سے آفاق یوں بھی کرتا، — نفس میں مر گئے ہم یہ خبر جیتا د کو پہنچے
 سحر روتے لہو اور کرتے شام اور ساگری — کبھی تو نے نہ پوچھا آہ اُس مخلص پہ کیا گزری
 مخلص سا دفا دار کوئی ہم نے نہ دیکھا — اس طور کا بندہ نہیں ہوتا ہے خدا سے

رباعیات

رہتا ہے غضب مجھ پہ تو ہر شام دیکھا کہنا ہے تو نہایت مری گردن پہ گناہ
تمہید نہیں اتنی بھی ظالم درکار مطلوب اگر سر پہ در ا بسم اللہ

ناصح میں عجب دیکھی مروت تیسری عاشق کے ستانے میں ہے رغبت تیری
دل غم سے نہیں بھرا ہے اتنا میرا جو اس میں سادے یہ نصیحت تیری

۲۵۲۔ مایل، دہلوی۔ محمدی۔ دریں زماں کہ عہد شاہ عالم بادشاہ است

در مرشد آبادی گزراند از دست: ۴ شعر

۲۵۳۔ مایل، عظیم آبادی۔ میر ہایت علی۔ سیاحت بلاد کن منودہ و باز

ایام صبا الی یومنا ہذا مایل ریختہ گویا بودہ۔ گویند بسیار شاعری

بہ عشق مجازی ست۔ بدیں جہت مایل بتا مل تکمیل اس فن

نمی شود۔ بمتانت و سلامت طبع انصاف دارد از دست ام شعر

۲۵۴۔ مسکین، عظیم آبادی۔ لالہ بخش گویند اشعار بسیار گفتہ۔ اما نصیب از

تحسین نیافتہ از دست:

روئے زمین پہ جتنے بے یار و حق ہیں پھرتے

وے آدمی نہیں ہیں مانی کی مورث ہیں

۲۵۵۔ منتظر، الہ آبادی۔ خواجہ بخش اللہ گویند۔ در سال یک ہزار و یک صد

و نو دہجری بہ عظیم آباد آمدہ، باز بموطن خود رفت۔ سلیم بطبع و

در دمنده خلق بود از دست : ۳ شعر

۲۵۶- مرزانی - محمد علی خاں ولد نعیم اللہ خاں از مکان و منسلکان
وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ بود۔ طبع موزوں و مستقیم

در موسیقی داشت۔ از دست : ۲ شعر

۲۵۷- مخلص ، بدیع الزمان خاں بجن صورت و سیرت موصوف - در

سرکار نواب شجاع الدولہ وزیر ممالک بود۔ گاہے ریختہ

منظوم می نمود از دست :

۲۵۸- محشر ، موطن کشمیر و سکنت لکھنؤست طبع موزوں نے دارد
از دست :

۲۵۹- مفتول ، الزآبادی کاظم علی ۔

۲۶۰- مجذوب ، دہلوی ۔ مرزا غلام حیدر ۔ بہت زیادہ اور اہم مضامین

کیا ہے ۔ ۳ سطر ۶ شعر

مجدوب مخلص ، میر غلام حیدر نام ۔ شاہ جہان آبادی ۔ بیاض سراج شعراے ہند مقام میرزا

رفیع سودا شاعر شیریں کلام کا ہے ۔ آشنا پرستی اور یک رنگی کے ساتھ موصوف ، درود و اولاد

گلاز طبیعت میں شہور و معروف نظم ریختہ میں صاحب دیوان ہیں اور جن ترکیب میں ناظم رنگین

بیان تلاش سے معنی تازہ کے حتی الامکان نہیں گزرتے ہیں ، اور باندھنے سے مضامین مشہور

کے حتی المقدور کنارہ کرتے ہیں ۔ دو دیوان جواب میں میر تقی میر کے انھوں نے کچھ اور

مقدور بحر سرانجام جواب سے غافل نہیں رہے ۔ غرض بالفعل کہ ۱۲۱۵ء بارہ سو پندرہ ہجری

میں ساتھ عشرت معاش کے لکھنؤ میں جیتے ہیں مصرع تحت دل کھاتے ہیں اور خدیج گیسٹیم ہیں ۔

یہ منتخب افکار اس ستودہ اطوار کا ہے :

خوہاں سے جو دل ملا کرے گا دھڑکا ہے پی کہ کیا کرے گا
 عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہوئے تو میں جاؤں بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہوئے تو میں جاؤں
 نہ اندیشہ کرو پیارے کہ خبیثے دس کی تھوڑی تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہوئے تو میں جاؤں
 آئے ہیں مسحائے بالیں پہ تو کیا ہو بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو

اشک آنکھ میں ہو عشق سے تادل میں غم ہے یہ گھر ہے وہ خراب کہ آتش میں غم ہے
 چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صغیر صیاد نے سنایا ترانا تو ہم ہے

۲۶۱- محترم، دہلوی-خواجہ محمد محترم برادر خواجہ محمدی خاں مرحوم در
 عالم محبت یکتا و بموز و نی اشعار طبعش رسا بود۔ در مرشد آباد

از مسلکان عالی جاہ نواب میر محمد قاسم خاں مرحوم بود۔
 از دوستان معارف آگاہ شاہ گھسیٹا وراقم آئم ست۔
 (۲ شعر)

۲۶۲- مضمون، سید امام الدین خاں پدرش سید معین الدین سرچوکی سالہ
 والا شاہی بود۔ (۲ شعر)

۲۶۳- مصحفی - بہت زیادہ اور بہت اہم اضافہ کیا ہے۔ (۳ سطر- ۱۲ شعر)

مصحفی تخلص غلام مہدانی نام ساکن امد ہے کا۔ اپنی قوم کا اشراف ہے پرخ توبہ
 ہے کہ گفتگو اس کی بہت صاف صاف ہے، بندش نظم میں اس کے ایک صفائی و شیرینی ہر
 اور معنی بندش میں اس کے بلندی اور رنگینی۔ ایک مدت شاہ عالم بادشاہ غازی کے عہد
 سلطنت میں مقیم شاہ جہاں آباد کار ہا ہے۔ بالفصل کہ ۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں ایک

چودہ برس سے اوقات گفتگوئیں بسر کرتا ہے، ضیق معاش تو وہاں ایک مدت سے نصیب
اہلِ کمال ہے، اسی طور پر درہم برہم آس غریب کا بھی احوال ہے۔ دیوان اس عزیز کا
بہرا ہوا نظم کے جمیع اقسام سے ہے۔ یہ اس کے منتخب کلام سے ہے:

پیری میں اور بھی ہوئے غافل ہزارِ حیف بے اختیارے گئی ہم کو یہ خوابِ صبح
ہوئی ہے بکہ یہ فصلِ بہارِ دامنِ گیر چلیں چمن سے تو ہوتا ہے خارِ دامنِ گیر
سمجھ کے رکھو قدمِ دل جلوں کی تربت پر مبادا ہو کوئی تیرا شہرِ ار دامنِ گیر
آگیا خط پہ سرِ مونہ گیا نازِ ہنوز ہے اسی ڈھپ پہ نگاہِ غلط اندازِ ہنوز
ایک دن رو کے نکالی تھی وہاں گفتِ دل اب تلک دامنِ صحر ہے غبارِ آلودہ
ز بس آئینہ رو ہے طفلِ حجام نہیں بن دیکھے آس کے۔ دل کو آرام

جو دیکھیں اٹھکیاں وہ گوری گویا بنا خورشید پانی کی کٹوری

وہ جس کے رو بروں گا۔ آیا اے حیرت نے آئینہ دکھایا

ملا جب آئینہ کو ایسا نائی بنائی چار ابرو کی صفائی

نہ کیسے خامہ مو آس کی مثال کہ وہ ہے عاشقوں کی ناک کا بال

نئے ہر مقحفی اب تو بھی فی الحال منڈا کر سر کو ہو جا فانی الحال

۲۶۴۔ محب۔ دہلوی۔ شیخِ دل اللہ از شاگردانِ مرزا محمد رفیع سودا

و دوستانِ مہربانِ زندست۔ شیندہ شد در فنجِ آبادِ بسری برد

از دوست۔ ۲ شعر

۲۶۵۔ منشی۔ غلام احمد از تلامذہ مرزا منظر جاجاناں اصلش قصبہ دادری

از مصافاتِ سرکارِ ناولست۔ پیشتر واقف تخلص داشت

طبعمش در نظم فارسی در بخت رسا و نثر از زیبای نویسد

از دوست ؛ (۲ شعر)

۲۶۶- مجروح - نشی کشن چند - صلیش کشمیر و مولدش ہندست از تربیت
یافتگان مرزا منظر جان جانان ست - الحال کہ سال یک ہزار
یک صد و نود و شش ہجری ست - در لکھنؤ بغت می گزراند -
از دوست -

۲۶۷- محنت ، دہلوی - مرزا حسین علی بیگ ابن مرزا سلطان بیگ باشد
مغل پورہ شاہ جہاں آباد - (۱۰ شعر)

۲۶۸- مروت ، سبھلی خلف شیخ محمد کبیر طیب از مسلمان نواب فیض اللہ
خاں و شاگردان جرات تخلص ست الحال کہ ۱۱۹۶ ھ ہجری
باشد شنیدہ شد کہ در رام پور می گزراند از دوست ؛

۲۶۹- محبت - نواب محبت خاں آخر میں کچھ اضافہ ہے
لیکن یہ چھوڑ دیا ہے ؛

” در لکھنؤ اقامت و مراسلہ بار اقم دارد - چنانچہ

در کمال محبت اشعار خود با مثنوی موسوم با سرار محبت

کہ حکایت عشق فرستادہ “ (۱۰ اسطر ، ۷ شعر)

محبت تخلص ، نواب محبت خاں نام - خلف ارشد نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں

کے ہیں حسب و نسب کی طرف سے کثرت شہرت کے باعث نیس محتاج بیان کے ہیں جو ان
خوش ظاہر و خوش رویوں ، اور خوش اخلاط و خوش خوی خلق سے معمور اور مروت

جواں مردی کے ساتھ مشہور۔ فقط خوش مزاجی غلطی کے باعث انہوں نے شیوہ مخوری کا اختیار کیا اور خوش استعدادی طبعی کے سبب طبع بیگانہ خو کے تئیں لطافت معنی سے پار کیا جمیع اقسام نظم میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے اور اصلاح سخن کی میرزا جعفر علی حسرت مخلص سے لی ہے۔ معاصرین اپنے میں مشہور ہیں ساتھ خوش بانی کے، اور روشن طبیعتوں میں شہرت رکھتے ہیں ساتھ روشن زبانی کے۔ قفقہ کسی پنو کا فرمانے سے ممتاز الدولہ ستر جانین بہادر کے انہوں نے نظم کیا ہے اور نام اس ثنوی کا اسرارِ رحمت رکھا ہے۔ بعد نواب حافظ رحمت خاں کی شکست کے جو کھنٹوں آئے، تو اسی ایام سے بس طور بود باش کی وہیں ٹھہرائی۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت اعزاز و اکرام کیا تھا اور مشاہرہ بھی معقول کر دیا تھا۔ بالفصل کہ ۱۲۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، اسی شہر میں بود و باش رکھتے ہیں اور مضامین تازہ کی ہمیشہ تلاش رکھتے ہیں۔ دیوان ان کے نظم کے سب اقسام ہیں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب کلام ہیں:

دل بیتاب کو آرام نہیں آنے کا	جب تک وہ بت خود کام نہیں آنے کا
دیوے مقاصد کسین پیام نہیں آنے کا	مجھ کو خطرہ ہے خدا یہ نہ کرے جو اہل کا
صبح آوے گا تو بھر نام نہیں آنے کا	کیا خوشی کیجئے یار و کہ وہ خورشید تھا
یا کہ سیکھا ہے یہی شیوہ ستم گاری کا	کوئی ڈھب بھی تجھے آتا ہے وفاداری کا
کیا ہی اغیار کو دعویٰ تھاتری یاری کا	دیکھا اک جھڑکی میں لے یار کوئی بھی ٹھہرا
میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا	قید ہو بیٹھے ہوا دونوں جہاں سے آزادی کا
میرا غبار کیجو برباد اس طرح کا	دشمن کی آنکھ میں بھی پہنچے نہ اے صبا ملک
سننے ہی ٹھکانا نہ رہا ہوش کسی کا	مذکور جو محفل میں ہوا دوش کسی کا

شب کہ مجلس بیچ وہ غارت گر ہر خانہ تھا — تھے جو باہم آشنا ایک ایک سے بیگانہ تھا
 جس گھڑی گرو مرے تو طوطہ فرلنے لگا — غنیمت تصویر بھی نجلت سے مرجانے لگا
 یہ بڑھادیو انہ پن اپنا کہ ناصح دل ہوا — تھا مرا ہم درد لیکن مجھ کو سمجھانے لگا
 ماشتوں میں مجھے لکھا تھنے — آج چہرہ مرا بحال ہوا

تیری گلی سے دل افکار جو گیا سو گیا — عدم کے کوچہ سے لے یار جو گیا سو گیا
 تو اُس کے گھر کو تو ہنسا ہوا چلا لے دل — یہ ہے وہ قہقہہ دیوار جو گیا سو گیا
 دل جو جاتا ہے چلا جائے کہیں مجھ کو کیا — اُس کی رسوائی کو کہتا ہوں نہیں مجھ کو کیا
 چشم حیراں سے کہاں دل کو ملے لذت دید — مری آنکھیں جو تجھے دیکھ رہیں مجھ کو کیا
 منزل اول ہے ابھی عشق کی لائے تاب توں — چھوڑ جاتے ہو تم افسوس نہیں مجھ کو کیا

دل دیں گے رونمائی دستور ہمارا — کیا کیجئے یہی کچھ مقدور ہے ہمارا
 اللہ رے تکبر ستا نہیں سخن بھی — یہاں تک بُت عزیز و مغرور ہے ہمارا
 جاتے ہیں جلد پھینکے تو سن کو عمر کے ہم — کیا کیجئے محبت گھر درد ہے ہمارا
 غیر کو یاد تو زہن ساز نہ رکھ لے پیارے — بھول جا مجھ کو بھی لیکن یہ مری بات نہ بھول

دید زمانہ کرتے ہیں ہم چشم خانہ میں — آرٹا ہے اپنا مرغ نگر آشیانے میں
 دل خشک ہو کہاں سے ہمیں لاشک چشم سو — قرارہ تب چھٹے جو ہو پانی خزانے میں

نوع میں دم توڑے پاس آنے کا ہم رکھتے ہیں — دم میں دم جب تک اپنے پیڑیہ دم رکھتے ہیں
 آپ کو غیر دل کو چپ چپ کے رقم کرتے ہیں — یہ جو جھوٹ ہووے تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

سرخِ اشک کبھی اور کبھی زردیے رد — تو نے لے عشق عجب رنگ دکھایا مجھ کو
 بیٹھے دیوے نہ وہ بزم میں اپنے جو مجھے — تو اٹھا لیجو اسے با جسد یا مجھ کو

ساقی ہیں گمنا جو برستی نظر پڑی یاد آئی ہے وہیں وہیں سستی نظر پڑی
 بوسے کی بھی عوص نہ خریدی بیخس ہائے اس کو متاع دل مری سستی نظر پڑی
 یا تھا فلک پر اس کا دماغ اب ہو خاک پر دل کی عجب بلندی و پستی نظر پڑی
 تنہا یا رہنے ہی بات کہنے میں نہیں آتی غرض یہ کیا کہوں کچھ بات کہنے میں نہیں آتی

محسوس

کون سے روز میں سرسنگ سے مارا نہ کیا ہجر میں تیرے میں کب جیب کو پار نہ کیا
 پر مرض کا مرے تو نے کبھی چارا نہ کیا درد دل سے تو میں کس رات پکارا نہ کیا
 نہ کیا میری طرف تو نے گزارا نہ کیا
 یوں ہی آنکھ سے آنکھ میں تھامے ہم تو آپ کے دیکھ چکے سب سے اشائے ہم تو
 مر گئے ہائے اسی رنگ کے ہائے ہم تو آگے گور کے اس غم سے کنا ہے ہم تو
 تو بھی غیروں سے میاں تم نے کنا نہ کیا

ولہ

ساری شب بیتی ہی مجھ میں اور دلبر میں خوشی کہ آسے میں جام بھر بھر دوں ہوں وہ مجھ کو کبھی
 ایک حرفِ ناز اس کا سن نہیں رہ جی میں جی چھڑتا ہوں جب میں اس کو تب یہ کتسا ہی بھی
 پاس سے ہم تیرے ان باتوں سے اب اٹھ جائیگی

شعری

کسی القصد پھر بندے سے یہ بات اگر صلح نہ ہو دے اس میں اوقات
 تو مضمون کر کے اس قصہ کا معلوم یہ ہی منتہی رکھ کر تو اس کو منظوم

یہ بات اتنے لئے تجھ سے کہی ہے
 تجھے اس عشق کے ہیں کار معلوم
 پیارے تو نے بھی جاہم محبت
 ترے اشعار سن کر سب سخذاں
 سراپا کیا لکھوں اس شمع روکا
 عیاں یوں مومے سر تھے غبرا لود
 دوپٹا چاند تارے کا زری باف
 سما ہوتا تھا یوں جیسے فلک پر
 گندھی چوٹی نظر اس کل آوے
 بہت سے تھا دلوں کا آس میں سکن
 نگہ بد فلک کی اس جبین پر
 دو دنداں آب دار اس سیم بر کے
 کروں کیا خوبی لب کی میں تفسیر
 تبسم میں نظر اس رنگ وہ آئے
 زباں کھولوں اگر وصفِ دہاں پر
 کوئے کیا کیا جھکا دے عشق آں
 نہیں گردن کی کچھ تعریف ہوتی
 خاسے سرخ تھایوں پنجہ ماہ
 بھلا دوں کس سے نسبت ان گجوں کو
 کہ مشق اس کی بہت تجھ کو رہی ہے
 محبت کے ہیں سب اسرار معلوم
 سراپا تو ہے ہم نام محبت
 محبت کا آسے کہتے ہیں دیواں
 کہ تھی وہ حسن کا شعلہ سراپا
 کہ جیسے شمع کے شعلہ پہ ہو دود
 جو اوڑھے تھی کر اپنی پٹیاں صاف
 شبِ دیجور میں چلے ہیں خستہ
 کہ جوں ماہِ سیہ لہریں دکھاوے
 اچھا ہے کہ اک سانپ اور کسی مین
 کہ اک ابرسیہ جیسے ہوتا منہ پر
 کہ سوراخ آن سے ہیں دل میں گرے
 قیامت آس پہ تھی مستی کی تحسیر
 کہ غنچہ جیسے نازماں کا کھل جائے
 سخن ہو جائے گم میری زباں پر
 جسے چاہو زرخ کی اس کے ہو چاہ
 وہ ہے گویا صراحی دار موعنی
 کہ جوں خوش خط لکھیں مرغی سے اللہ
 جو میدان حسن کے سے لے گئی گو

عیاں وہ گلشنِ خوبی میں ہیں یوں کہ جیسے دو انار اک شاخ میں ہوں
 اگر دیکھے اُنھیں نامرد ذاتی عجب کیا وہ بھی اپنی کوٹے چھاتی
 جو دصف اُس ساقِ سپیں کاٹنے ہی یہ حسرتِ شمعِ رو رو سر دھسنے ہی
 قدموزوں وہ اپنا جب دکھ جائے اور اُس کی فتنہ کی پامک نظر آئے
 تو حیرتِ بوں یہ سب کو پر دیکھے بنِ شمشاد میں غنچے نہ دیکھے
 جھکِ خفاں کی مٹی کیا قیامت کہ ہر سو جس سے برپا تھی قیامت
 جو ہوٹکِ فربشِ گل پر گرم رفتار رگِ گلِ پشتِ پاسے ہو نمودار

۲۴۰۔ مرزا - دہلوی معروف بہ نواب مرزا۔ ملقب بہ محمد حسن خاں
 احترام الدردا بن نواب اشرف خاں نوازہ نواب مصمصام الدولہ
 خان دوران و خواہر زادہ سید فضائل علی خاں بقیقید و برادر
 کمتر رستم علی خاں رستم شخص ست کہ در حرف الرا مذکور شد
 الحال کہ سال یک ہزار دیک صد و نو دوشش ہجری است
 در بلدہ بنارس اقامت دارد۔ اشعار بسیار از افکار خود بر اقم
 خاکِ فرستادہ از دست - (۲۸ شعر)

۲۴۱۔ مرزا - دہلوی مرزا علی رضا از قربان نواب حسین الدین خاں
 نائب جہانگیر نگر ست۔ مدتے در صوبہ بہار و بنگالہ گزرانیدہ
 الحال کہ سال ۱۱۹۰ ہجری ست در بنارس بر اقم آثم نمودہ۔ این
 چند بیت از اں جملہ ممتاز ست -

(۶ شعر)

۲۶۲- مجنوں - شاہ مجنوں از اولاد رائے بشن نامہ دیوان محمد شاہ

فردوس آرام گاہ است گاہے خانی و گاہے مجنوں
تخلص می کند نسبت شاگردی بامیر محمد تقی میر دارد
گویند بہ آزاده عالی سر و پا برہنہ در لکھنؤ بسر می برد
راقم خاکسار درینو لاکہ ۹۶ لہ ہجری ست اشعار اورا
از لکھنؤ طلبیدہ قلمی نمود از دوست (۱۰ شعر)

۲۶۳- مجنوں ، حمایت علی ، اصلش دہلی و سکشن مرشد آباد از

شاگردان شاہ قدرت اللہ قدرت تخلص است -
ساتی نامہ حکم نواب مبارک علی خاں مبارک الدولہ
بہادر گفتہ از نظم ریختہ سلیقہ دوستی دارد -
باراقم آثم آشناست از دوست (۱ شعر)

۲۶۴- معین ، بدایونی ، شیخ معین الدین از تلامذہ مرزا محمد رفیع سودا

فکرش در اقسام ریختہ قادر و رغبت طبعش در مناظرہ و فر
ایمال کہ سال یک ہزار و یک صد و نو دوشش ہجرت
شنیدہ شد در لکھنؤ بسر می برد از دوست - (۳ شعر)

۲۶۵- مدعا - دہلوی ، میر عوض علی - بصفات حمیدہ آراستہ - در عبارت

و انشاء دستہ رساداشتہ - با حافظ الملک حافظ حجت خاں

مرحوم بعزت می گزیند - قصیدہ ریختہ در کتبہ خاں نواب
محبت خاں سلک نظم کشیدہ بغایت تسلط و اقتدار گفتہ و

زبان افغانی داخل آں کردہ از موز و ناں قرار داده است

(۸ شعر)

۲۷۶۔ مدح پش 'میرنی خان' بنیرہ خواجہ محمد باسط مغفور و شاگرد

میر سوزست بموز و نی طبع رنجتے بہ نظم ریختہ وارد
از دست :

یہا جس ناز سے تونے مرادل خدا جانے میں اس کو یا ترادل

۲۷۷۔ مصیب الدآبادی۔ موسوم بہ شاہ قطب الدین از افاضل و

اولاد شاہ حضرت اللہ الدآبادی ست۔ بزرگی خان

ایشاں عیان ست۔ مشار الیہ بصفات حمیدہ موصوف

بہ مسافر نوازی مصروف بود۔ مجتہ بار اقم آثم دآشہ

اکثر بہ نظم عربی و فارسی و گاہ بہ موز و نی طبع ریختہ می پردا

از دست :

کون گلشن میں گہو مشک کی بولاتی ہے

کہتے ہیں زلف کے کوچہ میں حیا جاتی ہے

۲۷۸۔ ممتاز دہلوی حافظ فضل علی از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا

در امانل خود ممتاز و مستثنیٰ بود۔ ثنوی در تعریف لاطعی

بہ بحر مخزن اسرار گفتہ فکرش استوار ست۔ از دست۔

(ثنوی کے شعر بھی ہیں — ۱۶ شعر)

۲۷۹۔ مشاق دہلوی میر حسن۔ احوال کہ عمد شاہ عالم بادشاہ است

عمرش کمبوت رسیدہ و سکونت در فیض آباد اختیار کردہ

بغیرت و انکساری می گزرا ند از دوست (۳ شعر)

۲۸۰۔ مشتاقِ عظیم آبادی۔ محمد قلی خاں خلف ہاشم قلی خان ست کہ چکے اند

عمدہ نذریان نواب زین الدین احمد خان بہت جنگ بہادر

صوبیدار عظیم آباد بودہ و مشتاق مذکور جو ایت بہ سلامت

ذہن و اخلاق حمیدہ موصوف و لعلم موسیقی ماہر اشعار

بسیار گفتہ این ابیات از افکار دوست (۴ شعر)

۲۸۱۔ منت دہلوی میر قمر الدین -

بہت اچھا اضافہ کیا ہے۔ یہ چھوڑ دیا۔

”از دوستانِ راقمِ اُتم منت“ (۸ سطر۔ ۳۲ شعر)

منت تخلص، میر قمر الدین نام۔ شاہ جہان آبادی۔ سلسلہ ان کے نسب کا ماں کی طرف

سے سید جلال بخاری کو پہنچتا ہے۔ وہ سید جلال جو بیٹے تھے سید عضد یزدی کے جن کا احوال

مفصل تذکرہ کاشی میں لکھا ہے۔ قراتوں کی تقریب اور پیوندوں کے سبب سے تربیت منت

مذکور نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے گھرانے میں پائی ہے اور کیفیت راہِ طریقت

معرفت کی فخر العارفین مولوی قمر الدین قدس سرہ کی خدمت سے آٹھائی ہے۔ عقدے

فن شعر و شاعری کے میر تقی میر الدین فقیہ تخلص کی فیض صحبت سے ان پر لکھے، اور میر نور الدین

نویہ تخلص کی برکت مجاہد سے دینی سستی و چپتی نظم کے طے ہوئے۔ صفائی بند

و حسن بیان میں فی الحقیقت استاد اور موشگافی معنی میں قلم اس کا رشک خامہ بہار۔

زبان فارسی میں کلک و غیر سنگ نے ان کے بہت کچھ لکھا ہے۔ نظم و نثر ملا کے قریب لاکھ

بیت کے کلیات ان کا ہے۔ مثنویاں متعدد انھوں نے کہیں اور کتابیں بیشتر نایف کیس چنانچہ
 شکرستان کر کے ایک نسخہ اس شیریں مقال کا بطور گلستان کے مشہور ہے، اور جواب اگر گلستاں کا
 کہیں تو کیا مقدور ہے۔ ۹۱ گیارہ سوا کا نوے ہجری میں دیرانی شاہ جہان آباد کے ہاش
 لکھنؤ میں ان کا آنا ہوا، اور میر محمد حسین فرنگی لقب کی بایزدی کے سبب مشاق ان کا وہاں
 ایک زمانہ ہوا۔ بعد چندے مرتبی گری سے میرذکور کے ممتاز الدولہ مسٹر تاجین بہادر کی سرکا
 میں قتل انھوں نے حاصل کیا، اور رفاقت میں صاحب مذکور کی لکھنے آکر عماد الدولہ گورنر
 مسٹر ہشین جلالت جنگ بہادر کی امانت کے باعث پیشگاہ نظامت سے صوبہ بنگ کے
 خطاب ملک اشرا کا لیا۔ بعد ایک مدت کے رفیق یہ ہمارا جٹلیٹ رائے کے ہوئے اور
 چند ایام زندگی کے اپنے طور پر بسر کئے۔ ۹۲ بارہ سو چھ ہجری میں نواب سر فرزاں الدولہ
 میرزا حسن رضا خاں بہادر اور ہمارا جٹلیٹ رائے واسطے کچھ سوال و جواب معاملات کے
 لکھنؤ سے لکھتے جو تشریف لائے، تو میر قمر الدین منت بھی ساتھ آئے۔ ایک تین چار روز
 تب محرق ان کو عارض ہوئی، اور بغیر جان کے لئے وہ تپ نہ لگی چنانچہ لکھتے اس سید
 غیب الدیار کا مدفن ہوا، اور تارہ استغیر قیامت دہی مسکن ہوا۔ یہ خلاصہ افکار اس منتخب نگار
 کا ہے۔

خشب نامے ہو گئے جھن سے دریا تم رہا	چشم میں اپنے نہیں اک عمر سے کچھ غم رہا
مے کوہ سے نل گئے اہل ہوس پی پی کے جام	انگلیں وہ ہوں کہ اس پیر مغاں میں جم رہا
کوہ ہے اس کی زلف سے دست صبا ہنوز	عقدہ ہوا پہ دل کا ہمارے نہ وا ہنوز
گل نکلے ہیں زمین سیتی بربگ شعلہ	کون دل سوختہ جلتا ہے تیر خاک ہنوز
گر نقشِ دوئی مٹائیں گے ہم	بچ کیوں کہ کیا کمائیں گے ہم

مصری سے وہ ہونٹ لگ دکھا دے کچھ گھول کے پی نہ جائیں گے ہم
 اس آنے کا کچھ بھی لطف پیارے ہر دم جو کہو کہجائیں گے ہم
 آئینہ دل جو تھا وہ ٹوٹا کیا اب تھیں منہ دکھائیں گے ہم
 تنو کوہ آتش کو چھاتی سے پیلتے ہیں کچھ عاشقی نہیں ہے ہم جی پہ کھیلے ہیں
 دل ہم ستم زدوں کا ہے واجب الترحم اس نیم قطرہ خوں پر سوز خم جھیلے ہیں
 خوانِ کرم پہ تیرے ہے سیر ایک عالم ہم بے نصیب اب تک پا پڑی بیلتے ہیں
 منت ایسے کو دل دیا تو نے اے مری جان کیا کیا تو نے
 مدعی اس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے پھر تمنا کو بیاں مردہ پا بوسی ہے
 بے مری طرح جگر خون ترا مدت سے اے حنا کس کی تجھے خواہش پا بوسی ہے
 تمت عشق عبث کرتے ہیں بھہر منت ہاں یہ سچ ملنے کی خواہش تو اکٹھی ہے
 لوئی اس بد مزاجی پر پتھارے پاس کیا بیٹھے ادھر تک ہم نے دم مارا ادھر تم منہ بنا بیٹھے
 میں سے ہر مان قافلہ اپنی تو رخصت ہے کہ اس وادی میں ہم تو ضعف سے جوں میں پنا
 لٹھے رہے جو اس کی نرم میں تو یوں لگے کہنے دکھاتا ہی یہ اپنے پاؤں کیوں ناحق کھڑا بیٹھے
 جو اتنی بات سن کر بیٹھ جاویں تو لگے کہنے ہنسی سے کہتے ہی اک بات کے بس آپا بیٹھے

نہ آوے باز یہ بندہ تو منت بد کمانے سے

تکلف بر طرف گر ساتھ اس بت کے خدا بیٹھے

کہاں ہم کو غصہ غم دل رو ہے گرہ زیر لب نغمہ آرزو ہے
 قدم رکھ گیا کون سینہ پر اپنے محلِ دلغی آج ہمدی کی بو ہے
 سنا تا تھا میں حالِ دل اس کو منت کہا چل بے میاں سے یہ کیا گفتگو ہے

آہوے تری چشم کی کب چھوڑیں تشبیہ جب تک کسی ساغر کو تو آنکھیں نہ دکھاوے
 اٹھ جائے کسی کے جو دل صاف سے پردا پر آئینہ دنیا میں کبھو منہ نہ دکھاوے
 بندے کو خدا کے نہیں جزدن شکنی کام کیا سنگ ہے دل شیخ کا اللہ سے پاوے

رباعیات

منت یک بار عشق سے توبہ کر چار و ناچار عشق سے توبہ کر
 اب تک مرد و دین دنیا رہتا آجانے دے یا عشق سے توبہ کر

منت جس شمع دل جلا جاتا ہے رو کا کب غم کا دلو لا جاتا ہے
 کیا جانے کیا غلط ہے سبب میں آج ہر سانس کے ساتھ جی جلا جاتا ہے

منت اے جان ان بتوں کو مت پوچھ مت کھو ایمان ان بتوں کو مت پوچھ
 ان باتوں پر تپڑ پڑیں تیسری عالم اللہ کو مان ان بتوں کو مت پوچھ

۲۸۲۔ مغموم۔ موسوم بہ رام جس ساکن لکھنؤ۔ از دل پرستگانِ مغموم
 عشق و مسلکان سرکار ممتاز الدولہ مقرر جانن بہادرت
 دریک ہزار دیک صد و نو و نہ ہجری بار اقم آثم و مبتلا
 ملاقی شد و اشعار خود را بیاوگا رآ صد و نو و نہ ذکرہ اختتام
 یاد۔ ایں ابیات از انجاست۔

(۲۳ شعر)

حرف النون

۲۸۳- ناجی - محمد شکر۔ ایک لفظ اضافہ نہیں (۴ سطر، ۱۲ شعر)

ناجی تخلص، نام اس کا محمد شکر تھا۔ شاہ جہان آبادی۔ شاہ نجم الدین آبرو تخلص کا معاصر تھا۔ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے وقت میں اس نے شہرت پائی ہے اور بطور قدما کے طرز ایہام میں کرتا طبع آزمائی ہے۔ خوش طبعی اور ظرافت سے بیشتر سروکار رکھتا تھا اور عالم کی ہجو کرنا شعار رکھتا تھا۔ شیوہ قدیم میں صاحب دیوان ہے، اور وضع سابق میں شاعر۔ خوش بیان ہے لیکن ازبیکہ غیر مرقع طرز ایہام ہے، کلام ان کا نامقبول طالع خاص عام ہے۔ یہ منتخب وراق اس کہنہ مشاق کا ہے۔

قوس قزح سے چرچا کرتا ہے تجھ بھول کا شاید کہ سر بھرا ہے اب پھر کر آسمان کا
نہ پوچھو خود بخود اس عارض غور شید کی خوبی لیا ہے داد سن ماہ مہر دلوں سے کر حید
مُحکوباتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کیا کیا لے چلا جی کے تیں مُنہ دیکھتا میں رہ گیا
تری نگاہ کی کثرت سے لے کہاں ابرو ہمارے سینہ میں تو دا ہوا ہے تیروں کا
مت کر آزاد دام زلف کے دل بال باندھا غلام ہے تیرا
سخن سن اس بُت کا فردا کا جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا
رنگ یرا گندی دیکھ اور بدن محلِ ساق ہوش کھو کر آدمی بھولے ہیں اپنی خود و خواب
دی ہے دریا اور پر بھجے مچھی لا آتا رہے میں اُسے کس گھات
مجت سوں علی کی دیکھ ناجی ہمارے دل مرا اب حیدر آباد
یک بار جو بعل میں توں اس سرو قد کے تیں بالابتاؤں خضر کی عمر ابد کے تیں
عاشق کو روتے دیکھ چڑھات بھول کے تیں برسات میں آتا رہے ہو کہاں کے تیں

زلف کیوں کھوتے ہو دن کو صنم — کلمہ دکھایا ہے تو موت رات کر دو
 ہو غرض ملے میں نہ آفت کچھ اس بے درد کو — پوچھتا ہے کانِ زلفا شن کے رنگِ زرد کو
 غم نہیں گرد لبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ — پاس میرے قرب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ
 ان بتوں کو ہم فقروں سے کہو کیا کام ہے — یہ تو طالبِ زر کے ہیں اور ماں خدا کا نام ہے
 وظیفہ راگنی کے سر میں زارہ کفرِ عیست پر — نہیں تسبیح تیرے ہاتھ میں یہ راگِ مالا ہے
 ہو اوجب آئینہ میں جلوہ گر میں تب لیا جو — جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ہے
 اتنا سختی بونے لگتا ہے اس کے زخمِ کابل — کٹاری آباد اس شوخ کی منصور خانی ہے
 اس کے رخسار دیکھو جیتا ہوں — عارضی میری زندگانی ہے
 تصور سے ترے رخ کے گئی ہر نیند آنکھوں سے — مقابل جس کے ہو خورشید کیونکر اس کو خواب سے

۲۸۴۔ نظام۔ مخاطب بہ نواب عماد الملک قازی الدین خاں ہبادر

فیروز جنگ ست۔ بعد احمد شاہ بن محمد شاہ۔ بختاب بخشی الملک
 و بزبان عالمگیر ثانی بختاب وزیر الممالک اختصاص یافتہ۔ و
 بعد چندے بنیان سلطنت برانداختہ بالجملہ در شجاعت و ہمارت
 بعض از فنون و سرعت فہم از امرائے ایں عہد ممتاز است۔
 خط را زیبا می نویسید۔ و زبانش با اکثر محاورہ استخفا۔ درینولا
 کہ سال یک ہزار و یک صد و نو دو پنج ہجری باشد شہیدہ شد کہ
 اندنایج اعمال بجا ب سبب در کمال تفرقہ می گزرا نہ شعر
 فارسی و ہندی می گوید۔ از دوست :

(۲ شعر)

۲۸۵- نعیم۔ دہلوی نعیم اللہ۔ علی لطف نے حاتم کے ساتھ مقابلوں کے
ذکر کا اضافہ کیا ہے۔

(۲ سطر۔ ۴ شعر)

نعیم تخلص، نعیم اللہ نام، بیٹوں شاہ جہان آباد معاصر محمد حاتم حاتم تخلص کا تعلق چنانچہ
اکثر مشاعروں میں گفتگو میں فز و ایما کی ان کے درمیان آئیں ہیں اور مکرر غزلیں انہوں نے
باہم لڑائی ہیں۔ ایک دن محمد حاتم نے مشاعرے میں یہ غزل پڑھی، اور مطلع میں غزل کے
مطر محمد نعیم پر کی۔

جس جن سے کوئے یار کا حاتم نعیم ہے بدتر اسے خزاں سے بہا یہ نعیم ہے
جب دودھ پڑنے کا محمد نعیم تک پہنچا تو انہوں نے بھی مطلع غزل یہ پڑھا ہے
طلب نہ ہو تو سیلماں کی کچھ بھی ظلم ہے لبِ سوال نہ ہو دے تو بیچ حاتم ہے
غرض نعیم مذکور نے مرتے دم تک دلی نہ چھوڑی، اور شاہ جہان آباد ہی میں سیر
جنت نعیم کی۔ ایک دیوان مختصر زبان ریختہ میں اس کمن استاد سے ہے یہ اس کے
طبع زاد سے ہے۔

اس وقت تک اے یار و گفتار نہ کیجے گا اس فتنہ عالم کو بیدار نہ کیجے گا
احوال میرا سن کے کہنے لگا وہ ظالم اب جاتے بس زیادہ مکرار نہ کیجے گا
خیال کر کے ترے موکر کو روتا ہوں وہ کیوں نہ رووے پڑے جس کے بال آنکھوں میں
دیکھ آئینہ خانے میں گر تجھ کو نہیں باور تجھے تو جہاں میں بھی دلدار بت ہوں گے

۲۸۶- میر غلام نبی بلگرامی خواہر زادہ میر عبد الباقی بلگرامی۔ معلوم

متاد و موسیقی ماہر گویند زبان ہندی دوہزار و چار

دوہرہ گفتہ کہ پہلو بہ دوہرہ بے بہاری می زند۔

(۲ شعر)

۲۸۷- تشار- اکبر آبادی- میر عبدالرسول آبائش از منصب داران فرخ سیر
بادشاہ بودند و او بسیار سنجیدہ الطوارہ دوستدار میر تقی میر بود گویند

از صحبت میر مذکور بوزنی طبع مشہور شد از دست (شعر)

۲۸۸- تشار دہلوی سدا سکھ- از ابیاتش انچہ نظر آمدہ ایں بیت
امیتانے داشت:

کیا سنگار رجھانے کو کس کے تم نے چشم

کہ باں بال درِ اشک جو پروے ہیں

۲۸۹- ندیم- دہلوی شیخ علی قلی آستانہ شرف علی خاں فغان ست

از دہلی بہر شد آباد آمدہ بہر کار نواب میر جعفر خاں نسلک

داشت و ہمدان عہد وفات یافتہ- مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام

اکثر می گفت- از دست:

بے قرار عشق کو میر زندگی نقص کمال

مرحلی سیاب تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

۲۹۰- نادر دہلوی ساکن کوئلہ فیروز شاہ- معاصر محمد شاہ مرحوم بغایت

کم فکر بود از دست:

(شعر)

۲۹۱- نالال- دہلوی- میر احمد علی خود را از تلامذہ مرزا رفیع سودا

می شہد را تم در شد آباد اورا دیدہ استعدادے

(شعر)

نداشت از دست:

۲۹۲۔ نالال۔ عظیم آبادی۔ میر وارث علی غلٹ میر زرانی بوطش قصبہ
 بہارست۔ اما سکنے عظیم آباد اختیار کردہ بسر داری
 شیشہ گراں اعتبار دارد۔ جوان بنجیدہ اطوار از تربیت یافتگان
 مرزا اشرف علی خاں فغانست۔ الحال کہ سال یک ہزار و
 یک صد و پنج ہجری باشد در ہماں بلکہ بسر
 می برد (۲۵ شعر)

۲۹۳۔ نجات۔ دہلوی شمع حسن رضا۔ بعد ویرانی شاہ جہاں آباد کہ
 بردست احمد شاہ درانی اتفاق افتادہ۔ وارث عظیم آباد
 گردیدہ و مدتے در حواریا طفت عی حاجی احمد علی قیامت
 تخلص بسر بردہ و الحال از چند سال در وہ ہے از دہات
 سرکار سارن مضاف صوبہ بہار سکے اختیار کردہ۔ بغایت
 سلیم الطبع و بنجیدہ اطوار و از دوستان این خاکسارست
 مرثیہ سید اشہد اعلیہ السلام بیشتر و دیگر اقسام نظم را کمتر می گوید
 بدین جہت فکرش مرتبہ تمامی حاصل نہ کردہ۔ این چند شمار
 ازوے ستودہ اطوارست۔ (۳ شعر)

۲۹۴۔ نزار۔ خواجہ محمد اکرم از شاگردان میر محمد تقی میرست (۳ شعر)

۲۹۵۔ نالال۔ دہلوی محمد عسکر علی خاں از شاگردان قائمست
 تعاضد نظر کہ بار کا پیغام آگیا : قاصد تو لاج زور میرے کام آگیا

حرف الواو

۲۹۶- ولی۔ دکنی شاہ ولی اللہ۔ صلح گجرات۔ در شہرے دکن
مشہور و ممتاز است۔ گویند در زمان عالمگیر بادشاہ بہندو
آمدہ مستفید از شاہ گلشن گردید۔ از شاہیر رنجہ گویاں، و
اول کسے ست کہ دیوانش در دکن مشہور و مدون گشتہ
ایں ابیات منتخب دیوانِ اوست :

راں ہی چند الفاظ کا ترجمہ نطف نے
اس طریقہ سے کیا ہے کہ مطلب بدل جاتا ہے! شاعر

دلی تخلص، شاہ ولی اللہ نام، دکنی وطن بزرگوں کا اس کے گجرات ہے شاعر
بلند مقام تھا۔ اول زبان ہندی میں دیوان اس عزیز نے جمع کیا ہے اور نظم رنجہ کو سرزمین
دکن میں رواج اس نے دیا ہے۔ شعراء دکن میں مشہور و ممتاز ہے، اور اپنے معاصروں میں
سر بلند اور سرفراز۔ عالمگیر بادشاہ کی سلطنت میں ہندوستان کی طرف آیا، اور میان گلشن کے
فیض خدمت سے فائدہ انواع و اقسام کا اٹھایا۔ خوب خوب داد و تلاش معنی کی دی۔ آخر
اس بیت بے معنی بے وجود سے راہ کا نشانہ عدم کی لی۔ یہ اشعار اس سر بلند افکار کے
ثبت جریۃ روزگار ہیں۔

پھر میری خبر لینے کو صیاد نہ آیا شاید کہ اسے حال ہدایا دہ نہ آیا

ببل و پروانہ کرنا دل کے تئیں کام ہے تجھ چہرہ گل ناز کا
 آرزوئے چشمہ کوثر نہیں تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا
 گزر ہے تجھ طرف ہر بو الہوس کا ہوا دھاوا مٹھائی پر مچس کا
 صحن گلشن میں جب خرام کیا سرو آزاد کو غلام کیا
 پھرتے ہیں سیامت ہونے شیر نظرے بن بند آن انگوں کو کپڑا کون سکے گا
 ہے نقش کنارے کا ترے جامہ کے اوپر دامن کو ترے ہاتھ لگا کون سکے گا
 جب تجھ عرق کے وصف میں جاری قلم ہوا عالم میں اس کا نام جو اہر رقم ہوا
 نقطہ پیرے خال کے بازو چھو جس نے دل وہ وارے میں عشق کے ثابت قدم ہوا
 مڈانے منہ پر ترے باپ جس باپ کیا قد بلند کو ترے تمام ناز کیا
 تخت جس بے خانماں کا دشت ویرانی ہوا سرا پر اس کے گبول تاج سلطانی ہوا
 حسن تھا پردہ تجھ میں سب آزاد طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ
 حاکم وقت ہے تجھ گھر میں رقیب بدخو دیو مختار ہوا ملک سلیمان میں آ
 بسکہ مجھ حال سوں ہمسرے پریشانی میں درد گہستی ہر درازن تھے کان میں آ
 شعل بہتر ہے عشق بازی کا کیا حقیقی دیکھا مجازی کا
 ہرزباں پر ہے مثل شانہ دام ذکر تجھ زلف کی درازی کا
 دل صد بارہ تجھ ملک سوں زندہ جا خرقہ دوزی ہے کام سوزن کا
 آیا ہے نقل لینے ترے منہ کی تاب کی تا خطوط سیستی بنا مسطر آفتاب کی
 بجائے گزشتہ سرود قد کو بنادیں چوب سے طوبی کے تابوت
 نکلا ہے بے حجاب ہو بازار کی طرف ہر بو الہوس کی گرم ہوئی ہر دکان آج
 کیا ہے دفع مرے درد سر کو روکنے نے ہوا ہے حق میں مرے خون دیدہ صندل سرخ
 رحم بے جاکسم برابر ہے تو رقیباں اوپر کرم مست کمر

جو آیا مست ساقی جام لے کر گیا یکبارگی آرام لے کر
 میں اُس کو جوں نگیں کرتا ہوں سجدہ جو کوئی آتا ہے تیرا نام لے کر
 میں نہ جانتا تھا کہ تو نادان ہے دل دیا تھا تجھ کو دانا بوجھ کر
 ہوں گرچہ خاکسار و لے از رہِ ادب دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز
 لبِ دلبر پہ جسلوہ گر ہی خال حوضِ کوثر پہ جوں کھڑا ہو بلال
 صنم کے لعل لبِ وقتِ تکلم رگِ یاقوت ہی موجِ بستم
 نہ جا آنکھوں میں آنجھ دل میں اے شوخ کہ ہی خلوت میں اُس کے خوفِ ہر دم
 ٹپک ولی کو صنم جھلے سے لگا تجھ کو ہے بندہ پودری کی قسم
 اُس کے دہنِ تنگ کی تعریف کو میں نے صنعت سے ولی دیدہ عقاب پہ لکھا ہوں
 خوبیِ اعجازِ حسنِ یارِ گراں نشا کروں بے تکلفِ مغرور کا غزیدہ بھیا کروں
 کیا کہوں تجھ قدر کی خوبیِ سرورِ اسے صنو خود بخود رسوا ہی اُس کو اور کیا رسوا کروں
 سر کروں جب وصفِ تیرے جاہِ گلِ تنگ کا جامہ زیبوں کو بہ رنگِ جامہ دیا کروں
 رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اسباب زیور لبِ فخرِ سبحانِ اللہ کی سہی کروں

آرزو دل میں ہی ہے وقت مرنے کے ولی

سرودِ قد کو دیکھ میرِ عالم بالا کروں

ایک بار اگر بات مری گوشِ کرے تو مٹنے کو رقیبوں کے فراموش کرے تو
 غیرت سے کرے چاکِ گریباں دلِ پرغوں گر گل کی حامل کو ہم آغوش کرے تو
 لے جان ولی وعدہ دیدار کو اپنے

ڈرتا ہوں مہاداکہ فراموش کرے تو

ایسے نصیب میرے کہاں ہیں ولی کہ آج اُس گلِ بدن کو اپنے گلے ہار کر رکھوں
 خوش تھا دل کو بند کس قسمیں نام اپنا بلند کرتے ہیں

اے سامری تو دیکھ مری ساحری کسے تیں شیشہ میں دل کے بند کیا ہوں پری کسے تیں
 صحبتِ غموںں جایا نہ کرد درد مندوں کو کڑھایا نہ کرد
 اک دل نہیں آرزو سے خالی بر جاے محال اگر خلا ہے
 کیوں کہ کپڑے رنگوں میں تجھ غم سے عاشقی میں لباس ہوتا ہے
 رہیں گے خاک ہو تیری گلی میں وفاداری ہماری اس قدر ہے
 دیکھنا تجھ قد کا اے نازک بدن باعثِ خمیازہ آنغوش ہے
 اب خلاصی عشق سے ممکن نہیں دامِ دل زلفِ دوامی پوش ہے
 نشہ بخشِ عاشقانہ ساتی گلغام ہے جس کی آنکھوں کا تصور بخودی کا جام ہے
 منطی سب بہار کھوتی ہے عشق کا اعتبار کھوتی ہے
 ترا منہ مشرقی حسنِ انوری جلوہ جالی ہے لبیں جامی، جسیں فردوسی و ابرو دہلائی ہے
 مت تصور کرو مجھ دل کو کہ بہرائی ہے چینِ حسنِ پری رو کا تماشائی ہے
 گلِ رفاں کیوں نہ کہیں تجھ کو سکندر طالع جلوہ گر ہیں ترے جامہ دارائی ہے
 شیخِ منت گھوسوں گل آج تو خواباں کے حضور گولِ دستار ترا باعثِ رسوائی ہے
 اے ولی مہنے کو دنیا میں مقامِ عاشق

کو چہ یار ہے یا گوشہ تہائی ہے

دل چھوڑ کے یار کیوں کہ جاوے زخمی ہوشکار کیوں کہ جاوے
 چھوڑے شوخ طہر ز خود کامی مت ہو مریدہ باز کا دامی
 جب تک نہ ملے شرابِ دیدار آنکھوں کا خمار کیوں کہ جاوے
 تجھ لب زلف کے تاشے کو چل۔ کہ آئے ہیں مصری و شامی

خوشی از مریدان حضرت خواجہ جعفر و برادر کلاں محترم علی خاں
 حشمت ست بہ شجاعت و مروت و استقلال از نواد بر
 روزگار بود۔ اس خاکسار را ہنگام فترات نواب میر محمد
 قاسم خاں مرحوم بآں شید عالی مقدار اتفاق ملاقات و داد
 بغایت وقار و عزت مشاہد افتاد در سن کموت بعد دولت
 نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ مرحوم رحلت نموده اس
 ابیات یادگار اوست۔ (۳ شعر)

۲۹۸۔ وارث، الہ آبادی، محمد وارث نجو شش فکری انصاف دہ
 راقم آئم در فترات نواب عالی جاہ میر محمد قاسم خاں مرحوم
 اورادر الہ آباد دیدہ است بہرہ از علوم رسمہ داشستہ۔
 ازوست۔ (۴ شعر)

۲۹۹۔ ولی دہلوی۔ مرزا محمد ولی۔ اضافہ نہیں کیا مطلب
 خط کر دیا ہے۔)

(۳ ۱/۲ سطر، ۱۵ شعر)
 ولی تخلص، میرزا محمد ولی نام بتوطن شاہ جہان آباد کے پیچھے ہیں۔ شاہ ہزار
 صاحب ارشاد کے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے احوال اس
 نجات کردار کا کہ شاہ جہان آزاد حال اور دوست ہے اس خاکسار کا۔ سلاطین گیارہ سو
 چورائے ہجری میں بلکہ مرشد آباد کے اندجائے قرار رکھتے تھے، اور بیشتر شغل
 اشعار، زبان ریختہ میں انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے، اور دیوان بھی ان کا منتظم ہوا۔

یہ منتخب افکار اُس ستودہ اطوار کا ہے:

نشہ رے سے مرا پڑ مردہ دل گلشن ہوا — یہ چراغِ مردہ فیضِ آب سے روشن ہوا

دل تجھے منظور ہو اُس کا اگر دیکھنا — جان سے دھو ہاتھ کو تب تو ادھر دیکھنا

زلف کو بے کھوتا اپنے وہ منہ پر ولی — ملتی ہے آپس میں اب شام و سحر دیکھنا

آہ کا اُس کو کچھ اثر نہ ہوا — میرے اس نخل میں غم نہ ہوا

بے کسی پر مری کے کوئی — تجھ بن اے نالہ نو حہ گرنہ ہوا

صحبتِ نیکان کرے دل میں بدوں کے کیا اثر — قذکب شیریں کہ ہوئے اگر بادامِ تیغ

کیا تمنا اُس شکر لب سے تو رکھتا ہر ولی — ہو گیا فرما د کا شیریں سے آخر کامِ تیغ

تھی آشنا نہ تیغ سے اُس کی کمر ہنوز — ہم تب سے ہاتھ پر لئے پھرتے ہیں سر ہنوز

آنکھیں بھی انتظار میں پتھر اگئیں ولی — قاصد پر اُس صنم کی نہ لایا خبر ہنوز

میری زبانِ تر سے نہ ہوتا زہِ کامِ خشک — کب میرا آپ تیغ سے ہووے نیامِ خشک

کبھی جو زلف اٹھاوے تو منہ نظر آوے — اسی امید میں گزری ہے صبح و شام ہیں

زندگی کی اُس نے کچھ لذت ولی جانی نہیں — جس کے دل میں دردِ عشقِ دلبر جانی نہیں

چاہے کیوں کر کہ یہ جی تن سے نکل جانے کو — پھر نہ آیا جو گیا اُس کی خبر لانے کو

جہاں گر کروں دل کے سوز نہاں کو — لگے آگ جوں شمع میری زباں کو

کبھی درد کی چاشنی کو نہ بھولے — مہاکاوے میرے اگر استخوان کو

حد سے زیادہ رشتہ الفت ہر مختصر — ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑے اب جدا گروہ

ہجر کی مارے ہی ڈائے ہر شبِ تار بھجے — کب دکھاوے گا خدا صبحِ یخ یا ر بھجے

دانہ خال دکھا کر کیا تو نے صیاد — زلف کے دام میں آخر کو گرفتار بھجے

جس جگہ عشقِ رخسارِ تاخت ہے — وہاں رستمِ حواسِ باختہ ہے

نگہِ گرم سے پری روکے — شیشہ دل مرا گداختہ ہے

جو اہل میگوں سے مدہوش ہووے اُسے ہر دو عالم فراموش ہووے
 بند قباچیں جو وہ یار داکرے لے برگ گل کو ہاتھ میں نکھا مبارکے
 ۳۰۰۔ وفا۔ لالہ نون رائے نہیں برادر راجہ گلاب رائے دیوانہ لعل
 نجیب خان ست شہنشاہ تحصیل فضائل دہشتہ طبعش مائل

نظم افادہ است از دست: (۲ شعر)

۳۰۱۔ وحشت۔ دہلوی۔ میرا جو آسن نیرو تیر انداز خاں از شاگردان
 مرزا محمد رفیع سودا است: (۲ شعر)

۳۰۲۔ وحشت۔ میر بہادر علی۔ از منہکان سکر نواب وزیر الممالک
 شجاع الدولہ مرحوم بود۔ گویند بارہ ماسہ بطوریکہ کمانی
 گفتہ۔ اما بنظر مولف نرسیدہ از دست: (۲ شعر)

۳۰۳۔ واقف۔ دہلوی شاہ واقف از درویشان صاحب کمال ست
 بہرہ از علوم رسمہ دارد و در دولت نواب وزیر الممالک

شجاع الدولہ بہ تہمت خواندن دعوت در پیرہ سپاسیان
 افادہ بود و در ان حال غزلے گفتہ مطلعش انیت:

وقت آیا ہر کہ ہوں شاہ و گداہرے میں

بے خطاہرے میں اور اہل خطاہرے میں

آخر کار از قید نجات یافتہ۔ الحال کہ یک ہزار دیک صد و نو و

چار ہجری باشد و کفّہ آقامت دارد۔ از دست: (۱۰ شعر)

۳۰۴۔ وصل - مرزا اسحاق ولد حاجی بابر ہیم ابن آقا مدبر مصنفانی ست
از دہ تے در لکھنؤ کسری برد و نسبت شاگردی با شاہ مولیٰ خان
الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و نو دہشت ہجری ست
اشعار اس ستودہ اطوار از لکھنؤ طلبیدہ مرقوم نمودہ شد
اکثر مثنوی گوید و گاہے بغزل ریختہ می پردازد۔
ایں اشعار از دست : (۶ شعر)

۳۰۵۔ وہم - میر محمد علی خلیف میر محمد تقی خیال کہ صاحب بوستان خیال
دریں وزما در لکھنؤ می گزرا ندو در سرکار لوٹ زیر الممالک
آصف الدولہ بہادر انسلک دارد۔ از دست :

جا کے اُس سے آنا اب کوئی

ہے ترے غم سے جاں لب کوئی

۳۰۶۔ والہ - دہلوی میر مبارک علی پسر ارشد شاہ قدرت اللہ قدرت

تخلص ست از غلام طاہر اصلا بہرہ منڈیت ابابخص

موزونیت طبع و فیض صحبت شاہ مذکور ریختہ

می گوید دور مرشد آباد اقامت دارد۔ از دست

ہوئی ہے مشتعل میسر دل بیتاب میں آتش

نہ دیکھی تھی کسی نے اب تلک سیاب میں آتش

حرف الہا

۳۰۶۔ ہدایت۔ دہلوی شیخ ہدایت اللہ (کوئی اضافہ نہیں)

(۳ سطر ۸۵ شعر)

ہدایت تخلص شیخ ہدایت نام اس مرد کا۔ شاہ جہان آبادی معتقد اور شاگرد خواجہ
میر درد کا ہے۔ ایک مثنوی انھوں نے بنارس کی تعریف میں بہت خوب لکھی ہے اور داد
مضمون تراشی کی دی ہے۔ شاعر صبح بیان ہے اور ناظم شیرین زبان۔ دیوان مختصر زبان ریختہ
میں طبع زاد سے اس کے ہے اور گم شدگان راہ مثنیٰ کو مشیر ہدایت اس کن استاد سے ہے
یہ منتخب کلام اس شاعر بلند مقام ہے۔

جب لوں ہوں ترا نام ٹپک پڑا ہی آنسو جس طرح کہ سہرن کا ڈھلک جاتا ہے منکا
جسے کہ زلفِ سیہ نے تری دسا ہوگا غم وہ مر ہی گیا ہوگا کیا جیا ہوگا

جوں پنجہ تو سے صدف میں ہوں سرگیاں ہے سخنیں زباں پر نہیں مقدور سخن کا
نہ رم اس کے ہے ہی میں دل میں اپنے صبر ہمارے گزرے گی کیونکر اسی کیسا ہوگا

ہو گیا ہوں میں زرد جوں خورشید ظاہر وقت ہے اخیر مرا

مستام صبر و دل و دیں تو یاد کوٹ گیا نہ خلف وعدہ کیا پر ترانہ جھوٹ گیا

بلا ہی زود ہے اس دختِ رزکائے ساتی خار جس کا مرے ہاتھ پاؤں کوٹ گیا

ٹاپے جا کے یہ آخر کو سادہ رویوں سے اگرچہ آئینہ تھا دل پہم سے چھوٹ گیا

ہے آدمی کو بھی قید حیات اک زنداں کسی نے خوب کہا ہی مواسو چھوٹ گیا

آتش سے دُعا دل کی سراپا میں جل گیا گلزار چو بے کیا کہ بدن سنا پھل گیا

دوبے ہے کیا جوانی پہ اپنی کہ بے خبر شب کیا اگر گئی ہے کہ بدن بھی بوس گیا

لب پر ہزار حرف شکایت کا تھا، مجھ کو دیکھتے ہی پہ کچھ دل بہل گیا
 ہر بخت دل گلے کا مرے ہار ہو گیا
 ہے کس کے جی میں خواہش سیرِ چین نہاں
 گل تھا پر اپنی چشم میں یہ خار ہو گیا
 آیا ہوں تنگ کش مکش دام زلف میں
 سینہ تمام واغوں سے گلزار ہو گیا
 بوسہ طلب کیا تھا فقط ادھکھ نہیں
 یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا
 میں اتنی بات کہتے گنگار ہو گیا

کچھ ان دنوں ہے حال ہدایت تراباہ

نیکوں میری جان کیا تجھے آزار ہو گیا

عالم کو تیری چشم نے بیوش کر دیا
 جس کی طرف نظر گئی مدوش کر دیا
 جاتا رہا ہوں آپ بھی میں اپنی یاد سے
 کیا جانے کہ کس نے فراموش کر دیا
 مجلس میں اس کی رات ہدایت سوز
 یہاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا

نے جم رہا جہاں میں نہ یہ جام رہ گیا
 مردوں کا اس جگہ میں مگر نام نہ چھ گیا
 کوئی پھر نہ ملک عدم سے تواب تک
 پایا جہاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا
 دیکھا جو تیرے چشم و دہن کی تو شرم سے
 تمہ اپنا لے کے پتہ و بادام رہ گیا
 آتی ہے آج تجھ سے تو کچھ اور بوسیم
 رات اس چین میں کن گل اندام رہ گیا
 کیا دن تھے وہ بھی آہ ہدایت کجی تو
 راقوں کو اپنے پاس وہ گلہام رہ گیا
 مدت ہوئی ہے اب تو ملاقات بھی نہیں
 آنے سے بلکہ نامہ و پیغام رہ گیا

اک دن بھی مہربان نہ وہ بے وفا ہوا
 لئے آہ و نالہ سحری تم کو کیا ہوا

ہر ایک دانہ انگور میاں شراب ہوا
 ولے یہ آبلہ اپنا نہ کامیاب ہوا

نہ صحن باغ میں گلتا ہر جی نہ صحرا میں
 ہوا ہوں آہ میں یار کس انجن سے جدا

دیکھا اس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا
 بس میری جان دہی میاں میں چمک گیا

دیکھا میں ہی ہم نے ہدایت کو ان دنوں
 شاید کسی جگہ یہ دن میں کا ملک گما

عشق میں خواہاں کے ہر طرزِ ستھماری بہت آہ دلزاری ہی کم میاں در آزاری بہت
 مار ڈالا ہند کے کافراؤں نے نہیں حسن میں ان کے نمک اور طرح داری بہت
 نہ ملے کارواں سے ہم اے واٹے گرچہ کتنا جرس پکار رہا
 یار ہو ہم میں ہدایت جلوہ گر جس طرح ہو گوہر پیکتا میں آب
 پر نہیں معلوم ہرگز آپ کو آب میں دریا ہے یاد دیا میں آب
 تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات روتے روتے ہی گزری ساری بات
 دل تو سمجھائے سمجھتا ہے کبھو پر ہدایت چشم تر کا کیا علاج
 کتنی ہی نہیں یہ ہجر کی شب یارب کیا آج سو گئی صبح
 تو نے گر قتل کیا ہم کو صنم خوب کیا ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار تھے ہم
 قیس دوں مر گیا فرما دی وہ شکل ہوئی آہ اس کوہ و بیاہاں میں کئی یا رستم
 تم نہ فرما کسی کی نہ فیاں سننے ہو اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے
 عصاے باتھ آئی سن مجھے گلشن میں آئی ہو یہ نگرں باوجود اس کے کہ ہو معذرت کھوں
 چولی مسک رہی ہو اور انکھیں ہیں رسی سچ کہیو ہم سے رات پیارے کہاں رہے
 کرتا نہیں بے جانے کو دل کو تھے یار سے گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو بیاں رہے
 کیا خاک کو مری کہیں گلشن میں جا نہ تھی پر چشم تجھ سے ہائے مجھے یہ صبا نہ تھی
 سیرچن ہوا درے و صحبت و طرب ایسی گئی کہ ہم سے گویا آشنا نہ تھی
 گلشن کو دوستی کے میں دیکھا چمن چمن جز بوئے خون دل کہیں بوئے فانا نہ تھی
 صنف سے بیٹھائیں جوں نقش قدم تو کیا ہوا گرد باد آسامری طینت میں ہے آوارگی
 ہوتے جب صد پیش و عشرت ہم کو تیرا دید ہے مل گئے جس دن گلے تیرے اسی دن عید ہے
 دل مرا کیوں کر ہو غافل گور سے گھر نظر آتا ہے اپنا دُور سے
 آنکھ سے آنسو کبھو تمنا نہیں چشم بھی کیا کم ہے یا سَور سے

دل نہ کر تو شکوہ جورِ بتاں فائدہ کیا یا ر اس مذکور سے
 گرت یہی جور اور جفا ہے بندے کا بھی ملے بتاں خدا ہے
 غرض یہی ہے مجھے اشک کے بہانے سے کہ مر باں ہو وہ یا رب کسی بہانے سے
 بڑگ اشک آسے آبرو ہے دنیا میں جو اپنے گھر میں ہے محفوظ آبِ دلانے سے
 وہ کیا کہے کہ محبت کا اقتضا ہے یہی دگر فائدہ آس کو مرے ستانے سے
 کہیں جو مرد وفا ہو جہاں میں یا اخلاص الہی آٹھ گئی یہ رسم کیا زمانے سے
 میں چھوڑتا ہوں کوئی آس کو مثلِ طلقہ در یہ سر لگے مرا آس کے آسانے سے
 آنکھوں نے تری جس کے تیس مت کیا ہو وہ شور قیامت سستی ہشیار نہ ہو دے
 آتا ہے مجھے رحم ترے حال پہ زرا ہر لے دئے آس اوپر کہ جوئے خوار نہ ہو دے
 کیا کہوں تجھ سے ہدایت کہ مری شام و سحر یاد میں زلف و رخ یار کے کیوں کر گزری
 دن گزرتا ہے مجھے روز قیامت سے دراز رات گزری تو شبِ مرگ سے بدتر گزری
 پختہ مغز ان جنوں سے ہر کسی کو جنگ ہے جو ترچا سو پا مال جھائے سنگ ہے
 عشق نے تیرے مجھے یاں تک کیا ہے ناقوس تا رب آنا نفع کو راہِ صدفِ سنگ ہے

ان دنوں کچھ تو ہدایت ہو گیا ہے زرد سا

ظاہر عاشق کسی پر ہے ترا کیا رنگ ہے

صدقے ترے گلزارِ جی سے اک جی سے ہیں کیا ہزار جی سے
 کھٹکے تری نثر ہر اک وقت نکلا نہ کہو یہ خار جی سے
 گھر سے نکلتے تو جی ساتھ نکل جاتا ہے کوئی قیامت ہے کہ یہ آہ دلی محزون ہے
 زلف کچھ تمنا اوپر جو چھوڑی ہے کیا صید ہے مٹتا تھوڑی ہے
 چشمہ خوں سے دامنِ دریا آئین کس نے یاں بچوڑی ہے
 شاخِ گل خم نہیں کسوں نے کیا اٹھ معشوق کی مڑوڑی ہے

عمر کوتاہ کارِ عمر دراز
 ایک وہ ماہِ رونقِ غائب ہے نظر سے دور
 وہی تارے ہیں وہی ماہِ وہی گردوں ہے
 بنا خواب ہو بنیادِ بت پرستی کی
 جو سر بلند ہیں اُن کو ہر فکرِ پستی کی
 کس کی مجلس سے ہم آداس گئے
 سنتے ہی بس مرے حواس گئے
 کوئی ایسی شکل ہو دے کہ ٹک جی بس سکے
 ہدایت بھی تو کوئی زد ہے نہدا شکستہ ہے

رباعی

نہایت کوئی اپنے جسم و جاں سے نہ پھرا
 ایک شخص ہزارِ شنگاں سے نہ پھرا
 کوچہ تو ترا رو عدم سے نہیں کم
 جو کوئی گیا تو پھر وہاں سے نہ پھرا

رباعی

دلِ عبدِ شہاب ہو چکا ہے باقی
 پیری ہے سو اس میں کیا رہا ہے باقی
 ہوتا ہے کوئی دم میں یہ دورِ آبِ آخر
 شب گزری ہے روزِ رہ گیا ہے باقی

۳۰۸۔ ہادی - دہلوی - زبانی شیخِ فرحت شیندہ شد کہ استعداد

نداشتہ این بیت بنام او مشہورست :

نقدِ دل دے کے میں لیا بوسہ

یہ تو سودا دیئے لئے ہی بنی

۳۰۹۔ ہویدا - میر محمد اعظم برادر میر محمد معصوم دہلوی ست اکثر مرثیہ

امام حسین علیہ السلام می گوید و بسبب نوشتی کمتر فکر رنجہ
می کند۔ باسولف آشناسات این ابیات نامزد اوست (۳ شعر)

۳۱۰۔ ہدایت - ہدایت علی معاصر شیخ فرحت اللہ فرحت بود۔ ازوست

ڈھلے ہی پڑتے ہیں باہر ہر ایک طفل سرشک

رکھوں میں کب تک ان کو سنبھال آنکھوں میں

۳۱۱۔ ہمدرد غنیم آبادی - خلف میر محمد حیات حسرت ست - اشعار

خود را از نظر شاہ قدرت اللہ قدرت و دیگر موزونان

مرشد آبادی گزرانہ و در میان بلدہ اقامت دارد -

از دوستان فقیر ست - ازوست : (۶ شعر)

۳۱۲۔ میر مہنگا دہلوی - شیندہ شد بریکے تعلق خاطر داشت - رقیب

بہ حسد کشتند - این رباعی یادگار اوست (۲ شعر)

۳۱۳۔ ہاتف میرزا محمد شیندہ شد در دہلی اقامت دارد - درویش

بسمی برد :

مت پوچھ ہمیش کہ جہاں میں کہاں رہے

دل جس جگہ کہ لگ گیا اپنا وہاں رہے

حرف الیا

۳۱۴۔ یقین دہلوی، انعام اللہ خاں - کوئی اضافہ نہیں (۷ سطرہ ۲۲)

یقینِ تخلص، انعام اللہ نام شاہ جہان آبادی۔ بیٹا انور الدین خاں اور فراس
شیخ مجدد الف ثانی کا تھا۔ شاگرد میرزا منظر جان جاناں کا، مشہور اور منظورِ نظر مرزائے ملک
اکثر یہ گمانی باشندگانِ شاہ جہان آباد تھا کہ یقینِ فنِ شعرو شاعری میں محض بے استعداد
مرزا منظر خود شعر کہتے تھے اور نام اس کا داخل اشعار کرتے تھے۔ مارے جانے کو اس کے
بھنے تو یوں نقل کرتے ہیں کہ احمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں بہ سبب کسی حرکتِ متعول
کے وہ صادر نہ ہوئی تھی یقین سے، باپ نے اس کے اس کو قتل کیا، اور نعل کی اس کو
دیا میں بہادیا۔ اور بھنے کہتے ہیں کہ ارتکاب اس عملِ شنيع کا گزرا تھا۔ اس کے باپ کے
وصیان میں کہ وہ ممنوع ہے جمیع ادیان میں یقین نے اس مقدمہ میں باپ کو منہ کیا۔
ایک دن اُس نے خطا ہو کر اس بیچارے کا جی ہی یا علم غیب کا بدستی خدا کو ہے
اور یقین گمانوں کا بالکل اس خالقِ ارض و سما کو ہے۔ ہر حال یقین مذکور کا کلام طبائع
کے مرغوب ہے اور اشعار اس کے جاں خروشِ دل کو ب۔ یہ ابیات آبِ دار
اُس کا خلاصہ افکار ہیں۔

نہ مرتا میں اگر صدے ترے جانے کے کام آتا
مگر نہ ناز کا تھا گالیاں کھانے کے کام آتا
میں تو ظاہر نہ کروں اُس کی جفا کو لیکن
چھپ سکے کیوں کہ یقین زخمِ مایاں میرا
مجھے گر حق تعالیٰ کا روزِ مائے جہاں کرتا
بتوں کو میں بہ زور ان بیکسوں پر مہرباں کرتا
نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصتِ تضریر میں
جو میں ہوتا بجائے شیرِ حُجے خونِ وِاں کرتا
اگر مگر نہ میں اُس شوخ کی خاطرِ شاں ہوتا
خدا جانے وفا میرے کچھ میں کیا کہاں کرتا
زباںِ فولاد کی ہوتی جواب کہہ کن دیوے
تم ہوتا اگر پرویز کو مشتِ استحاں کرتا
نہیں معلوم اب کے سالِ مینو نے پہ کیا گزرا
ہمارے تو بہ کرنے سیتی پیانے پہ کیا گزرا
برہمن اپنے سر کو بیٹھا تھا دیر کے آگے
ہذا جانے مری صورتِ بستانے پہ کیا گزرا
یقین کب میرے سوزِ دل کی کوئی دوا کو پہنچے
کس ہے شمع کو پروا کہ پروا نے پہ کیا گزرا

ہیں زخم مرے کاری اس سینے سے کیا ہوگا — اب مرنایا ہی بہتر ہے اس سینے سے کیا ہوگا
 اگر تجھ کو زینہا دیکھتی سب کچھ بسر جانی — تماشا ماہ کنعانی کا آس کہ خواب ہو جاتا
 سر یہ سلطنت سے آستانِ یارِ بہتر تھا — ہیں خل ہمارے سایہ دیوار بہتر تھا
 مراد دل مر گیا جس دن سے نظارہ سے باز آیا — یقیں پر ہنر اگر کرنا تو یہ میاں بہتر تھا
 تنگ دل کو کب بھلی لگتی ہے بستان کی ہوا — باغ سے یوسف کو رنگیں تر ہے زنداں کی ہوا
 نہ آپ تیشہ فرما داپنے خوں میں گرلا سکتا — تو ایسے رنگ ہے کب نقشِ شیریں کو بنا سکتا
 یہ عشقِ سرشکن فرما دپر لایا جو کچھ لایا — دگر نہ کون ایسی فتح خسرو کو دلا سکتا
 تجھ آنکھوں سے آنکروں نہ کرنا شور کیا کرتا — یہ شیشہ طاق سے گرتا نہ ہوتا چور کیا کرتا
 یہ دل ایسا خراب کو چہ و بازار کیوں ہوتا — اگر ملتا نہ اتنا گلِ رخوں سے خوار کیوں ہوتا
 تری آفت سے دما خوش نہیں تاجھے ورنہ — یہ ایسا کارِ آساں اس قدر شوار کیوں ہوتا
 یقیں امیدِ جینے کی نہیں تیری آنکھوں سے — اگر پر ہنر تو کرتا تو یوں بیمار کیوں ہوتا
 گرامیں آنکھ سے تیری جہاں کے ہاتھ کیا آیا — مجھے چمکا زمین پر آسماں کے ہاتھ کیا آیا
 نہ کہتی راہِ دل تو اتنی رسوائی بھلا سستی — فحشیت کر کے مجھ کو اس زبان کے ہاتھ کیا آیا
 کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھوٹے جانے کا بند — برگِ گل کی طرح ہر ناخنِ معطر ہو گیا
 دامِ و قفس سے چھوٹ کے پہنچے جو باغِ ملک — دیکھا سو اس زمین میں چمن کا نشان نہ تھا
 اس قدر غرقِ امویں یہ دل زار نہ تھا — جب خاک کو ترے پاؤں سے سروکار نہ تھا
 حسن کا عشق زینہا سستی کچھ چل نہ سکا — ورنہ وہ پاک گھر قابلِ بازار نہ تھا
 دلِ مرا عشق کے دھڑکوں سے مورا جاتا ہے — یہ وہ دل ہے کہ کوئی ایسا جگوار نہ تھا
 دل میں راہ کے جوہر کی ہوا کی ہے ہوس — کو چہ یار میں کیا سایہ دیوار نہ تھا
 اتنا کوئی جہاں میں کھو بے وفانہ تھا — مٹنے میں ترے مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا
 ناصح جو یہ نصیحتِ بیجا ہے میں سنی — معذور رکھو مجھ کو مراد دل بجا نہ تھا

خفیف مجھے ابھ کر عبث ہوا واعظ _____ کہ میں تو مست تھا اُس کو بھی کیا شعور نہ تھا
 تری آنکھوں کی کیفیت کو مے خانہ سے کیا نسبت _____ نگہ کی گردشوں کو دور پہانے سے کیا نسبت
 جہاں کی مجھ سے خاطر جمع ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں _____ کہاں اس ام سے یہ صید جاسکتا ہے کیا قدرت
 ہمارا شور سن عجنوں کو بھولی طرز ناپے کی _____ کوئی تیروں کے منہ پر نہ جاسکتا ہے کیا قدرت
 شیشہ دلوں کے تئیں اپنے سنبھالے رکھ لیں _____ پھر کرے لگا کون اُس کے پھوٹ جانے کا علاج
 سو جگہ دل گرہاں چاڑھ دیونے کی طرح _____ زلف کی زنجیریں آخر چنسا شانے کی طرح
 جی نکل جاتا ہے میرا جب کبھو آتی ہے یاد _____ وہ قسم کھا کر اسی ساعت کر جانے کی طرح
 خدے فرکھ کے جی ڈرتا ہے میرے طرح _____ رکھ مری آنکھوں پر دیتے ہو کف پابے طرح
 فصل گل بھی آن پہنچی دیکھتے کیا ہو تھیں _____ اب کے چلتا ہے جنوں پر دل ہمارا بے طرح
 گرجہ شیریں شیخ کے ہر وجد میں آنے کا شور _____ پر قیامت بانگ ہوتا ہے مے خانہ کا شور
 آہ و نالہ پر نہیں موقوف شہرت عشق کی _____ کس قدر ہے اس خموشی سا قدر دلنے کا شور
 دل میں کہہ کر چلا تھا اپنے جانے کی خبر _____ پھر نہ دی ہم کو کسی نے اس دیوانے کی خبر
 بلبلیں سہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف _____ کچھ تو اڑتی سی سنی ہو گل کے آنے کی خبر
 نہیں پہنچتا ضعف سے نالہ مرا صیاد تک _____ کون لے اس ناتواں کی اب روانے کی خبر
 توقع ہے کہ مت کہ نا اُمیدی کے سخن بس کہ _____ جواب تلخ منت ہے مچھو لے شیریں بہن بس کہ
 جو لوہا جس نہ لے اُس کو لگانا ہاتھ کیا حاصل _____ بہت کی تو نے اس تیشہ کی خدمت تو کہن بس کہ
 خاں گورے منہ کا تیا ہے مرے دل کو چرا _____ اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی مچتے ہیں چور
 گرہاں پھاڑتے ہیں دیکھ خوبان چمن کیوں گور _____ نہ کیسے جاگ ناصح اس ہوا میں پر بہن کیوں گور
 کوئی محنت کوئی لذت اٹھائے یا سے کوئی _____ کہو اپنے تئیں ضائع نہ کر تا کو کہن کیوں گور

تعجب سخت رہتا ہے لیں اس بات کا مجھ کو
 کہ اتنا بولتے ہیں شیخ یہ شیریں دہن کیوں گور

بعد مرنے کے ہوں میں گور میں غناک منور
گرد پھرتے ہیں مری خاک کے افلاک منور
منہ پہ کھتا ہے اسی طرح سے تلوار کہ بس
دل مرا عشق میں ایسا ہے جگوار کہ بس
نزع میں دیکھ مجھے یار جھجک کر بولا
کیا بڑی طرح سے مرقا ہے یہ بیمار کہ بس
آپ کو بیچ کے یوسف نے زلیخا کو کیا
کیا خریدار یہ پایا ہے خریدار کہ بس
آپ سے ہم نے مقرر کی ہے اپنی جاقص
ورنہ ملک پھر کیس تو ہو جائے تہ و بالا قفس
تنگ تو کرتا ہے برہم جو کس جلتے رہیں
تو پڑا منہ دیکھنا رہ جائے گا تنہا قفس
آج دیکھی ہے میں وہ لطف کی بیدا کہ بس
سر پہ آیا مے اس طور سے جلا کہ بس
جی میں آتا ہوتی چپ کو دکھا دیجے آئے
باغ میں اتنا اکڑتا ہے پششاد کہ بس
کچھ پروال میں طاقت نہ رہی جب چھوٹے
ہم مجھے ایسے برے وقت میں آزاد کہ بس
تو نہ تھا جیف نقص ورنہ دیوانہ ہوتا

آج اس طرح کا دیکھا ہے بری زاد کہ بس

ماہیت تن پروری ہوتی ہے گردن کا وبال
کس قدر پہلوئے چرب اپنے سے دکھ ہاتی پر شمع
اہل نور آہن دلوں کو دیکھ شرماتے ہیں سخت
دیکھ کر گل گیری کی صورت کو ڈرجاتی ہر شمع
بہ نہیں ہوتا کسی مرہم سے اس سینہ کا داغ
ہو گیا ناسور آخر ملدیرینہ کا داغ
ہم تو مرنے ہیں گئے اور بھتا ہے الفت کا چراغ
دیکھئے پھر ہووے کب روشن محبت کا چراغ
خاندان دمد مجھ سے کیوں نہ ہو روشن نقص
ہے مرا ہر داغ سینہ میں مصیبت کا چراغ
ناصح سے مجھ کو غم نے کیا شرمسار حیف
سو بار بھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف
دل نہیں کھینچتا ہے بن تیرے بیاہاں کی طرف
خوش نہیں آتا نظر کرنا غصہ الاں کی طرف
اس ہوا میں رحم کرساتی کہ بے جاہم شراب
دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باران کی طرف
سحر کے دورے جو سنتے تھے سو دیکھے نقص
دل کھینچا جاتا ہے اس زلف پریشاں کی طرف
آئینہ ہوتا ہی اس لئے درختاں کا حریف
ماہ بن اور کون ہو خورشید تاباں کی طرف

بہت جینے کی تدبیریں عرفان کے نہیں لائق — کہ پتیا آب حیاں شانِ نساں کے نہیں لائق
 رشک لگے ہے پروانے کے عیسیٰ بن کو لگ — لگیوئے فائوس ایسی تیرے پر ہیں کو لگ
 جلتے بتوں سے کل ان تیلیاں کپڑوں کے ساتھ — جی دھر تلے مبادا لگ آٹھے دامن کو لگ
 چمن میں مجھے دیوانے کوئے جانے کا کیا حاصل — دکھا کر گل جنوں کو شہد پر لانے کا کیا حاصل
 جنیں باؤں کی چانسی بے ہوشے ہرگز نہیں جیتے — جزوفوں میں سپنا دل اُس کے غم کھانے کا کیا حاصل
 ہلکے درد کی دار واگر کچھ ہو تو دوا دے — یہ سب کچھ سن کے ساقی بات پتی جانے کا کیا حاصل
 ہم نہ کہتے تھے کہ مت چھڑاؤ ان زون دھاڑ کی سن — خط کی صورت میں پتا آخزنہ آہوں کا وبال
 اس قافل ساتھ میرے سامنے سے درگزر — بے طرح پڑتے حسرت کی نگاہوں کا وبال
 ہاتھ لٹکا کر زمانِ مصر کو یہ آفتاب — خواب ہو جاتا اُنھیں اُس باؤ کُناں کا خیال
 مے ہوئی آخر ہی تدبیر غم کی تا تمام — کس سے دل خالی کریں اب جو چکا ملنا تمام
 تیری آنکھوں میں نشہ نے اس طرح مارا ہی جوش — ڈالتے ہیں جس طرح بدستے خانے میں دھوم
 کروں کیوں کریں قید زلف سے چھٹنے کی تدبیریں — پڑیں ہیں میرے ہر گشت میں حق شائد زنجیریں
 ہیں بھی بات کہہ آتی ہے لیکن دل نہیں حاضر — جیسے دور ہی ناصح غمخوشی ساتھ تقریریں
 یقین اقبال ہاتھ آیا نہیں کچھ جی کے جانے سے

نہیں ہووے گی ہم فرہاد کو سوار سرخسریں

چمن میں شاخ ہل جاتی ہے جیسے گل کے ہلنے سے — چمک جاتا ہے دم لیتے نزاکت اس کو کہتے ہیں
 زخمِ بن مجھ کو کچھ اس لاگ سے مقصود نہیں — عشق پھیکا ہے اگر داغِ نمک سود نہیں
 ہے اسی تیغ کے زنگار کا مرہم درکار — اور کسی طرح مرے زخم کا بہبود نہیں
 کرتا ہے کوئی یار و اس وقت میں تدبیریں — مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں
 ناداں ہی جو معنی چھوڑ صورت کی طرف جاؤ — لڑکوں کو کتا بوں سے منظور ہیں تصویریں
 چہرے سے نکل کر مو پٹے ہیں یقین متھ پر — اور اُتی ملائی پر جوں کھینچی ہیں تحسیریں

کوئی دن اور کرنے دو جنوں مجھ کو بہاراں میں جٹ سیٹے ہو اُس کو کیار باہر اب گریباں میں
چمن کے بیج کلیانی ہے جیسے شاخ سبزل کی ہوئے ہیں کس قدر دل جمیع اُس نلف پریشاں میں
بہارا آئی ہے ہم کو کیا کہے گا باغباں دکھیں چمن میں باز نہ خنہ پاویں گے اب کے آشاں دکھیں
اتھا اس منہ سے لے باد صبا گھونٹا کر آنچل کو توجہ سے تری ہم بھی ملک اک گیستاں دکھیں
نہ کر غفل مجھے مہاں مرا نہ ہونے عشق کہ میری آنکھیں آنسو گر میں آہ نہیں

تو نے ہم پر جو جفا کی ہے سوز کو نہیں بس پہ ہم نے جو وفا کی ہے سونظر نہیں
سینہ میرے میں تو بے عشق سے جوشاں محفل کون ناسور ہے جو نیش کا مسموم نہیں
وین و دنیا کے مجھے کام سے کھوتا یقیں چھوڑ دوں عشق نہ بامد کہ معذور نہیں

ہذا کی بندگی کئے اُسے یا عشق معنوتی وہ نسبت ایک سے سو طرح تعبیر کرتے ہیں
سو سو ہیں التفات تغافل میں یار کے بیگا لگی سے اُس کی کوئی آشنا نہیں
نہیں دہن بھی تلخ لگے بولنے یقیں اب چھوڑ دے نظارہ کچھ اس میں فرائیں
وہ کون نل چہاں جلوہ گردہ نور نہیں اُس آفتاب کا کس ذرہ میں ظہور نہیں
ترے سفر کی خبر سن کے جان دھڑکوں سے جو ہنچوں مرنے کے نزدیک میں تو دور نہیں
کوئی بھی دیتا ہے رگڑوں کے ہاتھ تیشہ دل یقیں میں غور سے دیکھا تو کچھ شعور نہیں
جس محبت میں نہیں ہے شوق ہے وہ بے شک کیا مزا ہے عشق کرنے میں جو روائی نہیں
بن یقیں کے باغ میں جا کرتاں کہتے ہیں سب سیر گل سے جی نہیں لگتا وہ سودائی نہیں
شکوہ جفا کا یار سے کیا وفا نہیں بندہ کو افرامں خدا پر روائیں

اگر تم ہو عاشق دم نہ مارے یار کے آگے کہ اُس کا جی نکل جاتا ہے اُس کی ایک تلک میں
گالی بھی پی گئے ہیں تیریں بھی کھائیاں ہیں کیا کیا تری جھائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں
ایسا دراز دامن میں ہاتھ اُن کے آیا بخنوں کی ماضیوں کے کیا نارسائیاں ہیں

حق کو نصیب کے آخر برباد مت دیارو تم نے سخن کی طریزیں اُس کی اڑائیاں یہی
 قامتِ رعناتے تیرے بس کہ شرمنا ہے سرو دیکھ کر تجھ کو زمیں کے بیج گرجاتا ہے سرو
 تم ہیں پاپوں کرتے ہو اب خوش قامتو دیکھتے ہو قمریوں کو سر پہ بھلاتا ہے سرو
 کھڑا ہے سرو نہیٹ بن بنا کے رعنا ہو جو یار پر دے سے نکلے تو کیا تماشاً ہو
 نہ لانا تھا مے گریہ کو شور پر لے عشق بُری بلا تو نے چھڑی ہے دیکھنے کیا ہو
 خونِ انصاف سے اتنا بھی زباں تر نہ کرو نعل کو یار کے ہونٹوں سے برابر نہ کرو
 باندھ کر مجھ پہ کمر لطف نہیں غیر کا قتل اپنی بیداد کے مضمون کو کمر نہ کرو
 کوئی یہ چاند سا مٹھ چھوڑ کر عاشق ہو شعل کا گزرا آتش پرستی سے یہ پروانے سے کہہ دیجو
 ستاؤ مت یقیں کا دل کہ یہ خواب کا مسکن ہے خدا جانے کہ کیا ہو اس مے خانے کو مت چھڑو
 جفا کے عذریں اے ظالمو نہ دیر کرو مری زباں شکایت پہ مت دلیر کرو
 حنا کی طرح میں اپنا بجل کیا ہے خوں تباں شہید کرو خواہ دستگیر کرو
 خدا کرے کہ کہوں حق مشتاب ثابت ہو مت امتحانِ وفا میں یقیں کے دیر کرو
 جو تو شراب پیے کیونکہ دل کباب نہ ہو لگے جب آگ کہاں تک یہ زہرہ آب نہ ہو
 خاک گزرتے ہیں تلم عشق داغ بغیر کہ سرو ہموے ہو جس دن آفتاب نہ ہو
 دیوانے شہر سے یہاں آکے جی چھپاتے ہیں خدا کرے یہ خرابہ کبھی خراب نہ ہو
 تباں کا صبح نہیں جنِ خلق و دامنِ پاک وہ کیا فراہ ہے جو معشوق بد شراب نہ ہو

یقیں تباں کا ہوا جب بندہ تبت ہو داغ

جو ہو دے کا فراسے کس طرح عذاب نہ ہو

شہر میں تھا نہ تو سے حسن کا سا شور کبھو مصر اس جنس سے اتنا نہ تھا معمور کبھو
 فکرِ مہم کی مرے واسطے مت کمرِ ناصح خوب ہوتا نہیں اس عشق کا ناسور کبھو
 گو نہ کرو وعدہ و فادے مجھے اس کا توجہ مجھ سے ملنا بھی سچن ہے تجھے منظور کبھو

اپنی بیدار کی سو گند ہے تجھ کو لے مرگ — تو نے دیکھا ہے یقیں سا کوئی رنجور کھو
 خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بخوابی کے سنا — جمع آسائش کہاں ہوتی ہو بیگانے کے ساتھ
 مفت میں لیتے وفا کو شہر خواباں میں یقیں — کس قدر بے قدر ہے یہ منں نایابی کے ساتھ
 بہا ر آئی ہیں کیا حکم ہے لے باخباں پہنچ کر — چمن میں رہنے پاوے گا ہمارا آشیانہ پہ
 نہکٹ والا ہر مجھ میں لے ہما شورِ محبت نے — کھو کھائی ہیں تو نے اس مئے کی استخوان پہ
 یقیں راتوں کو کر کر شعہ نیدیں سب کی کھتا ہے — یہ کس بے درد سے سیکھا ہو فریاد و فغاں پہ
 کچھ عمر نہیں باقی پیارے تو شباب جا — ڈرتا ہوں چھلک جاوے بریزے ہیما نہ
 منہ اپنے کے گلشن میں رہنے نہ دیا کرتا — یہ سبزہ ترے خط کا ہی سبزہ بیگانہ
 رودادِ محبت کی مست پوچھ یقیں مجھے — کچھ خوب نہیں سننا افسوں ہی فیضان
 عمر میں تو نے تو دیکھے ہیں بہت غم خانے — اتو لے چرخ ملک اس دنیا شاد کو تو
 کہاں تاثیرِ نالوں میں ہے لے مرغِ سحر چپ رہ — عبتِ عیاد کو ناخوش ہے کیوں کم رہا بس چپ
 جب ہوا معشوق عاشقِ دلربا بی کیا کرے — بندگی سے جس نے خو کی ہو خدائی کیا کرے
 وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہی یقیں — دیکھے مجھ ساتھ خواباں کی جدائی کیا کرے
 کیا دل ہے اگر جلوہ دیدار نہ ہو دے — ہے طور سے کیا کام جو دیدار نہ ہو دے
 دل جل جو گیا خوب ہوا سوختہ بہ ستر — وہ جس کوئی جس کا خیرا نہ ہو دے
 دوانے کس طرح ناصح اٹھاویں ہاتھ طفلان سے — کہ ہر کشتِ جنوں سیرابان کے سنگ باران سے
 یار کب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہے — کون اس کو چہیں جزیرِ گزر کرتا ہے
 اپنی حیرانی کی ہم عمر کریں کس سمجھ سے — کبہ آئینہ پہ مغرور نظر کرتا ہے
 عمر فریاد میں برباد گئی کچھ نہ ہوا — نالہ مشہور غلط ہے کہ اثر کرتا ہے
 جو سراپاؤں پہ رکھ دیجئے تو خوش ہوویں ماں سے — دیکھن ہائے ہو سکتی ہے یہ جرات کہاں سے
 مرے آنسو بھی باجے ضعف کب چل نہیں سکتے — کیا لے عشق مجھ کو ہائے ایسا ناتواں کو نے

خطبہ مفت مرکریا کیوں بیجے رقبیاں کو
 اگر تجھے ہودل کی داد جتنا اس کا جی چاہے
 ہماری ہم سے پوچھو کو کھن کی کو کھن جانے
 تو کرنے دو اسے فریاد جتنا اس کا جی چاہے
 نہیں ممکن کہ ہم کعبہ کو جا دیں چھوڑت خانہ
 کرے واعظ ہیں ارشاد جتنا اس کا جی چاہے
 نہیں کوئی کہ دشنام اس کی ہم تک نہ دے
 گیا ہے اب اس کو دیکھئے کب تک خدا لاؤ
 پڑے پتھر اسی اس محبت پر کہ ہو بے کس
 مرے فرہاد اور پر ویز شیریں کو اٹھلاؤ
 دیا یہ حسن میں تو خوش ہوا پر یہ بڑی مشکل
 کر لٹ جاتا ہے وہاں جو کارواں حسن و فالاؤ
 مناسب نہیں ہر شکوہ جو رکازانِ خوب دیوں سے
 یقیں کوئی بڑی باتوں کو اچھے پہ کیا لاؤ
 زمیں پر جس طرح گرتا ہے سایہ سروِ عیناکا
 تری قامت کے آگے فرش ہوجاتی ہر عنائی
 نہیں ہونی کبھو اجاب کی خاطر طول اس سے
 معاوضہ میں وفا کے جو یہ جنا ہو دے
 خدا شاہِ عجیب بے درمصاب ہے یہ تنہائی
 کبھو کسو سے کوئی کیونکہ آشنا ہو دے
 اگر بہ خیر ہیں یاد کر نہیں سکتا
 کبھو بڑا ہی ہیں کہ ترا بھلا ہو دے
 یقیں ہوا مجھے قطب سے اٹک کے معلوم
 نہ اٹک سکے کوئی جو آنکھ سے گرا ہو دے
 خبر کیا پوچھے مرغِ قفس سے آئینے کی
 اسیروں کو توقع کب ہر گلشن میں جانے کی
 گئے کپڑے سرخ گل میں اور پروازِ اول میں
 نہ دی فرصت نہ آنے میں نہ جو میں جانے کی
 ہوا جانا ہوں مت اتنا بھی کس کرانہر بالوں
 زنجیریں بالوں کے پھنس جانے کو کیا کہئے
 کیا کیا کیا یہ دل نے دیوانے کو کیا کہئے
 دل چھوڑ گیا ہم کو دہر سے توقع کیسا
 اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہئے
 دکھ تو دیتا ہے کروں تجھ کو بھی حیران قہسی
 باغباں ایک اجارے کوں گستاخ قہسی
 مفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
 جی ہی لے چھوڑے گی آخر کو یہ بیمار مجھے
 کب ہوں ہر مجھ کو رسوئی کی لیکن کیا کروں
 کیچ کر لاتی ہے اس کو چہن چار ہی مجھے
 کیا لگا لیتا ہے خواب کو قہیں کہتے ہی داغ
 آئینہ کی سادہ لوحی ساتھ پر کاری مجھے

بے قراری کب ٹھہرنے دے ہے مجھ کو نہ یر تیغ انا سباب کا مشکل ہے قاتل کیا کرے
 تم ہے بد کرنا اس طرح کے یرغ ناداں کو کہ جو مارے بھلائی کے نفس کو آفتاب بجھے
 کرتے ہیں اپنے بال دکھا مبتلا مجھے اس پیچ سے بتاں کے نکالے خدا مجھے
 جور و جہاں میں یار بہت ہو گیا دلیر کرتے تو کی یہ رہت نہ آئی وفاق مجھے
 خدا مجھے تو سے داغوں سے لالہ زار کرے یہ خارشک مگر آگ سے بہا کرے
 قیامت آپ یہ اس قدر سے لاپچکے ہم تو کہاں تک کوئی محشر کا انتظار کرے
 اس سستی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے جی میں ہے اک مصرع موزوں کو نقیض کیجئے
 مچا و گرم سے کھاؤ بھی تاب ہو کی طرح خدا کسی کے تئیں اتنا خوش کر نہ کرے
 یہ دل ملوک ہے خواب کا کون اس کو چھپا کرے بس میں کون مایا بادشاہی کو دوبار کرے
 حق مجھے باطل آشنا نہ کرے میں بتوں سے چھوڑ خدا نہ کرے
 دوستی بد بلا ہے اس میں خدا کسی دشمن کو مبتلا نہ کرے
 ہے وہ مقتول کا فر نعمت اپنے قاتل کو جو دعا نہ کرے

تاحمد کی یہ کچھ نصیحت ہے
 کہ لقیں یار سے وفانہ کرے

صبا و عشق میں اک لمحہ کی نسبت ہی ضرور چشم بہار تجھے دی ہے دل زار مجھے
 یار آیا پہ مجھے ہوش نہ تھا کیا کیجئے نہ کیا اس دل دشمن نے خبر دار مجھے
 چھٹے اس زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے وصیت ہماری خوں بہا جلاؤ کو پہنچے
 نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں مری فریاد بھی شاید مری فریاد کو پہنچے
 ہیں اس غم کے ہاتھوں نہ زندگانی خوش نہیں آتی کوئی بیداگر یار ہماری داد کو پہنچے
 ہوا میں سرد کے اتنا نہ کر شور و شرلے قمری نہ بے برباد تو اپنی کفن خاکسترلے قمری
 لقیں کہو کہ شوقی خوب نہیں خدمت میں خواب کی تو بجا سرو کے پڑ بیٹھ بیٹھے سر پرلے قمری

گئے سب محسوس ٹھیکے دیکھ دئے یار کیا کئے زبان چوبیس میری محسوس بے کار کیا کئے
 قسم میں جاس کا تمھ کھلا جی بندہ گیا اپنا مرا دل لے گیا ہنستے ہی ہنستے یار کیا کئے
 اگر اس کی جگہ پہلو میں ہونا چار بہتر تھا بہت دیتے میرا دل مجھے آزار کیا کئے

یقین کے دامن کی سن خبر وہ بدگماں بولا

یہ دیوانہ کچھ ایسا تو نہ تھا یا ر کیا کئے

دوانہ ہوں میں جی دینے میں محسوس کے سلیقہ کا منے لے کے مرنے کی طرح فرما دیا جانے
 گلا تو پھٹ گیا نے کی طرح فرما دیکر نہ سے قیامت دور ہو کب تک ملے گی داد کیا جانے
 نعل بھاگا ہے کوئی صید کیا اس نام سے کچھ کئی دن میں کی تیری زلف کی خاطر پریشانی
 اگر زنجیر میرے پاؤں میں ڈالے تو کیا ہوگا ہمارا آنے دو میرا ہاتھ ہے اور یہ گریباں ہے
 یہ وہ آنسو ہیں جن سے دہرا آتش ناک ہو جاوے اگر ہوئے کوئی یہ آبِ جل کر خاک ہو جاوے
 گنگاروں کو ہے امید اس اشکِ ہستے کہ دامن شاید اس آبِ واپس پاک ہو جاوے
 عجب کیا ہے تری نشی کی شامت جو تو نہ نہاں تاک بتلاوے تو وہ مسواک ہو جاوے
 اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے زرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
 یہ کون ڈھب ہے سخنِ خاک میں ملانے کا کسو کا دل کبھو پاؤں تلے ملا بھی ہے
 یقین کا شور جنوں سن کے یار نے پوچھا

کوئی قبیلہ مجھوں میں کیا رہا بھی ہے

خوش آئی ہے مجھے یہ بات اس مجنونِ عیاں سے کیا کیجے کہاں تک چاکِ گھرے ہم گریباں سے
 نہیں جی جامِ مے بن کچھ ہمارا خونہا ساقی اس آبِ زندگی سے اپنے یاروں کو جلا ساقی
 تک اک تو رحم کر لے مرگ سے کی تمنا میں ہماری جان کو روکتے ہیں یہ ابرو دھوا ساقی
 وفا کا کیا قیامت ہے کوئی بلا جفا دے ترحم ان تہوں کو اپنے بندوں پر خدا دیو
 نہیں پروازِ قسمت میں میری آڑا خفا ہو زندگی سے مر گیا ہوں ایک ٹٹا ہوا

بہاد شرمجہ کو خواب راحت سے جگا دیوے ————— محبت کا جو نالہ ہے محب آداب ہیں اُس کے
 کہ جوں جوں یار دیوے گا یاں عاشق دعا دیوے ————— نہ دے فرصت ان باتوں سے کہ کچھ کام اور بھی نکلے
 ہم آخر بھگے گدا میں گرس چاک گرہاں کے ————— رکڑ نہ ہے سراپا پشت پا پر متصل تیرے
 گریباں چاٹ پیئے اس پر کہ کیا طالع ہیں ماں کے ————— ملک اک انصاف کر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
 کھٹھ صندل کھینچ مانتے پر کیا ہے قتل مام ————— تیغ ابرو کو دیسا ہے سنگ دیکھا چاہیئے

۳۱۵۔ یک رنگ۔ دلجوئی۔ مصطفیٰ خاں۔ کوئی اضافہ نہیں۔

(۲۲ سطر ۲۲ شعر)
 یک رنگ تخلص مصطفیٰ علی خاں نام، متوطن شاہ جہان آباد کے۔ نواسوں میں خانجہاں
 خاں لودھی کے اور معاصر شاہ نجم الدین آبرو کے تھے منصبداروں میں محمد شاہ بادشاہ اور
 شہرہ آفاق ساتھ عزت و ماہ کے، مشہور سخنوروں میں شاہ جہاں آباد کے اور معروف
 زباں آوروں میں اس خستہ بنیاد کے تھے۔ طور ان کی گویائی کا پیر و قدما کی گفتگو کے ہر
 اور طرز ان کے کلام کی رویت پر مضمون و آبرو کی ہے۔ لیکن از بسکہ شیوہ سابق تیار ان
 حال کے غیر مرغوب ہے، تو آہنگ قدیم سمع خراش و دماغ کوب ہو۔ بلکہ شاہ جہان آباد
 میں انھوں نے اس سراے فانی سے سفر کیا اور دلوں پر احباب کے داغ حرام کا دیا
 یہ اشعار پر معنی و خوش بیان ان کے منتخب دیوان ہیں ۵

مجھے مت بوجھ پیارے اپنا دشمن ————— کوئی دشمن ہوا ہے اپنی جاں کا
 میں دوزخ و شب وصال سے تیرے ہوں گامیاب ————— کیوں کر کہوں کہ تجھ سے بہتر ہے آفتاب
 سچ کہ جو کوئی تو مارا جائے ————— راستے ہیں گے دار کی صورت
 مجھ کو معلوم یوں ہوا گل سے ————— پھول جلتے ہیں اس سے دو لہند
 کیوں ہوئے ہو تم کو دشمن ہمارے اس قدر ————— دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے پیارے ہر قدر
 نگہباں چاہیئے سرشار کے پاس ————— ترمی آنکھوں سے کیوں کر دں ہر دم

روٹھا ہوں اس سبب ہر بار میں _____ تاکے تیرے لگوں لے یا میں
 اُس پری پکیر کو مت انسان بوجھ _____ شگ میں کیوں پڑتا ہے لے دل جان لو مجھ
 کیا جلتے وصال ترا ہو کسے نصیب _____ ہم تو ترے فراق میں لے یا مر چٹ
 رونقِ اسلام تیرے رو سے ہے _____ کفر کا رشتہ ترے گیسو سے ہے
 بے قراروں کے تیں آرام دل _____ لے مرے پیارے ترے پہلو سے ہے
 جدائی سے تری لے صندلی رنگ _____ مجھے یہ زندگانی دردِ سر ہے
 ہوا مظلوم یہ منجھ سے ہم کچھ _____ جد کوئی زردار ہے سو تنگ لے ہے
 نہیں چھڑیں ہیں سدا زلف تری اپنی موڑ _____ باوجودیکہ کمال ان میں پریشانی ہے
 اب تو بچن ہیں کو تباہی تمہیں سے ہے _____ ہم سب طرف سون یا رہتا ہے گلے پڑے
 یکرنگ پاس اور بچن کچھ نہیں باط _____ رکھتا ہے یہ دونیں کہو تو نظر کرے
 زخمی برنگ گل ہیں شہیدان کر بلا _____ گلزار کی منط ہے بیابان کر بلا
 کھانے چاہے زخمِ شامیوں کے ہاں _____ دھو ہاتھ زندگی سستی عمان کر بلا
 اندھیرے جہاں میں کرا شامیوں کے ہاں _____ ہے سر بریدہ شمعِ شبتان کر بلا
 ۳۱۶۔ یونس۔ مشہور حکیم یونس۔ ظاہر اور عہد اکبری بعد۔

سو گیا جیسے جگایا تھا مجھے

بخت مرا جاگ اٹھا سو گیا

۳۱۷۔ میکرو۔ عبد الوہاب۔ از شاگردان شاہ نجم الدین آبر دست
 کلاش بر طرز محاورہ قدما مثل براہیم ست

(۳ شعر)

۳۱۸- یارِ دہلوی۔ میرا حمد خلف شاہ اللہ یار۔ جوانے نہایت
زیبا شاگرد تھی میرو محبوب میرضیا بود۔ گاہے فکرِ ریختہ
می نمود۔ در زمان احمد شاہ این فردوس آرا مگاہ جمعے از
شعرای ریختہ تعلقے بوے داشته اند۔

آفریں اے دست گستاخِ محبت آفریں
یہ گریباں ایک ت سے گلے کا ہار تھا
۳۱۹- یاس۔ حسن علی خاں۔ نسب آغا حسرتِ نوابِ عقیدت حناں
نعمت الہی پیوندد۔ در این ولا شیندہ شد در لکنؤ
بسمی برد۔ دستِ صلاحِ ریختہ از مرزا جعفر علی حسرت
می نماید۔ این اشعار از اں والا تبارست۔

(۲ شعر)

ابو الحسن خسرو دہلوی۔ از اکابر شعراست۔ پدرش سیف الدین
لاچین ترک از ہزارہ بلخ۔ مولدش مومن آبا و مشہور
بسیستانیست۔ رفیق محمد سلطان بود۔ بعد از شہادت او
ندیم سلطان بلبن گشت۔ ہفت بادشاہ را خدمت کرد و از
مردان (را) شیخ نظام الدین اولیا بود در سخن فارسی
نود و نہ کتاب گفتہ و در علم موسیقی مہارت تمام داشت
در آخر عمر خدائش ایجا دشعر ہندی کرد و اکثر بطرز ہیام

ہم فارسی و ہم ہندی تو اس خواندگی گفت۔ ازاں ست ۷
 اے ندیمی بہاے جان کسے
 ہمہ سولیک جائے دور بے
 و در غم وفات حضرت نظام الدین اولیا درگزشت۔
 ازاں ست (الحمد) ؟ شعر ہندی، عربی
 مرکب در ادایں گفتمہ بود اینست۔
 ز حال سکیں مکن تغافل۔
 (۵ شعر)



اشاریہ

متعلقہ تذکرہ جات گلزارِ ابراہیم و گلشنِ مہند

(نوٹ - اس اشاریہ کی ترتیب میں میں نے اپنے دوست اور شاگرد سید اختر حسن سے مدد حاصل کی ہے
سید محی الدین قادری)

آزاد میر مظفر علی ۲۹	۱
آشفہ مرزا رضا علی ۵۹، ۶۰	
آشنا (درویشی بود) ۳۳	آبرو شاہ نجم الدین ۲۵، ۲۹، ۳۱
آشنا میرزین العابدین ۳۳	۹۵، ۱۰۲، ۱۳۳، ۱۵۹، ۱۵۶
آصف آصف الدولہ آصف جاہ نوادہ	۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۸، ۲۴۱، ۲۵۳
بھیمی خاں ۲، ۹، ۱۰، ۱۹، ۴۴	۲۷۱، ۲۷۲
۸۹، ۱۰۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۹	آفتی - خواجہ برہان الدین ۳۰، ۴۳
۱۶۰، ۲۱۰، ۲۳۰	آذربائیجان ۱۵۹
آفتاب (شاہ عالم بادشاہ) ۳	آرزو سراج الدین علی خاں ۳۰، ۳۱
آگاہ محمد صلاح ۳۴	۲۵، ۳۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۱۷۸
آگاہ نور خاں ۳۴	۲۰۹، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۱
آہ میر محمدی ۶۲	آزاد خواجہ زین العابدین ۲۹
ابدالی ۵	آزاد میر غلام علی ۱۹

ارکات ۱۸
 اسحق خاں (نواب) ۲۲
 اسد اللہ (شیخ) ۱۸۶
 اسد خاں (وزیر) ۱۶، ۱۹
 آسڈ میرامانی ۳۶
 "اسرار محبت" ۲۲۹، ۲۳۰
 اسکاٹ (کرنیل اسکاٹ) ۲۰۹
 "اسکندرنامہ" ۲۲
 اسمعیل اعرج ۵۶
 اشتیاق ولی اللہ سرسپدی ۲۳
 اشرف خاں (نواب) ۱۳۸، ۲۳۴
 اشرف علی خاں (تذکرہ نویس) ۱۹۰
 اشرف محمد اشرف ۲۹
 اصالت خاں ۵
 اصفہان ۱۵
 اظہر الدین خاں ۲۶۰
 اظہر میر غلام علی ۴۶
 اعتماد الدولہ (نواب وزیر) ۲۱۸
 اعظم ۴۲
 اعظم خاں (نواب) ۱۳۰
 اعظم شاہ (محمی) ۶۳

ابراہیم (حاجی) ۲۵۳
 ابراہیم خاں ۸۱
 ابراہیم (خواجہ) ۱۱۵
 ابوالخیر (مرزا) ۱۰۷
 اٹا وہ ۱۸۷
 اثر میر محمد ۳۶، ۳۷، ۳۸
 اجمل شاہ محمد اجمل ۴۰
 احسان میثم الدین ۶۲
 احسن احسن اللہ ۳۱
 احسن رضا خاں نواب سرفراز الدین ۳۲، ۵۷
 احسن مرزا احسن علی ۳۱
 احمد آباد (گجرات) ۱۷
 احمد خاں ۶
 احمد خاں نواب غالب جنگ ۱۳۹
 احمد شاہ ۳۱، ۳۳، ۶۹، ۱۰۶
 ۱۲۹، ۱۳۷، ۱۷۳، ۱۸۳
 ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۲۲، ۲۶۰، ۲۷۴
 احمد شاہ دُرّانی ۲۲۵
 احمد گجراتی ۲۸
 احمدی شیخ احمد وارث ۴۷
 ارشاد شاہ اسرار اللہ ۲۵۰

اماچی خواجہ امام بخش ۴۷
 اماچی (ہروی) ۱۱۸
 امان (حافظ امان) ۹۰
 امانی (میرامانی) ۴۳
 اعجاز ۲۹
 امروہہ ۱۶۱، ۱۴۲، ۲۲۷
 آمید قزلباش خاں ۱۵، ۱۴، ۱۸، ۱۹
 امیر محمد یار خاں ۳۵
 امیر معاویہ ۲۲
 امین خواجہ امین الدین ۴۸
 امینی جہانگیری ۱۸۰
 انتظار (علی خاں) ۲۸، ۱۳۵
 انجام عماد الملک خاں { ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶
 انسان اسد یار خاں ۳۱
 انشاء میراث رائد خاں ۴۱
 انصاف ۲۹
 انور غلام علی ۴۰
 اورنگ آباد ۱۴، ۱۸
 اولاد میرا ولاد علی ۳۶
 ایران ۱۳، ۱۹، ۲۱، ۹۹
 ایرج خاں (محمد) ۱۸۴

اعلیٰ علی (میر) ۴۳
 افسوس میر شیع علی ۵۶، ۵۷
 افصح شاہ فصیح ۳۰
 افضل محمد فضل ۲۸
 افغان الف خاں ۳۵
 افغان (قوم) ۳، ۸۷، ۲۳۶
 افکار میر جیون ۳۵
 اکبر آباد ۲۰، ۶۰، ۶۵، ۲۰۸
 ۲۱۹، ۲۱۶
 اکبر علی خاں ۴۸
 اکرم خاں (میر محمد) ۱۵۹
 اکرم خواجہ محمد اکرم ۳۶
 اللہ یار خاں (شاہ) ۲۷۳
 آلم (صاحب میر) ۳۹
 الہ آباد ۳، ۴، ۲۰، ۵۶، ۱۰۲، ۱۳۶
 ۱۸۸، ۲۲۱، ۲۵۰
 الہام شیخ شرف الدین ۳۳
 الہام فضائل بیگ ۳۳، ۳۴
 امام بارہ - آغا جعفر کا ۱۴۲
 امام جعفر صادق ۵۶
 امام حسین علیہ السلام ۲۲، ۶۰، ۲۵۹

بکھاری لعل ۶۹

بنج ۲۷۳

بگرام ۱۶۹

بنارس ۲، ۳۹، ۷۷، ۸۸، ۹۰،

۹۳، ۹۴، ۱۰۷، ۱۳۹، ۱۶۶،

۱۷۱، ۱۸۸، ۱۹۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۵۳

بنگلہ ۳، ۳۶، ۵۷، ۶۱، ۱۰۶، ۱۲۵،

۱۲۹، ۱۳۹، ۱۸۰، ۱۸۸، ۲۱۸، ۲۲۲،

۲۳۳،

بنگ (صوبہ) ۲۳۸

بنگلا (فیض آباد) ۱۰، ۱۰۶،

”بوستان خیال“ ۲۵۳

بہادر خاں ۱۶

بہار ۱۳۲، ۱۳۹، ۲۳۳، ۲۴۵،

بہادر رائے ٹیک چند ۶۲

”بہارستان جعفری“ ۱۶۸

”بہار عجم“ ۶۲

بھاکا ۲۸

بہرام خاں (بلوچ) ۶

بھونال ۱۹

بیان احسن اللہ خاں ۶۵

بیٹاب سنتو کہ رائے ۷۰

ب

بارلو صاحب ۵۸

بارہ پورہ (میوات) ۱۶۱

بارہ ماسہ ۲۵۲

باسط (خواجہ باسط) ۱۱۰

باسطی (شریف خان) ۱۰۰

باقر (آغا باقر) ۱۳۲

باقی (میر باقی) ۱۰۳

”بامہر تہ خاندان“ ۴

”بٹیر نامہ“ ۲۹

”بخشی زیدی“ ۱۱۵

”بدر منیر“ ۱۱۸

برہان الدین (شاہ) ۱۳۹

برہان پور ۱۵، ۱۷، ۱۷۸

”برہان قاطع“ ۲۲

بسمل ۷۶

بسمل سید جبار علی ۷۷

بسمل گدا علی بیگ ۷۶

بقا بقا رائے ۵۶، ۷۰

بکٹ ۲۵۲

پیار گنج ۱۱۵
پیام شرف الدین علی خاں ۶۸



تاباں میر عبدالحی ۸۲، ۱۰۴، ۱۶۰، ۱۶۳، ۲۱۶

تازی ۱

تانا شاہ (الو الحسن) ۸۱، ۹۹

تائید خواجہ عبداللہ ۸۷

تحمین علی خاں ۲۱۰

”تحفہ اثناعشریہ“ ۲۴

”تذکرہ کاشی“ ۲۳۷

ترکی ۴۱

تصویر ۸۶

تصویر شاہ جواد علی ۸۶

تفضیل حسین خاں ۲۴

تقی سید محمد تقی ۸۶

تمکین میر صلاح الدین ۸۶

تمنا خواجہ محمد علی ۸۷

”تنبیہ الغافلین“ ۲۱

تیرانداز خاں ۲۵۲

تیمور شاہ تیمور سہرامی ۱۰۱

بتیاب شاہ محمد علیم ۷۰

بتیاب محمد اسماعیل ۶۹

بیجا (شاہ بیجا) ۶۵

بیدار میر محمدی ۷

بیدل مرزا عبد القادر ۳۰، ۶۳

”برم دی“ (نالہ) ۱۶۸

برنگ دلاور خاں ۶۹

جے قید سید فضائل علی خاں ۶۵، ۲۳۴

بیکل سید عبدالوہاب ۶۹

”بینظیر“ ۱۱۸

بنو ۶۵

بنی بہادر (مہاراجہ) ۷۶



بالکین میر صلاح الدین ۷۶

پانی پت ۸۷

پروانہ راجہ جونت سنگھ ۷۶

پروانہ سید پروان علی ۷۶

پنجابی ۱۶۲

پنابیکم ۳۰

پوربی ۱۶۲

جلال بخاری (سید) ۲۳۷

جلال (سید) ۷۰

جمال (سید) ۷۰

جمال میر جمال الدین حسین ۱۳۷

”جنت العالیہ فی مناقب المعاونہ“ ۲۲

جنون ۱۰۱

جنون شیخ غلام مرتضیٰ ۱۰۱

جوان کاظم علی ۹۳

جوہد پرویرام ۹۹

جوشش شیخ محمد روشن ۱۳۲، ۹۳

جولان میر رمضان علی ۱۰۰

جون پور ۱۸۰

جوہر مرزا احمد علی ۹۹

جہاندار شاہ (مرزا جواں بخت) ۵۷

۱۷۲، ۸۸

جہانگیر نگر ۲۳

جیت سنگھ (مہاراجہ) ۷۷

ج

چاند پور ۱۶۶، ۱۹۱

”چراغ ہدایت“ ۲۲

چغتہ (قوم) ۶۳

ط

ٹکیٹ رائے (مہاراجہ) ۲۳۸

ٹہنہ ۶۵

ث

ثاقب شہاب الدین ۸۷

ثابت اصالت خاں ۸۷

ثابت شجاعت اللہ ۸۷

ج

”جاہمبو“ ۲۱۹

جانسن (ممتاز الدولہ) ۲۳۰، ۲۳۸، ۲۴۰

جان عالم خاں ۱۰۱

جرات شیخ قلندر بخش ۲۸، ۹۰

۱۰۷، ۱۳۹، ۱۶۶، ۲۲۹

جرات میر شیر علی ۱۰۰

جعفر خاں (نواب میر) ۲۲۲

جعفر (خواجہ) ۲۵۰

جعفر علی خاں ۲

جلنو ۱۰۰

حشمت میر تقی عثمان علی خاں ۱۰۳
حضرت اللہ (شاہ) ۲۳۶

حضور (دہلوی) ۱۱۱

حضور شیخ غلام محی ۱۱۲

حفیظ اللہ (شاہ) ۱۲۱

حمزہ (علی، میر) ۲۱۹

حیدر آباد ۱۸، ۵۴، ۱۶۳

حیدر بیگ خاں نواب میرالدولہ ۱۰۹

حیدر غلام حیدر ۱۰۶

حیدر میر حیدر علی شاہ ۱۰۶

حیدری شیخ غلام علی ۱۱۰

حیدران میر حیدر علی ۵۴، ۱۰۹، ۱۳۳

حیرت مراد علی ۱۰۷

حیف موتی لعل ۱۲۳

خ

خادم خادم حسین خاں ۱۲۵

خاف ۵۶

خاکسار محمد یار ۱۲۲

خان جہاں خاں لودی ۲۷۱

ح

حاتم (دہلوی) ۱۰۲، ۱۸۵، ۲۲۳، ۲۲۵

حالی خواجہ الطاف حسین ۳۸

حبیب اللہ ۱۰۶، ۱۳۷

حزین شیخ محمد علی ۲۱، ۲۱۹

حزین میر محمد باقر ۱۰۲، ۱۶۲

حسرت مرزا جعفر علی ۸۷، ۹۱، ۱۰۷

۱۳۳، ۱۳۹، ۱۹۸، ۲۳۰، ۲۷۳

حسرت میر محمد حیات ۲۵۹

حسرت ہیت قلی خاں ۱۱۱

حسن الدین خاں (نواب) ۲۳۲

حسن بیگ ۱۶، ۱۹۷

حسن خواجہ حسن ۱۱۵

حسن رضا خاں نواب سرفراز الدولہ ۱۱۵، ۲۳۸

حسن میر غلام حسن ۵۷، ۱۱۸، ۱۷۲، ۱۸۱

حسن میر محمد حسن ۱۱۵

حسین احمد ۱۷۰

حسین علی خاں (سید) ۱۶، ۱۷

حسین قلی خاں (نواب) ۱۸۰

حشمت محمد علی ۱۰۲، ۱۶۳، ۱۶۴

ولی :- ۱۶، ۱۴، ۱۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳،
 ۶۵، ۶۹، ۷۱، ۸۲، ۸۴، ۸۹،
 ۹۹، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۱۱،
 ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۴۱،
 ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۶،
 ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۸،
 ۲۰۵، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۳۵

۲۲۳، ۲۲۴، ۲۵۹

دلی دروازه ۱۴۶
 دلیرخان (نواب) ۱۸۴
 دوست غلام محمد ۱۳۲
 دولت سادات ۱۸
 دوله رام (راجا) ۳۹
 دیوانه لاله سرپ سنگه ۴۶، ۱۰۹،
 ۱۳۳، ۱۳۴

ذ

ذاکر مراد آبادی ۱۳۴
 ذرّه مرزا سحر ۶۰
 ذوالفقارخان (نواب) ۱۶، ۱۹
 ذوق شیخ ابراهیم ۱۲۸
 ذهین میرتعد ۱۳۲

خان دوراں ۱۴، ۱۶۶
 خسرو ابوالحسن خسرو دہلوی ۲۴۳
 خلیق مرزا ظہور علی ۱۲۵
 خلیل ۱۰۴، ۱۱۸
 خیاباں ۲۲
 خیال میر محمد تقی ۲۵۳

د

دانا شیخ فضل علی ۱۲۹
 "داوری" ۲۲۸
 داؤد داؤد بیگ ۱۳۴
 داؤد خاں ۱۴
 درد (خواجہ میر) ۳۴، ۳۹، ۴۱،
 ۹۴، ۱۰۱، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۶۴،
 ۱۴۲، ۱۸۰، ۱۸۸، ۱۹۱، ۲۵۴
 درد مند فقیر صاحب ۱۲۹، ۲۲۲
 درد میر کرم اللہ خاں ۱۲۹
 درخشاں منگوبیگ ۱۳۴
 "دریغ عشق" ۲۱۰
 دل شاہ فتح محمد ۱۳۴
 دل شیخ محمد عابد ۱۳۲

رند شاہ حمزہ علی ۱۳۵
 رنگین مرزا امان بیگ ۱۳۸
 روشن الدولہ (نواب) ۱۰۱

زارس مغل بیگ ۱۴۰
 زارس میر منظر علی ۱۴۰
 زائر حسین خاں ۱۲۹
 زعفران ۱۳۷
 زکی جعفر علی خاں ۱۴۰

”زمانیہ“ ۴۷
 زین الدین احمد خاں نواب بہت جنگ ۱۶
 ۲۴۷، ۲۴۷
 زینت المساجد ۲۱۹

س

ساقی میر حسین علی ۱۶۱
 سالار جنگ (نواب) ۲۲، ۵۷
 ۲۲۱، ۱۵۹، ۱۱۸
 سامان میر ناصر ۱۶۱

راغب محمد جعفر خاں ۱۳۵
 راقم بند رابن ۱۳۷

رام پور ۲۲۹
 رائے بخش ناتھ ۲۳۵
 رائے میکوعل ۱۰۹
 رحمت خاں (حافظ) ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۵
 رخشاں محمد چاند ۱۳۷
 رخصت میر قدرت اللہ ۱۳۹
 ”ردِ روافض“ ۲۲

رسائی ۱۳۶
 رستم رستم علی خاں احتشام الدولہ ۱۳۸
 ۱۳۹، ۲۳۲

رسوا کتاب رائے ۱۳۶
 رشید ۱۳۸

رضا سید رضا خاں ۱۳۸
 رضا مرزا علی رضا ۱۳۷
 رضا میر محمد ۱۳۷

رضی (مرزا) ۶۰
 رفعت شیخ محمد رفعت ۱۳۶

سجاد میرنجاد ۱۵۹
”سخن شعرا“ ۱۳۲

”سراج اللغت“ ۲۲

سراج میرسراج الدین ۱۶۰
سرفرازخان نواب علاءالدوله ۱۰۶، ۹۹
”سرو آزاد“ ۱۹
”سی پور“ ۲۳۰

سراج الدوله (نواب) ۴، ۶۹،
۱۱۱، ۱۲۹، ۱۶۳

سعادت علی خان (نواب) ۱۳۹، ۲۱۰

سعادت میرسعادت ۱۶۱

سعدالله خان ۲۰۷

سعدالله سورتی (شاه) ۱۷۴

سید احمد خان صولت جنگ ۱۰۴

سکندر خلیفہ سکندر ۱۶۲

سلطان بیگ (مرزا) ۲۲۹

سلیمان ۸۲، ۱۶۰

سلیمان شکوه (مرزا) ۴۱، ۹۱

سلیم میرمحمد ۱۶۲

سنام (قصبہ) ۶۵

سندھیس (لالہ) ۱۹۱

نسکرت ۲۸

سودا مرزا محمد رفیع ۳۱، ۳۶،

۶۹، ۸۰، ۸۲، ۸۷، ۱۰۰،

۱۰۲، ۱۱۵، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱،

۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۰،

۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۷، ۲۰۹،

۲۱۰، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۵، ۲۳۶،

۲۴۴، ۲۵۲

سودائی راجرام ۱۴۰

سورت ۱۷۲

سوزاں نواب احمد علی حسان

شوکت جنگ ۱۵۸، ۱۵۹

سوز میرسید محمد ۶۰، ۶۲، ۱۰۱،

۱۲۳، ۱۳۹، ۱۵۱، ۱۶۵،

۱۹۱، ۲۳۶،

سید حسن (خنک سوار) ۱۲۷

سید میرام الدین ۱۶۱

سید میرایو گار علی ۱۶۱

سیف الدین ۲۷۳

سیف الدوله (نواب) ۵۷

”سیلی بجنوں“ ۱۶۱

ض

ضاحك مير غلام حسين ۱۱۸، ۱۴۲
 ”ضريح مقدس“ ۶۰
 ضمير سيد بايت علي خان نصير الدوله
 بخش الملک اسد جنگ ۱۴۰
 ضيا ميرضياء الدين ۱۱۸، ۱۳۴،
 ۱۵۹، ۱۴۱، ۲۰۴، ۲۴۳

ط

طالع شمس الدين ۱۴۲
 طيش دهلوی ۱۴۲
 طرز گردهاری لعل ۱۴۲
 ”طوس“ ۳۵

ظ

ظاهر خواجه محمد خان ۱۴۳
 ظهور لاله شير شکر ۱۴۳

شوق حسين علي ۱۶۶
 شوق (نواب مرزا) ۳۸
 شوکت جنگ (نواب) ۱۱۱
 شهرت مرزا محمد علي ۱۶۶
 شهيد مولوي غلام حسين ۱۶۶
 شيدا مير فتح علي ۱۶۵، ۱۹۰

ص

صادق علي خان (نواب) ۵۴
 صادق ميرجعفر خان ۱۶۸
 صادق نواب لطف الله خان ۱۳۵
 صانع نظام الدين احمد ۱۶۸، ۱۶۹
 صابر مير محمد علي ۱۶۸
 صفدری حيدرآبادی ۱۶۸
 صمصام الدوله خان ۱۳۸، ۲۳۴
 صنعت لعل خان ۱۶۴
 صولت جنگ (نواب) ۱۱۱
 صهبائي (مولوي امام بخش) ۲۱

ع

عاجز عارف علی خاں ۱۷۹

عادل شاہی ۷۹

عارف محمد عارف ۱۷۶

عاشق علی اعظم خاں ۱۸۱

عاشق نشی عجائب راے ۱۸۱

عاشق میر برہان الدین ۱۸۱

عاشق میر یحییٰ ۱۸۱

عاصی نور محمد ۱۷۹

عالمگیر (اوزنگ زیب) ۱۷۰، ۷۹

۲۴۶، ۱۷۴

عالمگیر ثانی ۲۴۲

عبد العزیز (مولوی) ۲۴

عبد اللہ خاں (سید) ۱۶

عبد الولی (شاہ) ۳۳

عجم ۶۴

عرب ۶۴، ۵۶

عربی ۲۷۴، ۲۳۶، ۶۴

عزالت میر عبد الولی ۱۷۹، ۱۷۳، ۱۷۴

عزیزی بھکاری داس ۱۸۰

عشق شاہ رکن الدین ۱۷۶

عضد اللہ ۶۰

عضد یزدی (سید) ۲۳۷

”عطیہ کبریٰ“ ۲۲

عظیم آباد ۴۶، ۴۷، ۷۷، ۸۷، ۸۸

۹۳، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲

۱۱۴، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۶

۱۳۷، ۱۶۲ تا ۱۶۴، ۱۶۶

۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۸۴

۱۸۹، ۲۱۸، ۲۲۲، ۲۳۵

۲۳۷، ۲۴۵

عظیم محمد عظیم ۱۸۰

عقیدت خاں (نواب) ۲۷۳

علی ابراہیم خاں ۲۳، ۴۱، ۴۸، ۵۷

۷۷، ۸۸، ۹۴، ۱۱۸، ۱۲۴

۱۳۲، ۱۵۲، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۶۹

۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۴

۱۸۶، ۱۸۷، ۱۹۸، ۲۰۵

۲۰۸، ۲۱۶، ۲۵۰

علی اصغر (میر) ۱۲۵

ف

فاخر ۷۰

فارسی ۲۰، ۲۳، ۳۰، ۳۳، ۴۱

۴۶، ۴۳، ۶۴، ۷۶، ۹۹

۱۰۳، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۳، ۳۶

۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۲، ۱۹۱

۱۹۷، ۱۹۸، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۹

۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۷۳

فارغ ۱۸۵

فخرالدین قدس سره ۲۳۷

فخرالدین (مولوی) ۱۸۵

فخر میر فخرالدین ۱۹۰

فدا سید امام الدین ۱۸۸

فدوی لاہوری ۱۹۰

فدوی مرزا محمد علی ۸۸، ۱۸۹

فراق شہزاد اللہ ۱۸۸

فراق مرتضیٰ قلی خاں ۱۸۷، ۱۸۸

فرحت شیخ فرحت اللہ ۱۸۶،

۲۵۸، ۲۵۹

فرحت مرزا الف بگ ۱۸۸

علی اکبر خاں ۱۳۵

علی اکبر (میر) ۲۰۷

علی نقی (مرزا) ۱۷۹

علی وردی خاں نواب بہایت جنگ ۲۸

۱۳۰، ۱۷۰، ۱۷۳

۱۷۴، ۱۸۱

عمدہ سیتارام ۱۷۸

عمر معتبہ خاں ۱۷۹

عیش مرزا محمد عسکری ۱۷۹

غ

غازی الدین خاں نواب الملک ۴۱،

۱۷۶، ۲۰۶

غالب اسد اللہ خاں ۱۸۱

غریب میر تقی ۱۸۲

غلام حسین خاں (نواب) ۱۳۰

غلام طاہر ۲۵۳

غلام علی خاں (سید) ۵۶

غیاث الدین ۱۱۵

غیاث الدین (سلطان بلبن) ۲۷۳

ق

- قاسم خاں (میر محمد) ۱۸۲، ۲۷۰
 قاسم علی خاں (محمد) ۳۱، ۵۶، ۱۳۶، ۲۱۹
 قائم شیخ محمد قائم ۳۵، ۷۰، ۱۷۲، ۱۹۱
 قبول عبدالغنی بیگ ۱۹۷
 قدرت شاہ قدرت آباد ۱۹۸، ۲۰۷، ۲۳۵
 قدر محمد قدر ۱۹۷
 قراولیو ۱۵۱
 قربان لالہ صاحب رائے ۱۹۱
 قربان میر جیون ۱۹۷
 ”قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسنین“ ۲۲
 قسمت ۱۹۷
 ”قصائد عرفی“ ۲۲
 ”قصہ بوم و بقال“ ۱۹۰
 قطب الدین خاں ۱۰۴
 قلندر لالہ بدھ سنگھ ۱۹۷
 قمر الدین (نواب) ۱۶۱
 قلعت مرزا محمد بیگ ۱۹۷
 ”قول فیض“ ۲۱
 قیامت حاجی احمد علی ۱۲۶، ۲۳۵

- فرخ آباد ۱۳۹، ۱۹۰، ۲۲۸
 فرخ سیر (محمد) ۱۶، ۱۷، ۲۱، ۱۶۷، ۲۴۴
 فرخ میر فرخ علی ۱۸۷
 فروغ میر علی اکبر ۱۹۱
 فریاد لالہ صاحب رائے ۱۹۱
 فرید الدین عطار نیشاپوری ۲۱
 فرید شیخ شکر گنج ۱۲۷
 ”فصوص الحکم“ ۲۰۵
 فضل شاہ فضل علی ۱۸۶
 فضل علی خاں (نواب) ۴۷، ۱۶۶
 فضلی افضل الدین خاں ۱۸۶
 نغان اشرف علی خاں ۱۸۴، ۲۷۷
 ۲۴۴، ۲۴۵
 فقیر میر شمس الدین ۱۸۲، ۱۹۱
 ۱۹۸، ۲۳۷
 فیروز جنگ (امیر الامرا) ۱۷
 فیض آباد ۳۴، ۶۰، ۷۶، ۱۷۲، ۱۹۷
 ۲۰۷، ۲۳۳
 فیض اللہ خاں (نواب) ۲۲۹
 فیض میر فیض علی ۱۹۱
 فیضی ۱۸۳

ک

کافر میر علی نقی ۲۰۷

کاگل شاہ کاگل ۲۰۷

کاپی ۴۰، ۴۱

کایتھ ۱۲۳، ۱۷۲، ۱۹۱

کٹک ۹۹

کربلائے معلیٰ ۶۰، ۷۱

کرناٹک ۱۸

کشمیر ۱۳۸، ۱۹۷، ۲۲۶، ۲۲۹

کشمیری ۴۱

کشتا (ندی) ۱۸

کلکتہ ۵۸، ۶۱، ۱۶۹، ۲۰۹، ۲۳۸

کلیم شیخ محمد حسین ۲۰۵

کمال الدین شیخ ۲۱

کمترین دہلوی ۲۰۶

کوٹلہ فیروز شاہ ۲۳، ۲۵، ۲۴۴

کور مرزا یوسف ۶۰

کھڑکی ۷۷

گ

گجرات ۲۴۶

گجراتیں میر علی امجد ۲۰۷

گلاب رائے (راجہ) ۲۵۲

”گلزار ابراہیم“ ۲۳، ۹۴

۱۶۴، ۲۵۰

”گلستان“ ۲۲، ۵۸، ۲۳۸

گلشن شاہ گلشن ۲۴۶

گلشن ہند ۲۳، ۱۵۱

گلگرسٹ ۵۸

گمان نظر علی خاں ۲۰۷

گوالیر ۲۱

گوپال ۲۸

ل

لالہ بت سین ۱۲۳

لسان میر کلیم اللہ ۲۰۸

لطف اللہ (حافظ) ۷۰

مائل میر ہدایت علی ۲۲۵
 مبارز خاں ۱۸
 مبارک علی خاں نواب مبارک الدولہ ۶۰
 ۲۵۳، ۱۱۱
 شبنوی در تعریف لاشی ۲۳۶
 مجدد الف ثانی ۲۶۰
 مجروح نشی کش چندہ ۲۲۹
 مجذوب مرزا غلام حیدر ۲۲۶
 ”مجمع النفائس“ ۲۲
 مجنون حمایت علی ۲۳۵
 مجنون شاہ مجنون ۲۳۵
 محبت نواب محبت خاں ۹۱
 ۲۲۹، ۲۳۵
 محب شیخ ولی اللہ ۲۲۸
 محترم خواجہ محمد محترم ۲۲۷
 محترم علی خاں ۲۵۰
 محزون مولوی سید محمد حسین ۲۲۱
 محسن محمد حسن ۲۲۱
 محشر ۲۲۶
 محقق دکنی ۲۱۸
 محمد آباد (بنارس) ۷۷

لطیف (علی لطیف) ۳۱، ۵۹
 ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۲۹، ۱۱۸، ۸۸، ۶۳
 ۱۶۸، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۹۸، ۲۰۵
 ۲۰۸، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۲
 ۲۲۶، ۲۲۳
 لطیفی دکنی ۲۰۸
 لکھنؤ ۲۲، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۴
 ۳۸، ۴۱، ۴۲، ۴۷، ۵۶
 تا ۶۰، ۷۶، ۸۹، ۹۱، ۹۳
 ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۱۸
 ۱۲۲، ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۵۲
 ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۴
 ۱۷۶، ۱۹۸، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۷۹
 ۲۱۰، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۵
 ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۷۳

ماروارہی ۴۱، ۱۶۲
 ماوراءالنہر ۱۸۶
 مائل محمد مائل ۲۲۵

محمد غوث (شیخ) ۱۳۴، ۲۵
 محمد قادری (میر) ۱۶۸
 محمد قاسم خاں (نواب) ۱۶۳، ۲۱۹، ۲۲۷
 محمد کبیر (شیخ) ۲۲۹
 محمد معصوم (میر) ۲۵۸
 محمدی خاں (خواجہ) ۱۷۶، ۲۲۷
 محنت مرزا حسین علی بیگ ۲۲۹
 ”مخزن اسرار“ ۲۳۶
 مخلص بدیع الزماں خاں ۲۲۶
 مخلص رائے اند رام ۲۱۸
 مخلص مخلص علی خاں ۲۲۲
 مدار مرزا شاہ بدیع الدین ۱۸۶
 مدبر اصفہانی (آقا) ۲۵۳
 مدد اللہ (میر) ۲۱۹
 مدد علی میر عوض علی ۲۳۵
 مدد ہوش میر نبی خاں ۲۳۶
 مراد آباد ۱۰۴، ۱۳۴
 مرزا عسکری ۱۸۰، ۱۸۱
 مرزا علی خاں افتخار الدولہ ۱۳۸،
 ۱۴۱، ۱۵۸
 مرزا مرزا علی رضا ۲۳۴

محمد باسط (خواجہ) ۲۳۶
 محمد باقر (مولوی) ۱۱۴
 محمد برکت (مولوی) ۱۰۱، ۲۲۱
 محمد تقی خاں ۶۰، ۱۳۵
 محمد جعفر خاں (نواب) ۵۷
 محمد حسین (فرنگی) ۲۳۸
 محمد حسین (مرزا) ۱۳۸، ۲۳۴
 محمد رضا خاں نواب مظفر خاں ۲۸
 محمد سلطان ۲۷۳
 محمد شاہ فردوس آرام گاہ ۲۶، ۲۹
 ۳۳، ۳۴، ۶۵، ۶۸، ۶۹، ۸۲
 ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۰۶
 ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۷
 ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۸۷، ۱۹۷، ۲۰۵
 ۲۱۹، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۴۲
 ۲۴۴، ۲۷۱، ۲۷۳
 محمد شریف ۱۱۵
 محمد صائم صمصام الدولہ ۱۶۷
 محمد علی خاں (رحیلہ) ۳۵، ۱۰۴
 محمد علی خاں (میر) ۶۵، ۱۳۴
 محمد علی خاں نواب مہابت جنگ ۱۸۸، ۱۸۷

مصدر میرزا شاعر خداں ۳۱
مصیب غلام قطب الدین ۳۰، ۳۶
مضمون سید امام الدین ۲۲۷
مضمون شیخ شرف الدین ۱۱۹
۱۷۹، ۳۴۹

منظر علی خاں (سید) ۵۷، ۵۸
منظر (قاضی) ۱۸۶
منظر (مرزا جان جاناں) ۶۵
۸۲، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۳۰، ۱۶۱
۱۷۳، ۲۲۹، ۲۳۸، ۲۶۰

معز الدین محمد ۱۶
معین الدین خاں (سید) ۲۲۷
معین شیخ معین الدین ۲۳۵
مغموم رام حبس ۲۴۰
مفتون کاظم علی ۲۲۶
”مقدمہ شعرو شاعری“ ۳۸
مکہ مسجد ۸۱

ملول ۳۴، ۲۵۳
حمناز حافظ فضل علی ۲۳۶
منتظر خواجہ بخش اللہ ۲۲۵
منت میر قمر الدین ۶۲، ۲۳۷، ۲۳۸

مرزا مرزا محمد حسین ۱۳۸
مرزا ہوش دار ۱۲۵
مرزائی محمد علی خاں ۲۲۶
مرزا یوسف ۶۰

مرشد آباد ۲۹، ۳۶، ۳۹، ۴۳

۴۳، ۴۶، ۴۸، ۵۸

۶۰، ۶۱، ۱۲۵، ۱۳۰

۱۳۲، ۱۳۵، ۱۵۲، ۱۶۲

۱۶۳، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۴

۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴

۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۰۷

۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۵

۲۴۴، ۲۵۰، ۲۵۳، ۲۵۹

مرآت بنعلی ۲۲۹

مزدیل محمد فضل ۲۱۸

مستمند ۲۲۲

مسکین لالہ تختل ۲۲۵

مسنون ۱۳۶

مشتاق میر حسن ۲۳۶

مشہد مقدس ۳۵

مصنعی غلام ہمدانی ۲۲۷

ن

ناجی محمد شاکر ۱۶۲، ۲۲۲
 نادر دہلوی ۲۲۴
 نادر شاہ ۱۹
 نارنول ۲۲۸، ۵۶
 ناصر دہلوی ۱۶
 نالان محمد عسکر علی خاں ۲۲۵
 نالان میر احمد علی ۲۲۲
 نالان میروارث علی ۲۲۵
 نبی میر غلام نبی ۲۲۳
 نثار سدا سکھ ۲۲۴
 نثار میر عبدالرسول ۲۲۴
 نجات فیض حسن رضا ۲۲۵
 نجف اشرف ۷۱
 نجیب خان مجیب الدولہ ۲۵۲
 نخاس ۱۰۷
 ندیم شیخ علی خاں ۱۸۴
 ندیم شیخ علی قلی ۲۲۳
 نرہدا ۱۷

منشی غلام منشی ۲۲۸
 منعم ۲۱۹
 منی امرک ۱۸
 مومن آباد ۲۷۳
 موزوں ہمارا جہرام نرائن ۲۱۸
 مومن بیگ (مرزا) ۱۳۰
 موہبت عظمیٰ ۲۲
 مہابن ۲۷
 مہا نرائن ۱۳۳
 میر احمد قصہ خواں ۳۲
 میر ازانی ۲۲۵
 میر باقی خوستی ۲۲۹
 میر حاجی ۳۰
 میر حامد ۱۱۰
 میر رضا ۳۱
 میر سیف اللہ ۱۳۹
 میر عبد الجلیل ۲۲۳
 میل (محمد تقی) ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۶۷، ۱۹۱
 ۲۲۴، ۲۳۵، ۲۲۶، ۲۲۱، ۲۰۸، ۲۰۵
 ۲۷۳، ۲۳۵
 میر نصیر ۱۱۰
 میر وحید (ملا) ۱۶۴

والہ میر مبارک علی ۲۵۳
 وحشت میر ابو الحسن ۲۵۲
 وحشت میر بہادر علی ۲۵۲
 وصل مرزا اسحق ۲۵۳
 وفا لالہ نون رائے ۲۵۲
 ولایت ولایت اللہ خاں ۲۳، ۱۰۳
 ۲۲۹، ۱۰۹

ولی دکنی شاہ ولی اللہ ۲۴
 ۲۲۶، ۱۰۶
 ولی دہلوی مرزا محمد ولی ۲۵۰
 وہب علی ۱۳۸
 وہم میر محمد علی ۲۵۳

ہاتف مرزا محمد ۲۵۹
 ہادی دہلوی ۲۵۸
 ہاشم قلی خاں ۲۳۰
 ہدایت شیخ ہدایت اللہ ۲۵۳
 ہدایت ہدایت علی ۲۵۹
 ہشین جلالت بنگ بہادر ۲۳۸

نزار خواجہ محمد اکرم ۲۴۵
 نساخ عبد الغفور ۱۳۲
 نصیر الدین چراغ دہلوی ۲۱
 نظام الدین شیخ نظام الدین لیا ۲۰۳
 ۲۰۴

نظام الدین (ملا) ۱۳۸
 نظام الملک آصف جاہ ۱۸، ۶۳، ۱۶۰
 نظام شاہی ۷۹
 نظام نواب محمد غازی الدین خاں
 فیروز جنگ ۲۴۲
 نعیم نعیم اللہ خاں ۲۲۶، ۲۴۳
 نکتہ مرزا علی خاں ۱۸۴
 نواز شہ علی خاں مرزا سردار جنگ ۱۱۸، ۵۰
 نواز شہ محمد خاں شہامت جنگ ۱۲۵
 ۲۲۲، ۱۳۰

نوید میر نور الدین ۲۳۰

وارث محمد وارث ۲۵۰
 واقف شاہ واقف ۲۵۲

ی

یاد میراجہ ۲۴۳

باس حسن علی خاں ۲۴۳

یکونگ مصطفیٰ خاں ۲۴۱، ۲۴۹

یکرو عبدالوہاب ۲۴۲

یقین انعام اللہ خاں ۲۵۹، ۲۱۶

”یوسف زلیخا“ ۱۹۰

یونس حکیم یونس ۲۴۱

ہمد عظیم آبادی ۲۵۹

ہندوستان ۱۹، ۲۱، ۵۶، ۶۳، ۸۱

۱۳۵، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۸، ۲۲۶

ہندی ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۱۱۵

۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۸۹

۲۰۵، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۶

۲۴۴، ۲۴۳

ہویدا میر محمد عظم ۲۵۸

ہینگا میر ہینگا ۲۵۹

